سفرۃ الواعظین

یعنی مجموعہ مواعظ وخطبات

جلد ۳

جمع وترتیب

(مفتی) محمد عابد عثمانی

خادم التدریس دارالعلوم اشرفیہ، راندیر

ناشر

مکتبہ عثمانیہ راندیر

۱۷۰/۶، مالم واڈا اسٹریٹ راندیر سورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سفرۃ الواعظین

یعنی مجموعہ مواعظ وخطبات

جلد ۳

جمع وترتیب

(مفتی) محمد عادل عثمانی

خادم التدریس دار العلوم اشرفیہ، راندیر

ناشر

مکتبہ عثمانیہ راندیر

۱۷۰/۶، مالم واڈا اسٹریٹ راندیر سورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلات

اسم کتاب: سفر الواعظین جلد ۳

جمع وترتیب: (مفتی) محمد عادل عثمانی

ناشر: مکتبہ عثمانیہ راندیر
۶/۱۷۰۱، مالم واڑا اسٹریٹ راندیر سورت

انتساب

اولاً: حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام، جن کے احسانات کی انتہا نہیں۔

ثانیاً: والد معظم حضرت مولانا مفتی عارف حسن عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہ کے نام، جو احقر کے صرف مشفق باپ ہی نہیں بلکہ محسن ترین استاذ اور مربی تھے، جن کی مثالی تربیت اور کامل نگرانی اس ناکارہ کے لیے برابر حق پر استقامت اور دینی خدمات انجام دہی کے لیے معاون بنتی رہتی ہے۔ حق تعالیٰ ان کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں اور رفع درجات کا ذریعہ بنائیں۔ (آمین)

ثالثاً: والدہ مکرمہ حفظہا اللہ کے نام، جن کی مخلصانہ دعائے نیم شبی احقر کی زندگی کا بڑا سرمایہ ہیں۔ رب کریم انھیں صحت، طاقت، قوت وتندرستی کی نعمت سے مالا مال فرمائیں اور دعا کے اس دروازے کو احقر کے حق میں عافیت کے ساتھ تا دیر کھلا رکھیں۔ (آمین)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اجمالی فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفصیلی فہرست

کلمات بابرکت

مرشدی ومولائی، سیدی وسندی، نمونۂ اسلاف، عارف باللہ

حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم

مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، یوپی

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

رمضان المبارک میں تراویح کے بعد قرآن پاک کے منتخب حصوں کے ترجمہ وتفسیر اور خلاصۂ مضامین سنانے کا بہت سی مساجد میں سلسلہ رہتا ہے۔

پیشِ نظر کتاب ''سفرۃ الواعظین'' ان ہی قیمتی مضامین کا مجموعہ ہے، جو بعد تراویح راندیر کی جامع مسجد میں حضرت مولانا مفتی عارف حسن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مدۃ العمر سناتے رہے اور اُن کی وفات کے بعد یہ خدمت اُن کے لائق فرزند عزیز گرامی قدر مفتی محمد عادل صاحب زید علمہ وفضلہ کے حصے میں آئی۔ فہرستِ مضامین پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ ''سفرۃ الواعظین'' میں جن مضامین کو جمع کیا گیا ہے، وہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بہت ہی اہمیت کی حامل ہیں۔

بندہ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس خدمت کو قبول فرمائیں اور اِس کو حضرت مولانا مفتی عارف حسن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں۔ (آمین)

(حضرت مفتی) ابوالقاسم نعمانی (صاحب زید مجدہم)

۲۸/۰۶/۱۴۴۶ھ، ۳۱/۱۲/۲۰۲۴ء

۞۞۞ ہدیۂ تبریک ۞۞۞

مخدوم محترم ومکرم ماہر اللسان والقلم، جامع العلوم والفنون

حضرت مولانا ڈاکٹر اسجد صاحب قاسمی ندوی دامت برکاتہم

مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ، مرادآباد

الحمد للّٰہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین، والصلوۃ والسلام علی سیدالمرسلین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، وبعد

زیر نظر اہم علمی اور اصلاحی کاوش ''سفرۃ الواعظین'' برادر گرامی حضرت مولانا مفتی محمد عادل عثمانی صاحب زید مجدہم کے قلم گہر بار کے روشن نقوش میں سے ہے، مولانا موصوف علمی اور نسبی ہر دو عظمتوں اور سعادتوں کے جامع ہیں، اکابر کے فیض یافتہ ہیں علمی تعلیمی، تدریسی، اصلاحی، تربیتی اور دینی خدمات کی انجام دہی میں ہمہ تن مصروف ومنہمک ہیں، راندیر (سورت) کی معروف مرکزی مسجد حظیرہ کی امامت وخطابت ذمے ذمہ داری بھی انجام دیتے ہیں، بحمد اللہ تعالیٰ عوام کی تربیت واصلاح کے لیے اصلاحی بیانات وخطابات کا مبارک سلسلہ بھی انھوں نے جاری رکھا ہے اور قرآن وسنت کی روشنی میں مستند، مفید اور کارآمد مضامین عام فہم اور مؤثر اسلوب میں بیان کرنے کا خصوصی ملکہ اور سلیقہ انھیں اللہ رب العزت کی طرف سے خوب خوب عطا ہوا ہے، اللہ نے زبان کے ساتھ قلم وتحریر کی نعمت بھی انھیں بخشی ہے، ان کی تصنیفی اور تحریری خدمات اس پر شاہد ہیں۔

زیر نظر کتاب ''سفرۃ الواعظین'' میں مولانا موصوف نے متعدد اہم ترین دینی،

دعوتی، تربیتی اور اصلاحی موضوعات پر حسن ترتیب کے ساتھ انتہائی بیش قیمت مضامین جمع فرمائے ہیں، ہر بات باحوالہ اور مستند ہے، زبان آسان اور عام فہم ہے، کتاب عوام وخواص سب کے لیے یکساں مفید ہے۔

احقر اس مفید کاوش کی ترتیب پر مولانا موصوف کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے بصدق دل دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت اسے قبول عام وتام عطا فرمائیں اور مولانا کو توفیق مزید اور اجر جزیل سے نوازیں۔ (آمین)

مخلص

محمد اسجد قاسمی ندوی

خادم الحدیث النبوی الشریف

جامعہ عربیہ امدادیہ، مرادآباد

۰۷ ربیع الاول ۱۴۴۵ھ

۱۱ ستمبر ۲۰۲۴ء

حوصلہ اَفزا کلمات

قابل صد تکریم واحترام، مقرر شیریں بیاں، خادم الحدیث النبوی الشریف
حضرت مولانا سید خلیل احمد صاحب قاضی فلاحی راندیری دامت برکاتہم
استاذ تفسیر وحدیث مدرسہ اسلامیہ وقف صوفی باغ، سورت

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
حامداً ومصلیاً ومسلماً

اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کو دیگر اوصاف وکمالات کے ساتھ خطابت کا ملکہ عطا فرمایا تھا، جس کے توسط سے ان بابرکت ہستیوں نے اپنے اپنے زمانے میں اپنی اپنی قوموں کو زندگی گزارنے کا ڈھنگ اور سلیقہ سکھایا، ان کی ذمے داریوں سے ان کو روشناس کرایا، خیر وشر، حق وباطل، ظلمت ونور اور ہدایت وگمراہی کے مابین فرق سمجھایا، عادات حسنہ اور اخلاق فاضلہ کو اختیار کرنے کی تلقین فرمائی، رذائل وقبائح اور برے اطوار وعادات سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ خلاصہ یہ کہ دین کی تبلیغ واشاعت اور معاشرے کی اصلاح وتربیت کے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لیے اسی ملکۂ خطابت اور لسانی صلاحیت سے کام لیا۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے نبوت سے سرفراز ہونے کے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ سے

﴿وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِيۡ ○ يَفۡقَهُوۡا قَوۡلِيۡ ○﴾ [طٰہٰ:۲۷، ۲۸]

کے الفاظ سے دعا کی تھی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا: و إن من البيان لسحرا تو

کہیں فرمایا: أنا أفصح العرب

بہر حال! چوں کہ آپ خاتم الانبیا ہیں، نبوت ورسالت کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے، اس لیے اب اصلاح وتربیت اور دعوت وتبلیغ کی ذمے داری وارثین انبیا یعنی علمائے دین پر ہے۔ اور اس عظیم ذمے داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے دیگر صلاحیتوں کے ساتھ زبان وبیان اور خطابت وتقریر کی صلاحیت سے بھی بہرہ ہور ہونا ضروری ہے، جس کے صحیح استعمال سے معاشرے میں دینی انقلاب برپا ہوسکتا ہے اور لوگوں کی زندگیوں میں تبدیلی آسکتی ہے۔

تاریخ گواہ ہے، کہ اسلام کے ہر دور میں وعظ وخطابت اور پند ونصائح نے وہ کردار ادا کیا ہے کہ بسا اوقات شمشیر وسناں اور تیغ وتفنگ بھی ان کے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں۔ خطبا و واعظین کی ایک لمبی فہرست ہے، جنھوں ہر زمانے میں اپنی قوت لسانی اور جادو بیانی سے مردہ دلوں کو زندہ اور زوال آمادہ انسانیت کو عروج کی راہ پر گامزن کیا ہے۔ خطابت کی اہمیت کے پیش نظر ہی ہر دور میں علمائے اسلام نے فن خطابت کو اپنے اپنے ذوق وصلاحیت کے مطابق نکھارا اور سنوارا ہیں۔ ہر موضوع پر قرآن کریم کی زریں آیات، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک احادیث، سلف صالحین کے سنہرے اقوال اور بصیرت آموز واقعات سے اس فن کو مالا مال کر دیا ہے، جو میدان خطابت میں قدم رکھنے والوں کے لیے منارہ نور اور مشعلِ راہ ثابت ہو رہے ہیں۔ ان ہی علما میں سے ہمارے خواہر زادہ عزیزم مفتی محمد عادل عثمانی صاحب سلّمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خواہر زادۂ محترم کو دینی موضوعات پر گفتگو کرنے کا عمدہ سلیقہ عطا فرمایا ہے۔

موصوف کا تعلق ایک علمی خانوادے سے ہیں۔ان کے والد محترم صوبہ گجرات کی مشہور شخصیت حضرت مفتی عارف حسن عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق استاذ حدیث وتفسیر دار العلوم اشرفیہ راندیر تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کو بچپن سے ہی پڑھنے لکھنے کا شوق ہے اور تحقیق وتدقیق میں کافی انہماک رکھتے ہیں۔وہ ایک باصلاحیت وذی استعداد مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھے خطیب بھی ہیں۔بایں وجہ حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ان کے بیانات و خطابات سے اطراف واکناف کے لوگ بہت استفادہ کرتے رہتے ہیں۔انداز بیان بہت دلچسپ مگر عام فہم ہوتا ہے۔کسی موضوع پر خطاب کرنے سے پہلے مکمل طور پر اس کی تیاری کرتے ہیں،مضامین کو جمع کرنے سے پہلے دلائل وحوالجات کا خاص خیال رکھتے ہیں،بلا دلیل نہ کوئی بات بیان کرتے ہیں اور نہ کوئی مضمون تحریر کرتے ہیں۔چناں چہ ان کے خطابات کا مجموعہ ''سفرۃ الواعظین'' ان کے انداز بیاں اور اسلوب خطابت اور مساعی جمیلہ کا بہترین نمونہ ہے۔ان کے اس مجموعے کے چند مقامات کو دیکھ کر اور براہ راست مختلف مواقع پر سن کر اندازہ ہوا کہ مضامین حشو وزوائد سے پاک اور معتبر ومدلل باتوں سے لبریز ہیں۔دعا ہے اللہ تعالیٰ آں عزیز کی ان کاوشوں کو قبول فرمائیں اور خطابات وبیانات سے امت کو خوب نفع پہنچائیں اور مقبول خاص وعام فرمائیں۔(آمین)

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد!

خلیل احمد قاضی راندیری عفی عنہ

خادم تدریس مدرسہ اسلامیہ وقف صوفی باغ،سورت

۲۵/ربیع الاول ۱۴۴۵ھ،مطابق ۲۸/ستمبر ۲۰۲۴ء

سفرۃ الواعظین: توشۂ ناصحین

الحمد لله الذي نوّر بالوعظ العقول، وفتح بالخَطابة أبواب الفضل والقَبول، والصلاة والسلام على أفصح من نطق بالكلام، وأبلغ من وعظ الأنام. أما بعد!

اس قحط الرجال کے دور میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسے رجالِ کار تخلیق فرمائے ہیں، جو خدمتِ دین میں ہمہ تن مصروف اور اشاعتِ علم کے لیے ہر وقت سرگرمِ عمل رہتے ہیں، جن کا مطمحِ نظر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ، اور جن کی فکروں کا محور امت مسلمہ کی روز افزوں تنزلی اور عبرت آمیز زوال ہوتا ہے، جو ''خنجر چلے کسی پر، تڑپتے ہیں ہم امیر'' کے مصداق ہوتے ہیں اور سارے جہاں کا درد اپنے جگر میں لیے پھرتے ہیں۔

ایسے ہی مردانِ حق کی فہرست میں حضرت الاستاذ مفتی محمد عادل عثمانی صاحب دام ظلہ العالی کا نامِ نامی اسمِ سامی بھی شامل ہے، جو ایک طرف تو درس وتدریس کا عظیم الشان مشغلہ رکھتے ہیں اور دوسری طرف امامت وخطابت کا گراں بار فریضہ انجام دے رہے ہیں، اور اپنی شخصیت کو یہیں تک محدود نہ رکھتے ہوئے ساتھ ساتھ آپ نے میدانِ تصنیف وتالیف کو بھی اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اس میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے، کہیں آپ ''تذکرۃ القاضی'' کے نام سے اپنے مرحوم نانا جان حضرت مولانا سید محی الدین صاحب قاضی کے حالات زندگی پر نقشِ سخن بناتے نظر آتے ہیں، تو کہیں آپ کا قلمِ گوہر بار ''وہ جو تھا سچا عاشقِ قرآن'' کے عنوان سے قیمتی یادیں قرطاس پر بکھیرتا پایا جاتا ہے، جس کے متعلق کہا گیا کہ یہ

مجموعہ استاذ کا تذکرہ لکھنے والوں کے لیے ایک رہنما کا کردار ادا کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ''درسِ بیضاوی'' اور ''الأربعین فی نصائح سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' وغیرہ بھی آپ کی کامیاب تالیفی کاوشوں میں شامل ہیں۔

مِن جملہ آپ کی تالیفات کے؛ ایک اہم، مفید اور کارآمد تالیفِ لطیف ''سفرۃ الواعظین'' ہے۔ ناچیز کو بفضل اللہ اس کتابِ مستطاب پر بائے بسم اللہ سے تائے تمت تک نظر کرنے کی سعادت میسر آئی، جس سے بجا طور پر محسوس ہوا کہ کتاب بڑی دیدہ ریزہ، جاں کاہی اور جگر کاوی سے تیار کی گئی ہے۔

یوں ہی نہیں یہ برگ وثمر لہلہائے ہیں	پیڑوں نے موسموں کے بہت دکھ اٹھائے ہیں

سفرۃ الواعظین واقعی اسمِ بامسمی توشۂ ناصحین ہے، جس میں آسان ترتیب سے مختلف موضوعات سے متعلق آیاتِ کریمہ، احادیثِ مبارکہ، اقوالِ سلف کے ساتھ ساتھ برمحل سبق آموز واقعات کو کتبِ معتبرہ کے حوالہ جات سے مزین کر کے، ہر باغ سے پھل چن کر اور ہر پھول سے رس چوس کر واعظین کے دسترخوان پر سجایا گیا ہے۔

ایک اہم اور قابلِ ذکر خوبی یہ ہے کہ موضوع سے ہٹے بغیر تحت العنوان کلام کیا ہے، پھر موضوعات بھی ایسے جو عام کتبِ خطبات ومواعظ میں عموما کم پائے جاتے ہیں، زبان سادہ اور سلیس ہے، ذیلی عناوین کا مکمل اہتمام کیا گیا ہے جس سے ہر بات کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا آسان، اور مضمون کو ذہن نشین کرنا سہل ہو جاتا ہے۔ مزید کیا کیا خوبیاں ہیں اس کا فیصلہ سپردِ قارئین ہے، اس لیے کہ ''عطر آں کہ خود ببوید نہ آں کہ عطار بگوید''

بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ وہ غفور وشکور پروردگار آپ کی جملہ خدماتِ

دینیہ کوشرفِ قبول عطافرمائیں اورذخیرۂ آخرت اوروسیلۂ نجات بنائیں، اوراس کتاب کومفیدِ عام اورپسندیدۂ انام بنائیں۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز وھو بالإجابة جــدیر

محمد لقمان غفرلہ الرحمٰن

۳۰/ربیع الاول ۱۴۴۶ھ

حرفِ چند

ہر حمد و ثنا اللہ رب العزت کے لیے ہے، جس نے ہمیں علم کی روشنی عطا فرمائی اور ہدایت کے راستے پر چلنے کی توفیق بخشی۔ تمام تعریفیں اُس ذاتِ مقدس کے لیے ہیں، جو ہماری کمزوریوں کو جانتا ہے، لیکن پھر بھی ہمیں اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ درود و سلام ہو نبیٔ رحمت، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، جو ہمارے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہیں، اور ان کی مبارک آل و اصحاب پر، جو دین کی نشر و اشاعت میں پیش پیش رہے۔

الحمدللہ والشکر للہ، رب ذوالجلال والاکرام کے بے پناہ فضل و کرم اور لطف و احسان سے "سفرۃ الواعظین کی تیسری جلد آپ کے سامنے پیش کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی دو جلدیں قارئین کی خدمت میں پیش کی گئیں، تو اللہ پاک کے فضل سے اُسے وسیع پیمانے پر قبولیت اور پذیرائی ملی۔ یہ اعتماد اور محبت ہمارے لیے ایک عظیم حوصلہ افزائی کا ذریعہ ہے، اور ہمیں مزید بہتر کام کرنے کا عزم عطا کرتا ہے۔

اس جلد میں زیادہ تر مضامین ایمانیات سے تعلق رکھتے ہیں، مضامین کا انتخاب بہت ہی سوچ سمجھ کر کیا گیا ہے۔ ہر مضمون کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، تاکہ قاری کو موضوع کی گہرائی میں جا کر اس کی اہمیت کا احساس ہو سکے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ دین کی تعلیمات کو ایسی زبان میں پیش کیا جائے جو عام فہم ہو، اور تمام ہی مضامین سابقہ دو جلدوں کی طرح آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، آثار صحابہ، واقعات معتبرہ، فوائد نافعہ اور نکات عجیبہ سے لبریز ہے اور قارئین کے لیے علم و عمل، ہدایت و اصلاح اور روحانی تربیت کا جامع ذریعہ ثابت ہوگی ان شاء

اللہ العزیز۔

بندہ نہایت ممنون ومشکور ہے مرشدی ومولائی، سیدی وسندی، نمونۂ اسلاف، عاف باللہ حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم (مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، یوپی) کا، جنھوں نے اپنی عدیم الفرصتی وکثرتِ مشاغل کے باوجود اس کتاب پر نہایت جامع وپرمغز دعائیہ کلمات تحریر فرما کر احسانِ عظیم فرمایا۔

نیز مخدوم محترم ومکرم، ماہر اللسان والقلم حضرت مولانا ڈاکٹر اسجد صاحب قاسمی دامت برکاتہم (مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ، مرادآباد، یوپی) کا اور مخدوم مکرم محترم المقام حضرت مولانا سید خلیل احمد صاحب قاضی فلاحی راندیری زیدمجدہم (استاذ الحدیث مدرسہ اسلامیہ وقف صوفی باغ، سورت) کا، جنھوں نے اس کتاب پر حوصلہ افزا کلمات تحریر فرما کر نہ صرف اس عاجز پر احسان فرمایا، بلکہ اس کتاب میں چار چاند بھی لگا دیے۔ حق تعالیٰ ان حضرات کو دارین کی خیر وخوبیوں سے مالا مال فرمائیں، ان کے علم، عمل، عمر اور عزت میں خوب خوب برکتیں نصیب فرمائیں اور ان کی جملہ خدمات دینیہ ودنیویہ کو قبول فرمائیں۔ (آمین)

اِس کتاب کی تصحیح وتنقیح کے سلسلے میں عزیزم مولوی مفتی لقمان راندیری زید علمہ وفضلہ (مدرس دارالعلوم اشرفیہ عربیہ راندیر) کا بڑا تعاون رہا، حق تعالیٰ اُن کے احسانات کا انھیں بھرپور صلہ عطا فرمائیں اور ان کے علم میں مزید پروان چڑھائیں۔ (آمین)

عاجز کو اپنی کم علمی اور بے مائیگی کا بہت احساس ہے، اگر اس کتاب میں کوئی بات قابل اصلاح ہو تو قارئین سے عاجزانہ ومؤدبانہ التماس ہے کہ اُس پر مطلع فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

اس موقع پر حضرت قبلہ والد ماجد نور اللہ مرقدہ کو کیسے فراموش کر سکتا ہوں، جنھوں نے اِس عاجز کو وعظ وخطابت کا سلیقہ سکھایا، آپ کی حیات طیبہ میں احقر کی کردہ ایک ایک تقریر کو سنا، حوصلہ بھی دیا اور موقع بہ موقع اصلاح بھی فرمائی۔ حق تعالیٰ شانہ اُن کی تربت پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں اور اِس کتاب کو اُن کے حق میں صدقۂ جاریہ اور رفعِ درجات کا ذریعہ بنائیں۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اِس کتاب میں آنے والے مضامین پر عمل کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، اِس کے نفع کو عام وتام فرمائیں اور قبولیت کے زیور سے اِس کو آراستہ فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

فقط والسلام

محمد عادل عثمانی

خادم تدریس دار العلوم اشرفیہ عربیہ راندیر

۰۹ر رجب المرجب ۱۴۴۶ھ، ۱۰ر جنوری ۲۰۲۵ء

❁❁❁ وعظ ونصیحت کا اسلوبِ نبوی ❁❁❁

اسلامی تعلیمات میں وعظ ونصیحت کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی سطح پر بھی انسانوں کی تربیت اور اصلاح کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ وعظ ونصیحت کا مقصد انسان کو بہتر بنانے، صحیح راستے کی رہنمائی کرنے، اور ان کی روحانی و اخلاقی حالت کو مضبوط کرنے میں مدد فراہم کرنا ہے۔ مگر جب وعظ ونصیحت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلوب پر ہو، تو وہ وعظ اور وہ نصیحت زیادہ مؤثر ہوا کرتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعظ ونصیحت کا اسلوب نہایت حکیمانہ، مؤثر اور جامع تھا، جس میں حکمت، شفقت، اور نرمی کا بھرپور خیال رکھا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو دین کی دعوت دیتے وقت ان کی نفسیات، مزاج، اور حالات کا خاص خیال رکھتے تھے۔ نبوی اسلوب کی چند نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) حکمت اور دانائی: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ حکمت کے ساتھ لوگوں کو نصیحت کرتے تھے۔ قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا:

﴿اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ﴾ [النحل:۱۲۵]

اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ۔

(۲) نرمی اور شفقت: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ نرمی اور محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے ان کی اصلاح کی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فَبِمَا رَحۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنۡتَ لَہُمۡ ۚ وَ لَوۡ کُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ [آل عمران: ۱۵۹]

اللہ کی رحمت سے تم ان کے لئے نرم ہو گئے ہو، اگر تم سخت دل اور درشت ہوتے تو یہ لوگ تمھارے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

(۳) وقت اور موقع کی مناسبت: نبیٔ کریم ﷺ ہمیشہ لوگوں کی حالت اور ضرورت کے مطابق نصیحت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ موقع کی مناسبت سے نصیحت کرتے، تاکہ بات کا اثر زیادہ ہو اور لوگ اس کو قبول کریں۔

(۴) سادہ اور عام فہم زبان: آپ ﷺ کی نصیحت ہمیشہ سادہ اور واضح ہوتی تھی، تاکہ ہر طبقے کے لوگ اسے آسانی سے سمجھ سکیں۔ پیچیدہ الفاظ یا فلسفیانہ باتوں سے گریز کیا جاتا تھا۔

(۵) عملی مثالیں اور کہانیاں: نبیٔ کریم ﷺ اکثر عملی مثالیں یا قصے بیان کرتے تھے تاکہ نصیحت دل پر زیادہ اثر کرے۔ قرآن میں بھی مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کے قصے بیان کر کے نصیحت کی گئی ہے۔

(۶) تدریج کا اصول: آپ ﷺ نے دین کی تعلیم اور نصیحت میں تدریج (مرحلہ وار) کا طریقہ اپنایا۔ جب کوئی غلطی کرتا، تو فوراً سختی نہ کرتے، بلکہ آہستہ آہستہ اصلاح کی کوشش کرتے۔

(۷) دعائیں اور خیر خواہی: نبی ﷺ اپنی نصیحتوں کے ساتھ لوگوں کے لیے دعا بھی کرتے، جس سے ان کے دل نرم ہوتے اور وہ ہدایت کی طرف راغب ہو جاتے۔

(۸) مثبت انداز: آپ ﷺ ہمیشہ لوگوں کو اچھائی کی طرف راغب کرتے اور منفی پہلوؤں کی بجائے اچھے اعمال کی تلقین فرماتے۔

(۹) براہِ راست مخاطب کرنا: جب کسی فرد کی اصلاح کی ضرورت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براہِ راست اس سے بات کرتے، لیکن عمومی مجلس میں کبھی کسی کی توہین یا تذلیل نہیں کی جاتی تھی۔

(۱۰) صبر اور استقامت: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کرتے وقت ہمیشہ صبر اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ لوگ اگر فوراً بات نہ بھی مانتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مایوس نہیں ہوتے تھے۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلوب لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتا تھا اور ان کی زندگیوں میں عملی تبدیلیاں لے آتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت و نصیحت دنیا کے ہر کونے تک پہنچی اور آج بھی مؤثر ہے۔

وصلی اللہ علی النبیی الکریم

مضمون:(۱)

ایمان کے تقاضے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا۝۱۳۶﴾ [النساء:۱۳۶]

تمہید

ایمان ایک ایسی الہامی دولت ہے جو انسان کو بندگی کے اعلیٰ مراتب تک پہنچاتی ہے اور اسے خالق کائنات سے جوڑ دیتی ہے۔ یہ انسان کی زندگی کا وہ بنیادی عنصر ہے جو اس کے خیالات، اعمال اور مقصدِ حیات کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی طاقت ہے جو دلوں کو روشن کرتی ہے، انسان کو نیکی اور بھلائی کے راستے پر گامزن کرتی ہے، اور اسے دنیا کی مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنے کے قابل بناتی ہے۔ یہ محض زبان سے ادا کیے گئے کلمات کا نام نہیں، بلکہ دل کی گہرائیوں میں رچ بس جانے والا یقین ہے جو انسان کی سوچ، کردار اور زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہوتا ہے۔

ایمان کا اصل اور بنیادی تقاضا یہ ہے کہ انسان ظاہری و دنیاوی مفادات کے بجائے آخرت کی کامیابی کو اپنا مقصد بنائیں، اور ہر حال میں اللہ کے احکام کی پیروی کریں، انسان اپنی زندگی کو خدا کی رضا کے تابع کر دیں، اس کے احکام کی پیروی کریں اور اس کے رسول کی تعلیمات کو اپنی زندگی کا محور بنائیں، اِس کی اہمیت کو سمجھیں، اس کے بچانے کی فکر کریں، اس

میں حسن اور کمال پیدا کرنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہیں۔

اس عظیم الشان نعمت کے اور بھی تقاضے ہیں، جو ہمارے ایمان کو مضبوط اور ہماری دنیا و آخرت کو کامیاب بنا سکتے ہیں۔لہٰذا ہم مختصراً یہ سمجھتے ہیں کہ اس نعمت کے تقاضے کیا کیا ہیں؟

پہلا تقاضا

دولت ایمان کا سب سے پہلا اور بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کی اہمیت کو پہچانیں۔ حق تعالیٰ نے انسانوں پر جو انعامات و احسانات فرمائے ہیں، ان میں سب سے عظیم نعمت دولت ایمان ہے۔دنیا کی ساری نعمتیں اور دولتیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔

ایک آدمی کے پاس دنیا کی ساری نعمتیں ہوں، عیش وعشرت کے سارے سامان موجود ہوں، نہ کبھی بیماری ہو، نہ کبھی رزق میں تنگی ہو، مگر دولت ایمان اس کے پاس نہیں ہے تو واقعی وہ انسان بڑا بدنصیب اور ناکام ہے۔اس کے برخلاف ایک آدمی مفلس وغریب ہو، اپاہج ہو، معذور ہو، اندھا ہو، بہرا ہو، بستی والے بھی اس کو ذلیل وحقیر سمجھتے ہوں، پہننے کو مناسب کپڑا بھی نہ ہو، مکان بھی نہ ہو، مگر ایمان کی دولت اس کے پاس موجود ہے تو وہ واقعی بامراد اور کامیاب ہے۔مرنے کے بعد وہ ایسے انعامات کا مستحق ہونے والا ہے جن کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

معلوم ہوا ایمان کی دولت عظیم ترین دولت ہے۔جن کے پاس ایمان کی دولت نہیں وہ واقعی خسارے میں ہیں۔

حضرت زنّیرہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ

حضرت زنّیرہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ کی ایک غریب عورت تھیں۔آپ کا جرم صرف یہ تھا کہ

آپ نے اسلام کی دعوت پورے شرح صدر سے قبول کرلی تھی۔ابوجہل کے لیے مکہ کے ناتواں لوگوں کا قبول اسلام ہر اعتبار سے ناقابل قبول تھا اور وہ ایسے افراد کو نشانِ عبرت بنا کر دیگر لوگوں کو اسلام کی دعوت سے باز رکھنا چاہتا تھا۔اس ظالم نے حضرت زنّیرہ رضی اللہ عنہا پر ظلم وتشدد کرنے کے لیے لوہے کی سلاخوں کو آگ پر تپایا اور ان سلاخوں کو حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں میں پھروادیا۔جب تکلیف سے سیدہ زنیرہ رضی اللہ عنہا کی آہ نکلی تو اس ظالم نے آپ کا استہزا کرتے ہوئے کہا کہ یہ لات ومنات کو نہیں مانتی، اس لیے ان بتوں نے اس کی آنکھوں کو چھین لیا ہے۔عالم ابتلا میں بھی سیدہ زنّیرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم! لات ومنات نقصان پہچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

سیرت کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اُسی رات حضرت زنّیرہ رضی اللہ عنہا کو بینائی عطا فرمادی۔(الکامل فی التاریخ: ۱/۶۶۲)

دوسرا تقاضا

دولت ایمان کا دوسرا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے ایمان کے بارے میں ڈرتے رہیں، مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جائیں۔ایمان کا حاصل ہو جانا ''فخر'' کی بات ہے،لیکن ایمان بچا کر رکھنا ''فکر'' کی بات ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو ایمان والا ہوگا وہ اپنے ایمان کے بارے میں ڈرتا ہوگا اور جو منافق ہوگا وہ اپنے ایمان کے بارے میں مطمئن ہوگا۔(بخاری: باب خوف المؤمن من أن یحبط عملہ وھو لا یشعر)

انبیائے کرام علیہم السلام کا ڈرنا

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام جو اللہ کے سب سے مقرب اور برگزیدہ بندے ہیں اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہونا یقینی تھا، پھر بھی وہ اپنے ایمان کے بارے میں مطمئن نہیں تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ڈرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام جو اللہ کے خلیل ہیں وہ بھی اپنے اور اپنی اولاد کے ایمان کے بارے میں بے فکر اور مطمئن نہیں تھے بلکہ انھوں نے اللہ سے دعا کی:

﴿وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝﴾ [إبراهيم:۳۵]

مجھے اور میری اولاد کو صنم پرستی اور بت پرستی سے محفوظ فرما۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا ڈرنا

حضرت یعقوب علیہ السلام جو خود نبی ہیں، ان کے والد حضرت اسحاق علیہ السلام بھی نبی ہیں، ان کے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی نبی ہیں، دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی نبی اور بیٹا حضرت یوسف علیہ السلام بھی نبی ہیں، مگر جب انتقال کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹوں کو طلب کیا اور ان سے پوچھا میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ﴾ [البقرة:۱۳۳]

حضرت یوسف علیہ السلام کا ڈرنا

جلیل القدر پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ایمان کی سلامتی کے لیے اپنے

رب سے دعا کی:

﴿ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝﴾ [یوسف:۱۰۱]

پروردگار! آپ مجھے موت دینا مسلمان ہونے کی حالت میں اور مجھے صالحین کے زمرے میں شامل فرما۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ڈرنا

سارے نبیوں کے سردار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ایمان کی سلامتی اور حفاظت کی حد درجہ فکر تھی۔ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سی ایسی دعائیں منقول ہیں جو ایمان کی سلامتی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

ترمذی شریف میں روایت ہے خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا زیادہ مانگا کرتے تھے:

یا مقلب القلوب ثبت قلبي على دينك

اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر مضبوطی سے جما دیجیے۔

(ترمذی: أبواب القدر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم / باب ما جاء إن القلوب بین إصبعی الرحمٰن / ، رقم الحدیث: ۲۱۴۰)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایمانی فکر

ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی، وہ سب اپنے اوپر نفاق کے فتنے سے خوفزدہ رہتے تھے۔ کوئی بھی یہ نہیں کہتا تھا کہ میرا

ایمان حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام جیسا ہے۔(بخاری : کتاب المیمان/باب خوف المؤمن من أن یحبط عملہ وھو لا یشعر)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی ایمانی فکر

حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ جب کسی مرنے والے کو دیکھتے کہ وہ اچھی حالت پر مرا ہے تو فرماتے کہ موت تمھیں مبارک ہو، کاش! تمھاری جگہ میں ہوتا۔ ان کی بیوی ام درداء رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا ارے بے وقوف! بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی صبح کو مؤمن ہوتا ہے اور شام کو منافق ہو جاتا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں ہوتا۔(الزھد والرقائق لإبن المبارک/ص:۸۲۰)

تیسرا تقاضا

دولت ایمان کا تیسرا تقاضا یہ ہے کہ جن چیزوں سے ایمان کے سلب ہونے کا خطرہ ہے، اُن سے بہت زیادہ بچتے رہیں۔ اِن میں دو چیزیں خاص قابل توجہ ہے۔

جان بوجھ کر نماز چھوڑنا

الترغب والترھیب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑا پس وہ کافر ہو گیا۔(الترغیب والترھیب:۱/۲۶۱)

اگرچہ ایسا بندہ کافر نہیں ہوتا، مگر محدثین عظام نے اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا کہ اس نے کافروں جیسا عمل کیا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ کفر کے قریب ہو گیا۔

بدنظری

جن چیزوں سے ایمان کے سلب ہونے کا اندیشہ ہے، اُن میں دوسری چیز ہے بد نظری۔ایک واقعے سے اندازہ لگائیں کہ بدنظری کس قدر سنگین جرم ہے، جو ایمان کی عظیم دولت سے انسان کو محروم کر دیتی ہے۔

ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا

مصر میں ایک شخص مسجد کے برابر میں رہتا تھا اور پابندی سے اذان دیتا اور جماعت میں شرکت کرتا تھا۔اس کے چہرے پر عبادت اور اطاعت کی رونق بھی تھی۔اتفاق سے ایک دن وہ اذان دینے کے لیے مسجد کے مینار پر چڑھا تو قریب میں ایک عیسائی شخص کی خوبصورت لڑکی پر نظر پڑی جس کو دیکھتے ہی وہ دل و جان سے فریفتہ ہوگیا۔اذان چھوڑ کر وہیں سے سیدھے اس کے مکان میں پہونچا۔لڑکی نے اس کو دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے؟ میرے گھر میں کیوں آیا؟ اس نے جواب دیا میں تجھے اپنا بنانے کے لیے آیا ہوں۔اس لیے کہ تیرے حسن و جمال پر فریفتہ ہو چکا ہوں۔لڑکی نے کہا کہ میں نے کوئی تہمت والا کام نہیں کیا ہے۔اس آدمی نے پیشکش کی کہ میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔لڑکی نے کہا کہ تو مسلمان ہے اور میں عیسائی ہوں، میرا باپ اس رشتے پر راضی نہ ہوگا۔اس آدمی نے کہا میں خود ہی عیسائی بن جاتا ہوں۔ چنانچہ اس لڑکی کو پانے کے لیے عیسائی مذہب کو قبول کرلیا۔ابھی وہ دن پورا نہیں ہوا تھا کہ یہ شخص گھر میں رہتے ہوئے کسی کام سے چھت پر چڑھا اور وہاں سے گر پڑا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔دین بھی گیا اور لڑکی بھی ہاتھ نہ آئی۔(اللہ سے شرم کیجئے رص:۲۳۵)

نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم	نہ اِدھر کے رہے، نہ اُدھر کے رہے

چوتھا تقاضا

دولت ایمان کا چوتھا تقاضا یہ ہے کہ جن چیزوں سے ایمان بوسیدہ اور خراب ہو جاتا ہے، ایمان میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے، اُن چیزوں سے بچنا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایمان کن چیزوں سے خراب ہو جاتا ہے؟ چند چیزیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

پہلی چیز: غصہ

ایمان میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے والی پہلی چیز ہے غضب یعنی غصہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی، مجھے وصیت فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ غصہ نہ کیا کر۔ اُس نے کئی بار یہی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر بار یہی فرمایا کہ غصہ نہ کیا کر۔ (بخاری: کتاب الأدب/ باب الحذر من الغضب/ رقم الحدیث: ۶۱۱۶)

بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح/ ص: ۴۳۴)

دوسری چیز: ظلم

ایمان کو بوسیدہ کرنے والی دوسری چیز ہے ظلم۔ مشکوۃ شریف میں روایت ہے حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ عنہ سے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص ظالم کے ساتھ چلتا ہے تا کہ وہ اس کو تقویت پہنچائے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے، ایسا شخص اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح/ ص: ۴۳۶)

تیسری چیز: بدکلامی

ایمان کو بوسیدہ کرنے والی تیسری چیز بد کلامی ہے۔ یعنی جھوٹ، طعنہ زنی، فحش کلامی وغیرہ برائیوں سے ایمان میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مؤمن کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مومن طعنہ دینے والا، لعنت کرنے والا، بے حیا اور بدزبان نہیں ہوتا۔ (ترمزی: أبواب البر و الصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/ باب ماجاء في اللعنة/ رقم الحديث: ۱۹۷۷)

چوتھی، پانچویں، چھٹی اور ساتویں چیز

ایمان یں بوسیدگی پیدا کرنے والی چیزیں ہے زنا، شراب نوشی، لوٹ مار اور چوری کرنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت زانی زنا کرتا ہے تو وہ اس وقت وہ مؤمن نہیں ہوتا، جس وقت چور چوری کرتا ہے تو اس وقت وہ مؤمن نہیں ہوتا، جب وہ شراب پیتا ہے تو شراب نوشی کے وقت وہ مؤمن نہیں ہوتا، جب لوٹنے والا لوٹتا ہے تو وہ لوٹنے کے وقت مؤمن نہیں ہوتا جب کہ لوگ اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں اور جب خیانت کرنے والا خیانت کرتا ہے تو وہ اس وقت مؤمن نہیں ہوتا۔ پس تم بچ جاؤ، بچ جاؤ۔ (بخاری: كتاب المظالم/ باب النهبى/ رقم الحديث: ۲۴۷۵، مسلم: كتاب الإيمان/ باب بيان نقصان الإيمان بالمعاصى/ رقم الحديث: ۵۷)

آٹھویں چیز: قتل ناحق

ایمان کو بوسیدہ کرنے والی آٹھویں چیز ہے قتل ناحق۔ یہ سنگین جرم ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمام آسمان اور زمین والے سب

مل کر ایک مسلمان کے قتل ناحق میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن اتنے جلال میں ہوں گے کہ ان سب کو جہنم کی آگ میں داخل کر دیں گے اور اسے کچھ پرواہ نہ ہوگی۔(ترمذی: أبواب الديات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/باب الحكم فى الدماء/رقم الحديث: ۱۳۹۸)

ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کے زوال اور ختم ہو جانے سے بھی بڑھ کر ہے۔(ترمذی: أبواب الديات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/باب ما جاء فى تشديد قتل المؤمن/رقم الحديث: ۱۳۹۵)

نویں چیز: نفاق

ایمان کو بوسیدہ کرنے والی نویں چیز ہے نفاق۔ نفاق باطن میں سرایت کرنے والا ایک خفیہ مرض ہے۔ نفاق درحقیقت انسان کے ظاہر و باطن کے باہمی اختلاف کو کہتے ہیں، نفاق ہر زمانے کا ایک خطرناک مرض رہا ہے۔ نفاق سے انسان کا نورِ بصیرت سلب ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر ایک کو اس سے پناہ مانگنے کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ ایک برائی نہیں بلکہ، یہ بہت سی برائیوں کی جڑ ہے۔

نفاق کی علامتیں

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص (پکا) منافق ہے، اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے حتیٰ کہ وہ اسے ترک کر دے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے، جب بات کرے جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو عہد

شکنی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔(بخاری: کتاب الإیمان باب علامۃ المنافق / رقم الحدیث: ۳۴)

پانچواں تقاضا

دولت ایمان کا پانچواں تقاضا ہے کہ جن چیزوں سے ایمان میں حسن اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے، اُن چیزوں کو اختیار کیا جائے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کن چیزوں سے ایمان میں زینت اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے؟ چند چیزیں یہاں نقل کی جاتی ہے۔

پہلی چیز

ایمان میں حسن پیدا کرنے والی پہلی چیز ہے مسنون دعاؤں کا اہتمام، خصوصاً وہ دعائیں جن میں ایمان پر ثبات کی تعلیم دی گئی ہے۔ مثلاً

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○﴾ [آل عمران:۸]

اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت بخشنے کے بعد کج نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت بخش، بلاشبہ آپ نہایت بخشنے والے ہیں۔

یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک

اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر مضبوطی سے جما دیجیے۔

(ترمذی: أبواب القدر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم / باب ماجاء أن القلوب بین إصبعی الرحمٰن /، رقم الحدیث: ۲۱۴۰)

اللّٰهم أعطني إيماناً و يقيناً ليس بعده كفر

اے اللہ مجھے ایسا ایمان ویقین عطا فرما جس کے بعد کفر نہ ہو۔ (ترمذی: أبواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ رقم الحدیث: ۳۴۱۹)

اللّٰهم إنی أعوذبک من الکفر والفقر اللّٰهم إنی أعوذ بک من عذاب القبر

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کفر سے، فقر سے اور عذاب قبر سے۔ (أبو داود: کتاب الأدب/ باب ما یقول إذا أصبح/ رقم الحدیث: ۵۰۹۰)

اللّٰهم حبّب إلینا الإیمان وزیّنه في قلوبنا، وکرّه إلینا الکفر والفسوق والعصیان، واجعلنا من الراشدین (مسند أحمد: مسند المکیین/ حدیث عبد اللہ الزرقی/ رقم الحدیث: ۱۵۴۹۲)

دوسری چیز

ایمان میں حسن پیدا کرنے والی دوسری چیز ہے مسواک کا اہتمام۔ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انھیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے اور نماز عشا تاخیر سے پڑھنے کا حکم دیتا۔ (أبو داود: کتاب الطهارة/ باب السواک/ رقم الحدیث: ۴۷)

اور یہ بات آپ حضرات جانتے ہیں کہ مسواک میں ستر فوائد ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب ہوتا ہے۔ (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱/ ۶۹)

تیسری چیز

ایمان میں حسن پیدا کرنے والی تیسری چیز ہے اذان کے بعد کی دعا کا اہتمام۔

بخاری شریف کی روایت ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ کہے:

اللّٰهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمدا الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته

اسے قیامت کے دن میری شفاعت ملے گی۔(بکاری: کتاب الأذان/ باب الدعاء عند النداء/ رقم الحدیث: ٦١٤)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے حسن خاتمے کی طرف۔

چوتھی چیز

ایمان میں حسن پیدا کرنے والی چوتھی چیز ہے نماز کی محافظت کرنا اور باجماعت نماز ادا کرنا۔

مسند احمد میں حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کا ذکر کیا یعنی نماز کی فضیلت و اہمیت کو بیان کرنے کا ارادہ فرمایا۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو آدمی نماز پر محافظت کرتا ہے، تو اس کے لیے یہ نماز ایمان کے نور کی زیادتی کا سبب اور ایمان کے کمال کی واضح دلیل ہوگی، نیز قیامت کے روز مغفرت کا ذریعہ بنے گی۔ اور جو آدمی نماز پر محافظت نہیں کرتا تو اس کے لیے نماز نہ ایمان کے نور کی زیادتی کا سبب بنے گی، نہ کمال ایمان کی دلیل اور نہ قیامت کے روز مغفرت کا ذریعہ بنے گی بلکہ ایسا آدمی قیامت کے روز قارون، فرعون، ہامان اور ابی ابن خلف کے ساتھ عذاب میں مبتلا

ہوگا۔(مسند أحمد: مسند عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما/رقم الحدیث: ۶۵۷۶)

پانچویں اور چھٹی چیز

ایمان میں حسن پیدا کرنے والی پانچویں چیز ہے موت کی یاد اور چھٹی چیز ہے تلاوت کلام اللہ شریف۔مشکوہ شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک یہ دل زنگ آلود ہوجاتے ہیں جس طرح لوہا پانی لگنے سے زنگ آلود ہوجاتا ہے۔عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ان میں چمک کس طرح آتی ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن کی تلاوت کرنا۔(مشکوۃ المصابیح/ص: ۱۸۹)

معلوم ہوا کہ موت کی یاد اور تلاوت کلام سے جب دلوں کا زنگ دور ہوگا تو خود بہ خود ایمان میں حسن پیدا ہوگا۔

ساتویں چیز

ایمان میں حسن پیدا کرنے والی ساتویں چیز ہے کلمۂ طیبہ کی کثرت۔حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما راوی ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے پیٹ میں ایمان اسی طرح پرانا ہوجاتا ہے جیسے پرانا کپڑا میلا ہوجاتا ہے۔پس تم اللہ سے سوال کیا کرو کہ وہ تمھارے دلوں میں ایمان کو از سر نو تازہ کردے۔(المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۴/۷۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! ہم اپنے ایمان کی کیسے تجدید کیا کریں فرمایا کہ لا إله إلا اللّٰه کثرت سے پڑھا کرو۔(المستدرک علی الصحیحین: ۴/

(۲۸۵

آٹھویں چیز

ایمان میں حسن پیدا کرنے والی آٹھویں چیز ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور اُس کی نشانیوں میں غور وفکر کرنا۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور وفکر کرتا ہے، تو یقیناً اُس کا ایمان تازہ ہوجاتا ہے اور اُس کا حسن بڑھ جاتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فضائل اعمال'' میں لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی چھت پر لیٹا ہوا آسمان کے ستاروں کو دیکھ رہا تھا، پھر وہ کہنے لگا خدا کی قسم! تمھیں پیدا کرنے والی بھی کوئی ذات ہے اے پروردگار! تو میری مغفرت فرما۔ نظر رحمت اس کی جانب متوجہ ہوئی اور اس کی مغفرت ہوگئی۔ (فضائل اعمال ص: ۳۶۰)

چھٹا تقاضا

دولت ایمان کا چھٹا تقاضا ہے ایمان کے شعبوں کو پہچان کر اُس میں کمال حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ مسلم شریف کی روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی ستر سے کچھ زائد شاخیں ہیں، ان میں سے سب سے افضل یہ کہنا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اور سب سے ادنیٰ یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔ (مسلم: كتاب الإيمان / باب بيان عدد شعب الإيمان / رقم الحديث: ۳۵)

محدثین کرام میں بلند پایہ علمی مقام رکھنے والی ایک شخصیت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی

ہے۔اُن کی ایک مشہور کتاب ہے الجامع المصنف فی شعب الایمان۔ جو دو جلدوں اور ۷۰ ابواب پر مشتمل ہے۔اس میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صحیحین کی مشہور حدیث:

الإيمان بضع وسبعون شعبة (بخاری: کتاب الیمان/باب أمور الإیمان/رقم الحدیث: ۹)

مذکورہ حدیث کے مطابق ایمان کے شعبوں کی تفصیل تحریر کی ہے۔ نیز ہر شعبے کے متعلق قرآن و حدیث کے دلائل پیش کر کے اس کی شرح کی ہے۔

ساتواں تقاضا

دولت ایمان کا ساتواں تقاضا ہے ایمان کی حلاوت اور مٹھاس حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔اب سوال یہ ہے کہ ایمان میں حلاوت اور مٹھاس کن چیزوں سے پیدا ہوتی ہے؟ چند چیزیں یہاں نقل کی جاتی ہے؟

پہلی چیز

ایمان کی حلاوت پیدا کرنے والی پہلی چیز ہے اللہ تعالیٰ سے اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں یہ پیدا ہو جائیں اس نے ایمان کی مٹھاس کو پالیا۔اول یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بن جائیں، دوسرے یہ کہ وہ کسی انسان سے محض اللہ کی رضا کے لیے محبت رکھے۔تیسرے یہ کہ وہ کفر میں واپس لوٹنے کو ایسا برا جانے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔(بخاری: کتاب الإیمان/باب حلاوۃ

الإیمان/رقم الحدیث: ۱۶)

دوسری چیز

ایمان کی حلاوت پیدا کنے والی دوسری چیز ہے بدنظری سے بچنا۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بدنظری شیطان کا زہر آلودہ تیر ہے۔ جو اس کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اسے ایسا ایمان عطا فرماتے ہیں جس کی حلاوت اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح/ص: ۲۶۸)

تیسری چیز

ایمان کی حلاوت پیدا کرنے والی تیسری چیز ہے مصیبتوں پر صبر۔ حضرت ام العلا رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں بیمار تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے اور فرمایا کہ اے ام العلا! خوش ہو جا، اللہ تعالیٰ مسلمان کے مرض کی وجہ سے اس کے گناہ اس طرح صاف کر دیتا ہے جیسے آگ سونے اور چاندی کی کھوٹ کو ختم کر دیتی ہے۔ (أبو داود: کتاب الجنائز/باب عیادۃ النساء/رقم الحدیث: ۳۰۹۲)

چوتھی چیز

ایمان کی حلاوت پیدا کرنے والی چوتھی چیز ہے ہر حال میں راضی رہنا، یعنی انسان اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور تقدیر پر راضی رہے، چاہے وہ فیصلے خوشی کے ہوں یا غم کے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے، پھر اگر وہ آزمائش پر صبر کرے تو اللہ اسے چن لیتا ہے اور اگر وہ اس آزمائش پر راضی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے

پسند فرمالیتا ہے۔(ابن ماجۃ: کتاب الفتن/ باب الصبر علی البلاء/ رقم الحدیث: ۴۰۳۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور فیصلے پر راضی رہنا ایمان کی ایک اعلیٰ صفت ہے، اور اس پر صبر اور شکر گزاری کا اظہار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت، اُس کی رضا اور ایمان کی حلاوت حاصل ہوتی ہے۔

آٹھواں تقاضا

دولت ایمان کا آٹھواں تقاضا ہے کہ خود بھی ایمان سیکھیں اور دوسروں کو بھی سکھائیں۔ حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، اور ہم طاقتور نوجوان تھے، ہم نے قرآن سیکھنے سے پہلے ایمان کو سیکھا، پھر ہم نے قرآن سیکھا، تو اس سے ہمارا ایمان اور زیادہ ہوگیا۔ (ابن ماجۃ: المقدمۃ/ باب فی الإیمان/ رقم الحدیث: ۶۱)

حضرت سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کی لڑائی کے دن فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کے ہاتھ میں اسلامی جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اسلامی فتح حاصل ہوگی، جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کا رسول بھی محبت رکھتے ہیں۔

رات بھر سب صحابہ کے ذہن میں یہی خیال رہا کہ دیکھیں کہ کسے جھنڈا ملتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو ہر شخص امیدوار تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا علی کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ ان کی آنکھوں میں درد ہوگیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مبارک تھوک ان کی آنکھوں میں لگا دیا۔ اور اس سے انھیں صحت ہوگئی، کسی قسم کی بھی تکلیف باقی نہ رہی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے انھیں کو جھنڈا اعطا فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا میں ان لوگوں سے اس وقت تک نہ لڑوں جب تک یہ ہمارے ہی جیسے یعنی مسلمان نہ ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں ہدایت فرمائی کہ یوں ہی چلا جا۔ جب ان کی سرحد میں اترے تو انھیں اسلام کی دعوت دینا اور انھیں بتانا کہ اسلام کے ناطے ان پر کون کون سے کام ضروری ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر تمھارے ذریعے اللہ ایک شخص کو بھی مسلمان کر دے تو یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ (بخاری: کتاب الجهاد والسير/باب دعاء النبي إلى الإسلام/رقم الحديث: ۲۹۲۴)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلسیں

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایمانیات کے تذکروں کی مجلسیں منعقد کیا کرتے تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ساتھ بیٹھ جائیں، تھوڑی دیر ایمان کا مذاکرہ کرتے ہیں۔ (فتح الباری: ۴۸/۱)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ہمارے ساتھ بیٹھ جائیں، ہم ایمان بڑھاتے ہیں۔ (شعب الإيمان للبيهقي: ۱۴۹/۱)

اسی طرح کا قول اُن کے شاگرد حضرت علقمہ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ (المصنف لابن ابي شيبة/رقم الحديث: ۳۰۹۹۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی میراث

ایک روز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بازار سے گذر رہے تھے کہ دیکھا کہ کچھ لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہیں تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ یہاں ہو اور مسجد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ یہ سن کر وہ لوگ مسجد کی طرف نکلے، وہاں جا کے

دیکھا کہ کچھ لوگ نمازوں میں مشغول تھے تو کچھ تلاوت میں اور کچھ حضرات حلال وحرام کا مذاکرہ کررہے تھے یعنی شرعی مسائل کا مذاکرہ ہورہا تھا۔ جب لوگوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے جو کہا تھا یعنی تقسیم میراث کی بات وہ کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث یہی تو ہے یعنی نماز، تلاوت، اور دینی مسائل کا مذاکرہ۔ (مجمع الزوائد: ۱/۱۲۴)

نواں تقاضا

ایمان کا نواں تقاضا غیر مسلمین میں دین کی دعوت دینا ہے۔ حق جل شانہ نے اِس امت کو امت دعوت بنایا ہے، اور اِس کی ذمے داری بتلائی ہے انسانیت کو شر کے راستے سے نکال کر خیر کی طرف بلانا۔ پس حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے دعوتی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اغیار میں دعوت کا کام کرنا چاہیے، یہ بھی ایمان کا اہم ترین تقاضا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی کڑھن

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا محمد یوسف صاحب متالا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مدینہ طیبہ حاضری کے دوران ایک روز احقر حضرت کی قیام گاہ کے برابر خدام والے حجرے میں تھا کہ حضرت کے خادم محمد اعجاز چمپارنی آئے اور فرمایا حضرت یاد فرمارہے ہیں تو حضرت نے زاروقطار روتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سن یہ کیا کہہ رہا ہے۔ بھائی اعجاز صاحب نے کہا کہ میں نے حضرت سے پوچھا کہ وہ عوام الناس جنھوں نے اسلام کا نام بھی نہیں سنا ہے اور جنھیں اسلام کی کوئی تبلیغ نہیں کی گئی کیا انھیں عذاب ہوگا۔ یہ سن کر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس پر ضرور کام ہونا چاہیے اور اس

موضوع پر اسلام کے محاسن پر کتابیں ہونی چاہیے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۳۶/۲)

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کی قدر کرنا، اُسے اپنی عملی زندگی میں نافذ کرنا، اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہر مسلمان کی ذمے داری ہے۔ ایمان ہی کی روشنی انسان کو صحیح راستے پر گامزن کرتی ہے اور انسان کی زندگی کو بامقصد اور خوشحال بناتی ہے۔

حق تعالیٰ ہمیں دولت ایمان کی قدر نصیب فرما کر اِس کے تقاضوں کو پورا کرنے والا بنائیں۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ علی النبي الکریم

مضمون: (۲)

ہمارا ایمان کمزور کیوں؟

اسباب وعلاج

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوۡا وَجٰہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَاَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ۝﴾ [الحجرات: ۱۵]

تمہید

اللہ رب العزت کے ہم پر جو احسانات ہیں وہ انگنت ہیں۔ نہ اس کی کوئی انتہا ہے اور نہ اسے کوئی شمار کرسکتا ہے۔ جیسا کہ خود حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡہَا ﴾ [إبراھیم: ۳۴]

مگر ان تمام احسانات میں سب سے عظیم انعام وہ بشکل ایمان ہے۔ اس انعام پر اس کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ اس کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا اور ایک مسلمان گھرانے میں پیدا کیا۔ اس دنیا کی سب سے بڑی دولت یہ ہے کہ انسان خود کو ایمان والا بنالیں اور اللہ رب العالمین کو اپنا سب کچھ تسلیم کرلیں۔ ایمان اس دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے، یہ دولت جس کے پاس ہوگی وہ آخرت میں کامیاب ہوگا اور اُسے جنت ملے گی۔ جو اس دولت سے محروم ہوگا اسے جہنم کے حوالے کردیا جائے گا۔

زندگی کی ابتدا و انتہا اسی کلمے پر

انسان کی زندگی کی شروعات کلمۂ توحید سے ہوتی ہے۔ شریعت اسلامیہ نے ہمیں یہ

درس دیا ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کے ایک کان میں اذان اور دوسرے کان میں اقامت کہی جائے تاکہ توحید کا پاک کلمہ سب سے پہلے اس کے کانوں میں جائے۔ اور جب انسان اس عالم فانی میں اپنی طے شدہ زندگی کو تمام کرکے زندگی کی آخری دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو بھی شریعت اسلامیہ ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ اسی پاک کلمے کی تلقین کی جائے۔ حدیث شریف میں ہے:

من كان آخر كلامه لا إله إلا اللّٰه دخل الجنة

کہ جس کا آخری کلام لا إله إلا اللّٰه ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔ (أبوداود: کتاب الجنائز/باب فی التلقین/رقم الحدیث:۳۱۱۶)

حافظ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک بہت بڑے محدث ہیں حافظ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا آخری وقت ہے، محدثین جو وہاں موجود تھے سمجھ گئے کہ اب ان کو کلمہ کی تلقین کرنی چاہیے، لیکن سوچا خود بھی محدث ہے تو بغیر سند کے بات کیسے قبول کریں گے؟ ایک محدث نے اپنی سند بیان کرنا شروع کی عن فلان عن فلان اور درمیان میں ایک راوی کا نام بھول گئے، اب آگے کیسے بڑھے؟ اٹک گئے۔ دوسرے محدث نے اپنی سند بیان کی وہ بھی درمیان میں اٹک گئے۔ تیسرے نے اپنی سند بیان کی وہ بھی درمیان میں اٹک گئے۔ حافظ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ سب سن رہے ہیں کہ وہ فلاں مقام پر رک گیا، دوسرے نے فلاں جگہ غلطی کی، تیسرے نے فلاں جگہ تو اخیر میں خود حافظ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو نزع کی حالت میں ہے اپنی سند بیان کرنا شروع کی کہ میں نے محدث بندار رحمۃ اللہ علیہ سے، انھوں نے ابو عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے، انھوں نے عبدالحمید بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے، انھوں

نے صالح بن ابو عریب رحمۃ اللہ علیہ سے، انھوں نے کثیر بن مرۃ حضرمی رحمۃ اللہ علیہ سے، انھوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا:

من كان آخر كلامه لا إله إلا الله

اتنا ہی کہا تھا کہ حافظ ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ کی روح پرواز ہوگئی، اگلا جملہ دخل الجنة نہیں کہہ سکے۔ علما لکھتے ہیں کہ حافظ صاحب نے یہ روایت ناقص نہیں چھوڑی، بلکہ مکمل کی۔

من كان آخر كلامه لا إله إلا الله اتنا جملہ زبان سے کہا اور دخل الجنة یہ جملہ عمل سے ثابت ہوگیا۔ تو ہماری ابتدا بھی کلمے پر اور انتہا بھی کلمے پر ہوتی ہے۔ یہ عقیدۂ توحید اسلام کے بنیادی عقیدوں میں سے ہے۔ (فکر آخرت/ص: ۲۶۷)

عالم ارواح میں اسی کلمے کا اقرار

اسی پاک کلمے کا اقرار ہم نے عالم ارواح میں کیا تھا۔ جب حق تعالیٰ شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی کی پشت سے تمام ذریت کو جمع کر کے پوچھا تھا:

﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ [الأعراف: ۱۷۲]

کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا تھا:

﴿بَلٰى﴾

کیوں نہیں! آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ آپ ہی ہمارے خالق و مالک ہیں۔

حضرت مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے آیت:

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ﴾ [الأعراف: ۱۷۲]

کے بارے میں سوال کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک مرتبہ میں نے بھی نبی اکرم کو اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے سنا تھا۔ آپ نے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی کمر پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا۔ اس طرح اس سے ایک نسل (یعنی اولاد آدم کی ایک جماعت) نکال لی۔ پھر کہا ہم نے اسے جنت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور یہ لوگ اہل جنت کے اعمال کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوبارہ کمر پر ہاتھ پھیرا اور ایک دوسری جماعت نکال لی۔ ارشاد فرمایا کہ اسے ہم نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ لوگ اہل جہنم کے اعمال کریں گے۔ اس پر ایک آدمی نے پوچھا کہ یارسول اللہ! پھر عمل کس مقصد کے لیے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی آدمی کو جنت کے اعمال کے لیے پیدا کرتے ہیں تو اسے اہل جنت کے اعمال پر لگا دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ اہل جنت والے اعمال کرتے ہوئے مرتا ہے اور ان اعمال کے نتیجے میں جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور جب کسی آدمی کو جہنم کے لیے پیدا کرتے ہیں تو اسے اہل جہنم کے اعمال پر لگا دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ اہل جہنم کے اعمال کرتے ہوئے مرتا ہے اور ان کے نتیجے میں جہنم میں داخل ہو جائے گا۔ (ترمذی: أبواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم / باب من سورۃ الأعراف، رقم الحدیث: ۳۰۷۵)

دنیا میں شرک کی وبا

بہرحال! حق تعالیٰ نے دونوں جماعتوں سے خطاب کر کے پوچھا تھا:

﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ [الأعراف: ۱۷۲]

کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا تھا:

﴿بَلٰی﴾

کیوں نہیں! آپ ہی ہمارے رب ہے، آپ ہی ہمارے خالق و مالک ہے۔ سب نے حق تعالیٰ کو اپنا خالق و مالک اور اپنا رب تسلیم کرلیا تھا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اب دنیا میں جاکر مجھے ہی اپنا معبود ماننا اور میرے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا۔ مگر بھولا بھالا انسان جب اس دنیا میں آیا تو اس نے مختلف معبودوں کو تجویز کرلیا۔ مشرکین کے تو معبودوں کی انتہا نہیں۔ مجوسیوں نے آتش کو اپنا معبود سمجھا۔ دو خدا مان لیے، ایک خالق خیر اور ایک خالق شر۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ قرار دے کر شرک کے جرم عظیم اور ظلم عظیم کے مرتکب ہوئے۔ نصاریٰ کے یہاں چار جماعتیں ہوئیں، جن کے تین عقیدے تھے۔ یعقوبیہ اور ملکانیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام ہی اللہ ہیں۔ نسطوریہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام ابن اللہ ہیں۔ مرقوسیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔ (لباب التأویل فی معانی التنزیل: ۱/۴۵۱، ۴۵۲)

الغرض! بندوں نے اپنے رب کے سامنے کیے ہوئے اقرار کے درس کو جب فراموش کیا تو حق تعالیٰ نے اس عہد و پیمان کی تجدید اور یاد دہانی کے لیے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے نورانی سلسلے کو جاری فرمایا۔ اور سب سے اخیر میں تاجدار رسالت، فخر الانبیا، ختم المرسلین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ ظلم و شرک کے بت کدے میں حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لاکر حق تعالیٰ کی وحدانیت سے لوگوں کو روشناس کروایا اور ایسے افراد تیار کیے جو قیامت تک کے لوگوں کے لیے مشعل راہ قرار پائے۔ جن کی پاکیزہ زندگی میں ہمارے

لیے رشد و ہدایت کے زریں اصول موجود ہیں۔ وہ حضرات ایمان و اسلام کے مقام عروج پر فائز ہوئے۔ دنیا بھر میں ایمان کی شمع ان کے نور ایمان سے ہی روشن ہوئی ہیں۔ اس طرح لوگ فوج درفوج اور جوق درجوق ایمان کے حلقے میں داخل ہوتے رہیں۔

مگر مرورزمانہ پر ہمارے ایمان کمزور پڑتے گئے، ہمارے ایمان کی شمع ماند پڑتی جا رہی ہے، آخر ایسا کیوں ہوا؟ وہ کیا اثرات ہیں جن کی وجہ سے ہمارے ایمان میں ضعف پیدا ہوتا جا رہا ہے؟ ذیل میں چند اسباب ذکر کیے جاتے ہیں اور ساتھ میں اُن کا علاج بھی درج کیا جائے گا۔

پہلا سبب: نمازوں سے غفلت

ہمارے ایمان کی کمزوری کا پہلا بنیادی سبب ہے نماز سے جی چرانا۔ متعدد روایات میں اس پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں، چند ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے سوچا کہ نماز کھڑی کرنے کا حکم دوں، پھر ایک شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، اور میں چند آدمیوں کو لے کر جن کے ساتھ لکڑیوں کے گٹھر ہوں، ان لوگوں کے پاس جاؤں، جو نماز باجماعت میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھروں میں آگ لگا دوں۔ (بخاری: کتاب الاذان/باب وجوب صلاۃ الجماعۃ/رقم الحدیث: ۶۴۴)

(۲) صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نماز کا چھوڑنا بندہ مومن اور کفر کے درمیان کی دیوار کو گرا دیتا ہے۔ (مسلم: کتاب الایمان/باب کفر من ترک الصلاۃ/رقم الحدیث: ۸۲)

(۳) ابن ماجہ میں روایت ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دوست محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا خواہ تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے تمھیں جلا کیوں نہ دیا جائے اور جان بوجھ کر فرض نماز نہ چھوڑنا، جس نے قصداً نماز چھوڑ دی تو اس سے ذمہ بری ہو گیا، نیز کبھی شراب نہ پینا کیونکہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے۔(ابن ماجہ: کتاب الفتن/باب الصبر علی البلاء/رقم الحدیث: ۴۰۳۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہدایت نامہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام حکام کو یہ ہدایت نامہ لکھ کر بھیجا کہ میرے نزدیک تمھارے سارے کاموں میں سب سے اہم کام نماز ہے۔ جو شخص نماز کو ضائع کرتا ہے وہ دیگر احکام دین کو بھی ضائع کرے گا۔(الموطا للامام مالک/کتاب الصلاۃ/وقوت الصلاۃ/رقم الحدیث: ٦)

آج ہم نمازوں سے غفلت برت کر اور جی چرا کر ان وعیدوں کے حقدار بن چکے ہیں۔ ہمارے ایمان میں کمزوری آچکی ہے۔

اب اس کا علاج ہے کہ ہم سو فیصد نمازوں کے پابند بن جائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی کوئی امر پیش آتا تو آپ نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔(مسند أحمد: مسند الأنصار/حدیث حذیفة بن الیمان رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۲۳۲۹۹)

نماز کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین اسلام کی بنیاد اور اساس قرار دیا ہے۔(المقاصد الحسنة للسخاوی/ص: ۳۱٦)

اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں بتلائی ہے۔(نسائی: کتاب

عشرۃ النساء/باب حب النساء/رقم الحدیث: ۳۹۳۹)

نمازوں کا اہتمام کرنے سے ہمارے کمزور ایمان میں جان پڑ جائے گی اور اسے تقویت ملے گی۔

دوسرا سبب: قرآن اور تعلیم قرآن سے دوری

ہمارے ایمان کی کمزوری کا دوسرا سبب ہے قرآن اور تعلیم قرآن سے دوری۔ایک دور وہ تھا کہ جب فجر کی نماز پڑھ کر باہر نکلتے، تو ہر گھر سے کلام اللہ شریف کی تلاوت کی آواز آیا کرتی تھی اور آج ہم نے کلام اللہ شریف کے ساتھ ایسا بے رخاپن اختیار کیا کہ اس کو اٹھا کر بالائے طاق رکھ دیا۔اب تو رمضان میں بھی قرآن کریم کھولنے کی ہمیں توفیق نہیں ہوتی۔رات رات بھر مسلمانوں کے گھروں سے گانے کی آواز آتی رہتی ہیں۔ورنہ اللہ تعالیٰ کے کتنے بندے ایسے گذریں جنھوں نے قرآن کریم کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنالیا، شب وروز قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول رہتے اور دن ورات میں ملا کر روزانہ ایک قرآن، دو قرآن، تین قرآن ختم کیا کرتے تھے۔حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاذکار میں لکھا ہے کہ زیادہ سے زیادہ تلاوت کے متعلق جو خبر ہمیں موصول ہوئی وہ ابن الکاتب کا معمول تھا روزانہ آٹھ قرآن کریم ختم کا۔(فضائل اعمال/ص:۵۳۹)

جس طرح قرآن کریم سے ہم نے منہ موڑا اسی طرح ہم نے تعلیم قرآن سے بھی منہ موڑ لیا ہے اور یہی چیز ہمارے ایمان کی کمزوری اور ضعف کا سبب ہوگئی ہے۔ہم نے عصری تعلیم کو دینی تعلیم پر فوقیت دی ہے۔دنیوی تعلیم کے لیے بچوں کو ایک گھنٹہ پہلے سے اٹھا کر وقت سے پہلے تیار کر دیا جاتا ہیں۔اور دینی تعلیم کا حال یہ ہے کہ مدرسہ اگر صبح ساڑھے سات بجے کا

بھی ہو تو بچہ آٹھ بجے سوا آٹھ بجے آتا ہے۔ اگر استاذ ذرا تنبیہ کر دے تو والدین آستین چڑھاتے ہوئے استاذ صاحب سے لڑنے کے لیے آجاتے ہیں۔ دنیوی تعلیم کے لیے بچے کو صاف ستھرے کپڑے پہنا کر نہلا دھلا کر تیل لگا کر بھیجا جاتا ہے، حالانکہ دنیاوی تعلیم کوئی قبر کی تنہائی میں اور محشر کے ہولناک ترین منظر میں کچھ کام آنے والی نہیں ہیں، جب کہ قرآن کریم کی تعلیم جو قبر کی تنہائی میں بھی ساتھ دے گی اور محشر کے ہولناک منظر میں بھی ساتھ دے گی اس کا حال یہ ہے کہ بچہ بغیر وضو ہی ازار کا ایک پائچہ اوپر ایک نیچے بائیں ہاتھ میں پارہ پکڑے ہوئے مدرسے جاتا ہے، نہ کپڑے کا ٹھکانہ نہ اس کی چال چلن کا ٹھکانہ۔

اس کا علاج یہ ہے کہ قرآن کریم سے قلبی لگاؤ پیدا کریں، قرآن کریم سیکھیں اور اس پر عمل کریں اور اس کی تعلیم کو دنیا و مافیہا پر ترجیح دیں۔ اسی سے ہمارے اجڑے ہوئے ایمان میں ہریالی اور سرسبز و شادابی قائم ہوگی۔

تیسرا سبب: سنتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعراض

ہمارے ایمان کے کمزور ہونے کا ایک سبب ہے حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں سے منہ موڑنا۔ سر سے پیر تک اور مہد سے لحد تک کے تمام امور میں ہم غیروں کی نقالی اور ان کا طور طریق اپنائے ہوئے ہیں اور دعویٰ تو عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑے جوش کے ساتھ کرتے ہیں۔ حقیقت حال تو یہ ہے کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوے میں کامیاب وہ ہے جو اتباع سنت کی کسوٹی پر پورا اترتا ہو۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مضبوطی سے تھام لیا، اسی لیے جہاں کہیں گئے کامیابی ان کے قدم چومنے لگی۔ اور ہم نے ان کو پس پشت ڈال لیا ہے، اسی وجہ سے ہر سے ہر طرف ذلت و خواری تباہی اور بربادی کے کالے کالے

بادل ہم پر چھائے ہوئے ہیں۔

اب اس کا علاج یہ ہے کہ ہم حضور اقدس ﷺ کی سنتوں کو زندگی کے ہر شعبے اور ہر گوشے میں اپنائیں۔ اسی سے ہمارے زنگ آلود ایمان کو زیب و زینت اور آراستگی نصیب ہوگی۔

خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے پیارے بیٹے! اگر تم قادر ہو اس بات پر کہ تو صبح کرے یا شام کرے اس حالت میں کہ تیرے دل میں کھوٹ نہ ہو، کسی کے بارے میں کینہ نہ ہو تو ایسا کر لیا کر، اس لیے کہ یہ میری سنت ہے۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (مشکوۃ المصابیح / ص: ۳۰)

مشکوۃ شریف میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میری سنتوں کو مضبوطی سے تھام لیا ایسے وقت میں جب کہ میری امت میں فتنے اور فساد برپا ہو اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ (مشکوۃ المصابیح / ص: ۳۰)

قطب بننے کا نسخہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ دوران گفتگو حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بچپن میں مجھے ایک مرتبہ میرے والد محترم حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا یوسف! میں تجھے قطب بننے کا راستہ نہ بتاؤں؟ میں نے کہا ضرور

بتائیے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس جگہ اور جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل ہورہا ہو تو اس وقت اس کے مقابلے میں سنت کو رواج دینے کے لیے محنت کرنا یہ قطب وابدال بننے کا راستہ ہے۔ (محمود المواعظ: ۲/ ۲۶۳)

چوتھا سبب: اپنے اسلاف کی تاریخ کو فراموش کرنا

ہمارے ایمان کی کمزوری کا ایک سبب ہے کہ ہم اپنے اکابر و اسلاف کی تاریخ اور ناقابل فراموش قربانیوں سے ناآشنا ہیں۔ ان حضرات نے ایمان کی خاطر کیا کیا تکلیفیں جھیلیں، ہم اس سے غافل ہیں۔ ہمارے مرد حضرات کو حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی غلامی اور اَحد اَحد کے نعرے یاد نہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا در بدر بھٹکنا یاد نہیں، حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی داستانِ دل خراش یاد نہیں، حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کی جلی ہوئی پشت کے بھیانک منظر یاد نہیں، حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی بے مثال شہادت یاد نہیں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی ہوئی مار پیٹ یاد نہیں، بئر معونہ میں جام شہادت نوش کرنے والے قرّا صحابہ کی تاریخ یاد نہیں۔

ہماری عورتوں کو حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شہادت یاد نہیں، حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا ایمانی ولولہ یاد نہیں، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی داستانِ ایمان ویقین یاد نہیں، حضرت خنساء رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا حیرت انگیز جذبۂ ایمانی یاد نہیں۔

اسلاف واکابر کی تاریخ کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے اور ان کے ذکر خیر کو فراموشی کی چادر اوڑھا دینے کی وجہ سے ہمارے ایمان میں از حد کمزوری آچکی ہیں۔

اب اس کا علاج یہ ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایمانی قربانیوں

کے حیرت انگیز واقعات کو اپنے مطالعے میں رکھیں، اپنے گھروں اس کی تعلیم کریں تا کہ ان کا جذبہ ایمانی ہمارے بیمار ایمان کے لیے روح افزا وفرحت افزا ثابت ہو۔

پانچواں سبب: حرام مال میں ابتلائے عام

ہمارے ایمان کی کمزوری کا ایک سبب یہ ہے کہ ہمارا پورا معاشرہ مال حرام کے دلدل میں پھنس چکا ہے۔ حلال وحرام کی تمیز ہم نے بھولا دی ہیں۔ سودخوری، رشوت خوری، شراب نوشی، چوری، ڈکیتی، جوا اور سٹہ وغیرہ برائیاں جن پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت سے سخت ترین وعیدیں سنائی ہیں ہمارا پورا معاشرہ ان برائیوں کا مرکز بن چکا ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام کمی اور عیوب سے پاک ہیں اس پاک ذات کی بارگاہ میں صرف وہی صدقات واعمال مقبول ہوتے ہیں جو شرعی عیوب اور نیت کے فساد سے پاک ہوں۔ یادرکھو اللہ تعالیٰ نے جس چیز (یعنی حلال مال کھانے اور اچھے اعمال) کا حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے اسی چیز کا حکم تمام مؤمنوں کو بھی دیا ہے چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًاؕ ﴾ [المومنون: ۵۱]

اے رسولوں کی جماعت! حلال روزی کھاؤ اور اچھے اعمال کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہیں:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ [البقرۃ: ۱۷۲]

اے مؤمنو! تم صرف وہی پاک وحلال رزق کھاؤ جو ہم نے تمھیں عطا کیا ہے۔ پھر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطورِ مثال ایک شخص کا حال ذکر کیا کہ وہ طویل سفر اختیار کرتا ہے، پراگندہ بال اور غبار آلود ہے وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! یعنی وہ اپنے مقاصد کے لیے دعا مانگتا ہے، حالانکہ کھانا اس کا حرام، لباس اس کا حرام، شروع سے اب تک پرورش اس کی حرام ہی غذاؤں سے ہوئی ہے، پھر کیونکر اس کی دعا قبول کی جائے۔(مسلم: کتاب الزکوۃ/باب قبول الصدقۃ من کسب الطیب و تربیتہا/رقم الحدیث:۱۰۱۵)

نیز ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو جسم حرام سے پرورش پایا ہو وہ جنت میں نہ جاسکے گا اور اس جسم کے لیے دوزخ زیادہ لائق ہے۔(مشکوۃ المصابیح/ص:۲۴۳)

مال حرام کی محبت کے نتیجے میں ہمارا ایمان بیمار ہو چکا ہے اور اس میں کمزوری پیدا ہو چکی ہے۔

اب اس کا علاج یہ ہے کہ ہم حرام کے دلدل سے نکل کر اکلِ حلال کا اہتمام کریں۔ حلال کے سلسلے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارد ارشادات پر غور کریں اور عہد کریں کہ ایک بھی حرام لقمہ حلق تک نہیں جانے دیں گے۔اس لیے کہ ضابطہ یہی ہے کہ جیسا مال اور لقمہ حلق تک پہونچتا ہے ویسے ہی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

چھٹا سبب: بے حیائی کا عام ہو جانا

ہمارے ایمان کی کمزوری کا ایک سبب یہ ہے کہ ہمارا پورا معاشرہ بے شرم اور بے حیا بن چکا ہے۔فیشن پرستی اور بے پردگی کے جال میں الجھ چکا ہے۔زنا اور بدنظری کا بازار اتنا

گرم ہے کہ بہ قول حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کہ آنکھوں کو پناہ ملنا بھی مشکل ہے۔ (نگاہ اور شرم گاہ کی حفاظت رص:۴۶)

حالانکہ حیاایک قیمتی زیور ہے۔متعدد روایات میں اس کی اہمیت وفضیلت کو اجاگر کیا گیا ہے، چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایمان کے ستر سے کچھ زیادہ شعبے ہیں۔سب سے افضل شعبہ لا إله إلا الله (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کا اقرار کرنا سب سے کمزور شعبہ راستے سے کوئی تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے،اور حیاایمان کا ایک حصہ ہے۔(أبو داود: كتاب السنة رباب في رد الارجاء ررقم الحديث:۴۶۷۶)

(۲) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حیا تمام تر خیر ہے۔(مسلم: كتاب الإيمان رباب بيان عدد شعب الإيمان ررقم الحديث:۳۷)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری مرد پر گزرے وہ اپنے بھائی کو سمجھا رہا تھا اتنی شرم کیوں کرتا ہے،تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا جانے دے، کیونکہ حیا تو ایمان میں داخل ہے۔(مشکوۃ المصابیح رص: ۴۳۲)

(۴) حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگوں نے سابقہ انبیا علیہم السلام کے کلام میں سے جو حاصل کیا ہے وہ یہ ہے جب تم حیا نہ کرو تو پھر جو چاہو کرو۔
(بخاری: كتاب الأدب رباب إذا لم تستحي فاصنع ماشئت ررقم الحديث: ۶۱۲۰)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حیا اور ایمان کو ایک دوسرے کے ساتھ یکجا کیا گیا ہے،لہٰذا جب کسی کو ان دونوں میں سے کسی ایک سے محروم

کیا جاتا تو وہ دوسرے سے بھی محروم رکھا جاتا ہے یعنی جو شخص ایمان سے محروم رہتا ہے وہ حیا سے محروم رکھا جاتا ہے اور جس میں حیا نہیں ہوتی اس میں ایمان بھی نہیں ہوتا۔(مشکوۃ المصابیح/ص:۴۳۲)

ان تمام روایات کو جاننے کے باوجود ہم نے اس قیمتی زیور کو نکال پھینکا ہے۔نتیجتاً ایسے ایسے جرائم سامنے آتے ہیں کہ جن کا تصور کرتے ہی روحیں کانپ اٹھتی ہیں۔اسی بے حیائی کی وجہ سے ہمارے ایمان کی چمک دمک اور رونق ختم ہو چکی ہے۔چہرے کا نور زائل ہو چکا ہے۔

اب اس کا علاج یہ ہے کہ ہم خود بھی بے حیائی کے دلدل سے نکلیں،اپنے اہل خانہ کو بھی نکالیں اور پورے معاشرے کو باحیا بنائیں۔زنا اور اس کے متعلقات پر وارد ہونے والی وعیدوں کو سامنے رکھیں۔اس کی وجہ سے ہمارے چمک دمک سے کورے ایمان میں نورانیت پیدا ہوگی۔

ساتواں سبب:آپسی اختلاف

ہمارے ایمان کی کمزوری کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم آپسی اختلافات اور رنجش میں مبتلا ہو چکے ہیں۔مختلف فرقوں اور گروہوں میں ہمارا شیرازہ بکھر چکا ہے۔جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمھیں نفلی روزے،نفلی نماز اور نفلی صدقے سے بڑھ کر افضل درجات کے اعمال نہ بتاؤں؟صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ کیوں نہیں اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپس کے میل جول اور روابط کو بہتر بنانا۔اور اس کے برعکس آپس کے میل جول اور روابط میں پھوٹ ڈالنا دین کو مونڈ دینے والی خصلت ہے۔

(أبو داود: کتاب الأدب/باب فی إصلاح ذات البین/رقم الحدیث: ۴۹۱۹)

اب اس کا علاج یہ ہے کہ ہم نفرتوں اور عداوتوں کو ختم کر کے امن و امان اور محبت کی فضا قائم کریں۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں تا کہ ہمارا ایمان اجتماعی اعتبار سے بھی پختہ بنے۔

آٹھواں سبب: دنیا کی محبت

ہمارے ایمان کی کمزوری کا ایک سبب یہ ہے کہ ہم دنیا کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ حب دنیا کی وجہ سے ہمارے ایمان کو زنگ لگ چکا ہے۔ متعدد روایات میں اس کے نقصانات وارد ہوئے ہیں۔

(۱) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اگر دنیا کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس میں سے کسی ایک کافر کو پانی کا گھونٹ تک بھی نہ دیتا۔ (ترمذی: أبواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب ماجاء فی ھوان الدنیا علی اللہ عز وجل/رقم الحدیث: ۲۳۲۰)

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے تعلق کو دائمی رکھنا چاہتی ہو تو تمھارا دنیا سے صرف اتنا تعلق ہونا چاہیے جتنا سوار کا توشہ ہوتا ہے۔ مالداروں کی مجلس سے اجتناب کرو اور پیوند لگائے بغیر کپڑے کو پرانا نہ کرو۔ (ترمذی: ابواب اللباس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب ماجاء فی ترقیع الثوب/رقم الحدیث: ۱۷۸۰)

(۳) حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم!

دنیا آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے کہ جس طرح تم میں سے کوئی آدمی اپنی انگلی اس دریا میں ڈال دے پھر دیکھے کہ وہ انگلی اس میں سے کیا نکال کر لائی ہے۔(ترمذی: ابواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب/رقم الحدیث: ۲۳۲۳)

(۴) بخاری شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ دنیا پیٹھ پھیر کر بھاگ رہی ہے اور آخرت سامنے آرہی ہے اور دنیا وآخرت ہر ایک کے الگ الگ بیٹے ہیں، تو تم آخرت کے بیٹے بنو، دنیا کے بیٹے نہ بنو، اور فرمایا کہ آج عمل کا دن ہے کوئی حساب وکتاب نہیں، اور کل حساب کا دن ہوگا عمل کا نہیں۔(بخاری: کتاب الرقاق/باب فی الأمل وطولہ)

(۵) ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کی محبت کو تمام خطاؤں کی جڑ قرار دیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح/ص: ۴۴۴)

(۶) ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہونچاتا ہے، اور جو شخص آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی دنیا کو نقصان پہونچاتا ہے، پس تم باقی رہنے والی آخرت کو فنا ہوجانے والی دنیا پر ترجیح دو۔(مشکوۃ المصابیح/ص: ۴۴۱)

اب اس کا علاج یہ ہے کہ ہم طالبین دنیا کی فہرست سے نکل کر طالبین آخرت کی فہرست میں شامل ہوجائیں۔ ہر کام کے وقت آخرت کو پیش نظر رکھیں اور دنیا کو پشت کی طرف کریں۔

نواں سبب: گناہوں پر اصرار

ہمارے ایمان کی کمزوری کا ایک اور سبب یہ ہے کہ ہم گناہوں پر اصرار کرنے

والے بن چکے ہیں۔ نتیجتاً ہمارے قلوب سیاہ ہو گئے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ڈال دیا جاتا ہے، پھر اگر وہ ہوش میں آ کر توبہ و استغفار کرے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر دوبارہ گناہ کرے تو اس سیاہی میں اضافہ کر دیا جاتا ہے حتی کہ وہ اس کے دل پر چھا جاتی ہیں، یہی وہ زنگ ہے جس کا اللہ نے ذکر کیا، ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر انکی بداعمالیوں کا زنگ چڑھ گیا ہے۔ (ترمذی: أبواب التفسیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم / باب ومن سورۃ المطففین / رقم الحدیث: ۳۳۳۴)

اب اس کا علاج یہ ہے کہ بندہ گناہوں سے بچے اور اہل خانہ کو بھی بچائے۔ اپنے گھر کی فضا ایسی قائم کریں کہ جہاں گناہوں سے اجتناب اور نیکیوں کی طرف میلان و رغبت ہو۔

دسواں سبب: بروں کی صحبت

ہمارے ایمان کی کمزوری کا ایک سبب یہ ہے کہ ہم نے اہل اللہ کی صحبت اور ہمنشینی کو چھوڑ کر بروں کی صحبت کو اختیار کیا ہیں۔ جب کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ صحبت کا اثر لازمی طور پر ہوتا ہے۔ اچھی اور بری صحبت کے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے دوست اور برے دوست کی مثال کستوری اٹھانے والے اور بھٹی جھونکنے والے کے مانند بیان فرمائی ہے۔ کستوری اٹھانے والا یا تو آپ کو ہدیے میں دے دیگا یا آپ اس سے خرید لیں گے یا کم از کم اچھی خوشبو تو پائیں گے۔ جبکہ بھٹی جھونکنے والا آپ کے کپڑوں کو جلا دے گا یا کم از کم آپ اس سے بدبو پائیں گے۔ (بخاری: کتاب الذبائح و الصید / باب المسک / رقم الحدیث: ۵۵۳۴۔ مسلم: کتاب البر و الصلۃ والآداب / باب إستحباب مجالسۃ الصالحین / رقم الحدیث: ۲۶۲۸)

برا دوست وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باغی ہو، فرائض میں کوتاہی کرنے والا، منہیات میں جرأت کرنے والا، حدود اللہ کو پامال کرنے والا، برے اخلاق سے پیش آنے والا، قطع رحمی کرنے والا، والدین کا نافرمان، ہمسائے سے برائی کرنے والا، جلد اور بہت زیادہ غصہ کرنے والا، متکبر اور لوگوں کو اذیت دینے والا ہو۔

اب اس کا علاج یہ ہے کہ ہم صالحین کی صحبت اور ان کی مجالس کو لازم پکڑیں تاکہ ان کے نور ایمان سے ہمارے ایمان کی شمع بھی روشن رہیں اور ان کے باطن کا عکس ہماری روحانیت کو تروتازگی بخشتا رہیں۔

حضرت پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

لکھنؤ کے چند طلبہ کی جماعت حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئی اور نصیحت کو درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھو! حدیث پاک میں فرمایا کہ نظر لگنا برحق ہے۔ کہتے ہیں کہ بچہ کو نظر لگ گئی۔ نظر انسان کو بیمار کرسکتی ہے، اگر سخت ہے تو اسپتال پہونچا سکتی ہے اور اگر اور سخت ہے تو قبر تک پہنچا سکتی ہے۔ فرمایا کہ جب بری نظر میں یہ تاثیر ہے تو کسی صاحب دل کی اچھی نظر کیا تم پر اثر نہیں کرے گی؟ (لطائف سورۂ یوسف: ۲/ ۲۴۰)

صحبت صالحین کی ایک مثال

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ اگر سخت سردی کے موسم میں کوئی جارہا ہو اور اچانک بارش ہونے لگے اور وہ شخص تربتر ہوجائے تو گھر پہونچ کر کپڑے بدل کر کیا چاہے گا؟ وہ یہی چاہے گا کہ ایک پیالی گرم گرم چائے مل

جائے۔ ایک پیالی چائے نے اس کی برودت کی کیفیت کو حرارت میں تبدیل کر دیا۔ فرمایا کہ جب ایک پیالی چائے آپ کے مزاج کو ٹھیک کر سکتی ہے تو کیا اہل اللہ کی ایک لمحے کی صحبت آپ کی زندگی میں انقلاب پیدا نہیں کر سکتی؟ (معارف الابرار: ۱۷۷)

گیارھواں سبب: اپنے رب سے نہ مانگنا

ہمارے ایمان کی کمزوری کا ایک سبب ہے کہ ہم نے اپنے رب سے، اپنے خالق و مالک سے مانگنا و گڑگڑانا چھوڑ دیا ہے۔ گویا ہمیں اپنے رب سے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دعا ہی مؤمن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔

اگر ہم اپنے اسلاف کی سوانح کے چند اوراق کو الٹ پلٹ کریں تو پتہ چلے گا کہ انھوں نے رات کی تنہائی میں اپنے رب کے حضور کیسے گڑگڑا کر اپنے لیے اور پوری امت کے لیے مانگا ہیں، جس کی وجہ سے ہم بہت سے خطرات سے محفوظ ہیں۔ مختلف روایات میں اپنے رب کے حضور رونے کی فضیلت وارد ہوئی ہے جن میں چند ذیل میں منقول ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دو آنکھوں کو آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دے کر رات گزاری۔ (ترمذی: أبو اب فضائل الجهاد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/ باب ما جاء في فضل الحرس في سبيل الله/ رقم الحديث: ۱۶۳۹)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے والا انسان دوزخ میں داخل نہیں ہو گا جب تک کہ دودھ، تھن میں واپس نہ چلا جائے اور اللہ کی راہ میں پہنچنے والی گرد و غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہو سکتے۔ (ترمذی: ابواب فضائل الجهاد عن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ باب فضل الغبار فی سبیل اللہ/ رقم الحدیث: ۱۶۳۳)

(۳) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس مسلمان کی آنکھ سے مکھی کے سر کے برابر خوفِ خداوندی کی وجہ سے آنسو بہہ کر اس کے چہرے پر آگریں گے تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کو حرام فرمادے گا۔ (ابن ماجہ: باب الحزن والبکاء/ رقم الحدیث: ۴۱۹۷)

(۴) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ مجھے بتایئے کہ دنیا اور آخرت میں نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو، چاہیے کہ تمھارا گھر تمھاری کفایت کرے اور اپنے گناہوں پر روؤ۔ (ترمذی: أبواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ باب ماجاء فی حفظ اللسان/ رقم الحدیث: ۲۴۰۶)

اب اس کا علاج یہ ہے کہ حق تعالیٰ جو مالک الملک ہیں، اُس کے سامنے خوب گڑگڑائیں اور آہ وزاری کریں۔ اللہ رب العزت کو تو رونے والے بندے خوب پسند ہیں۔

دو رونے والے بندے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو بندوں کو رات کی تنہائی میں خوب روتے دیکھا۔ ایک میرے والد حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ تو یہ ایک شعر پڑھتے تھے

چہ بودے کہ دوزخ زمن پر شدے	مگر دیگرے را رہائی شدے

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ قیامت کے دن سب لوگوں کو جہنم سے نجات دیں

اس شرط پر کہ حسین احمد جہنم میں جائے، تو میں جانے کو تیار ہوں۔(حدیث کے اصلاحی مضامین: ۲۴۶/۷)

میرے والد مرحوم کی نصیحت

میرے والد مرحوم اکثر فرماتے تھے کہ یہ امت جب رات میں روتی تھی تو اللہ تعالیٰ ان کو دن میں ہنساتا تھا۔امت نے رات میں رونا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی دن میں ہنسانا چھوڑ دیا۔

بہرحال! ایمان کی کمزوری ایک ایسی حالت ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کردیتی ہے، روحانی واخلاقی مسائل میں نیز دنیوی مصائب میں مبتلا کردیتی ہے، مگر بندہ اپنے آپ کو سنبھالے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، تو اُس کا ایمان دوبارہ مضبوط ہوسکتا ہے۔ جب ایمان مضبوط اور قوی ہوگا، تو زندگی میں سکون، چین، برکت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ممکن ہوگا، اور یہی مسلمان کی اصل کامیابی وبہبودی ہے۔

اللہ رب العزت ہمارے کمزور ایمان کو تقویت نصیب فرمائیں اور زنگ آلود وفاسد ایمان کو جلا بخشیں (آمین)

وصلی اللہ علی النبي الکریم

مضمون: (۳)

مسلمان لڑکیاں مرتد کیوں ہورہی ہیں؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

وَلَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا ؕ ○ [البقرۃ: ۲۲۲]

دورِ جاہلیت میں لڑکیوں کی حالت

حضور اقدس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے پورا عرب معاشرہ خباثت میں مبتلا تھا اور جو برائیاں اُن میں عام تھیں، اُن میں ایک برائی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا بھی تھا۔ پیدا ہوتے ہی اس کو زیر زمین کر دیا کرتے تھے، اُس کی آواز سننا بھی گوارا نہ کرتے۔ کئی لڑکیاں اسی طرح زیر زمین کر دی گئیں۔ لڑکیوں کے وجود کو عیب سمجھا جاتا تھا۔ سب سے پہلے لڑکیوں کو حقوق دلانے والی شخصیت بلا شک وشبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اس نے اس کو زندہ دفن نہیں کیا اور نہ اس کی اہانت کی اور نہ بیٹوں کو اس پر فوقیت دی تو اللہ تعالیٰ اس کو اس لڑکی کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا۔ (أبو داود: أول کتاب الأدب/ باب فی فضل من عال یتیما/ رقم الحدیث: ۵۱۴۶)

اسی طرح خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دو بچیوں، دو بیٹیوں کی کفالت کرے یہاں تک کہ وہ بلوغت کو پہنچیں، قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح آئیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملایا۔ (مسلم: کتاب البر و الصلۃ و الآداب/ رقم الحدیث: ۲۶۳۱)

والدین کا کردار

لیکن یاد رہے جس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو یہ لڑکی عطا کرتا ہے اس وقت یہ ہر قسم کے گناہوں اور معصیت سے ناواقف ہوتی ہے، گویا خوبصورت غیر مسطور سفید کاغذ ہوتی ہے۔ یعنی وہ بچی پاکیزہ دل لے کر آتی ہے، پھر یہ والدین ہوتے ہیں جن کا کردار، تربیت اور اثرات اولاد پر مرتب ہوتے ہیں اور اگر وہ اس کی فطرت کے مطابق نشوونما نہیں کرتے، تو پھر یہی بچیاں پورے معاشرے کے لیے فتنے کے باعث بن جاتی ہیں۔

یہی لڑکیاں جنھیں اسلام نے عزت دی، مقام و مرتبہ دیا، میراث میں حصہ دلوایا، اُن کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیا، لیکن جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتی ہیں تو خواہشات کی تکمیل کے لیے ایسا قدم اٹھاتی ہیں کہ والدین کا دل و کلیجہ زخمی اور چور ہو جاتا ہے۔ جن ماں باپ نے اُسے لاڈ و پیار اور شفقت و محبت کے سایے میں پالا اور بڑا کیا، آج وہی لڑکی عدالت میں والدین کے منہ پر ایسا جواب دیتی ہے کہ والدین بے بس اور لاچار ہو جاتے ہیں اور معاشرے میں ان کی عزت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔

مسلمان کا کافر سے نکاح قطعاً جائز نہیں

اس دور میں مسلمان لڑکیوں کے غیروں سے شادی رچانے کے بکثرت واقعات پیش آرہے ہیں، جب کہ اللہ رب العزت کے کلام مقدس میں صاف فرما دیا گیا:

﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ ﴾ [البقرۃ:۲۲۱]

اپنی عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے نہ کراؤ جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔

حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ ایک سخت اور زور آور آدمی تھے، قیدیوں کو مکہ سے مدینہ منتقل کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو بلایا کہ اسے سواری پر ساتھ لیتا جاؤں، مکہ میں عناق نامی ایک بدکار عورت تھی جوان کی آشنا تھی، وہ گھر سے باہر نکلی، دیوار کی پرچھائیوں میں میرے وجود کو (یعنی مجھے) دیکھا، بولی کون ہے؟ مرثد! خوش آمدید، اپنوں میں آ گئے، مرثد! آج رات چلو ہمارے ڈیرے پر، ہمارے پاس رات کو سوؤ۔ حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے کہا عناق! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زنا کو حرام قرار دے دیا ہے، اس نے کہا کہ خیمے والو! یہ دلدل ہے، یہ وہ پرندہ ہے جو تمھارے قیدیوں کو مکہ سے مدینہ اٹھا لے جائے گا۔ یہ سن کر میں خندمہ (پہاڑ) کی طرف بڑھا۔ مجھے پکڑنے کے لیے میری طلب و تلاش میں آٹھ آدمی نکلے اور میرے سر پر آ کھڑے ہوئے، انھوں نے وہاں پیشاب کیا جس کے چھینٹے مجھ پر پڑے۔ اتنے قریب ہونے کے باوجود وہ مجھے دیکھ نہ سکے کیونکہ میرے حق میں اللہ نے انھیں اندھا بنا دیا۔ میں وہاں سے بچ کر اپنے (قیدی) ساتھی کے پاس آیا اور اسے سواری پر چڑھا کر چل پڑا۔ پھر جب میں اراک پہنچا تو میں نے اس کی بیڑی کھول دی، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور آپ سے کہا: اللہ کے رسول! میں عناق سے شادی کرلوں؟ تو آپ خاموش رہے پھر آیت پڑھی:

﴿وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ﴾ [النور:۳]

زنا کار عورت سے بجز زانی یا مشرک مرد کے اور نکاح نہیں کرتا۔ (الکشف و البیان عن تفسیر القرآن: ۶/۱۲، ۱۱)

ایک سوال اور اس کا جواب

بہر حال! شریعت اسلامیہ نے مسلمان کے غیر مسلم سے نکاح کو جائز قرار نہیں دیا جب تک وہ داخل اسلام نہ ہو جائے۔ سوال یہ ہے کہ مسلمان کا غیر مسلم سے نکاح کیوں جائز نہیں؟

اس کا جواب ایک مثال سے سمجھیں کہ ایک مجلس میں ایک شخص آیا جس نے عجیب لباس پہن رکھا تھا۔ کرتا الگ رنگ کا، پائجامہ الگ رنگ کا اور ٹوپی الگ رنگ کی۔ تینوں کا رنگ الگ تھا۔ ظاہری بات ہے کہ لوگوں کی نگاہیں اُس پر اٹھنے لگیں گی اور آس پاس والوں سے اُس کے متعلق تبصرے شروع کریں گے۔ تو کیا اس نے لباس نہیں پہنا تھا؟ جواب یہ ہوگا کہ لباس تو تھا، مگر ڈھنگ کا نہیں تھا، بے ڈھنگا تھا، تینوں چیزیں الگ الگ تھیں۔

تو جب ظاہری بدن پر بے ڈھنگے لباس کو پسند نہیں کیا جاتا، تو حق تعالیٰ نے بھی اپنے کلام مقدس میں فرمایا:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ﴾ [البقرۃ:۱۸۷]

کہ وہ تمھارے لیے اور تم ان کے لیے پوشاک ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس جملے میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا ہے۔ تو پھر یہ بے ڈھنگا لباس یعنی مسلمان کا غیر مسلم سے نکاح کرنا، شریعت اس کو کیسے پسند کرے گی؟

لڑکیوں کی بغاوت کے اسباب

سوال یہ ہوتا ہے کہ آخر مسلمان لڑکیاں اپنے ہی ماں باپ کے خلاف بغاوت کیوں کرتی ہیں؟ بغاوت کے اسباب کیا کیا ہیں؟

[۱] فواحش و منکرات کی اشاعت

بغاوت کا پہلا سبب ہے فواحش اور بے حیائی کی چیزوں کا عام ہو جانا۔ کسی بھی معاشرے میں اخلاقی گراوٹ پیدا کرنا ہو تو اس میں فواحش اور بے حیائی کی چیزوں کو عام کر دیا جائے۔ یہود و نصاریٰ اور دشمنانِ اسلام نے یہ شیطانی چال چلی اور ہمارے صاف ستھرے مدنی و نبوی معاشرے میں فیشن کے نام پر ایسی چیزوں کو رائج کر دیا جس سے ہمارے لڑکوں اور لڑکیوں کا مزاج آزادانہ ہو گیا، اور غیروں کے راستے پر چلنا ان کے لیے آسان ہو گیا۔

[۲] مرد و زن کا اختلاط

لڑکیوں کی بغاوت کا دوسرا سبب ہے مرد و عورت کا جمع ہونا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد سے باہر نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ راستے میں مرد و عورت اکھٹے چل رہے ہیں، یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے ارشاد فرمایا کہ ایک طرف ہو جاؤ، کیوں کہ تمھارے لیے راستے کے درمیان میں چلنا درست نہیں، تمھارے لیے راستے کے ایک کنارے چلنا لازم ہے۔ (أبو داود: أول كتاب الأدب/باب في مشي النساء مع الرجال في الطريق/رقم الحديث: ۵۲۷۲)

روای کہتے ہیں کہ اس کے بعد عورتیں راستے کے کنارے چلتی تھیں کہ ان کا کپڑا دیوار سے اٹک جاتا تھا۔

اب اِس زمانے کی عورتوں کا حال دیکھیے کہ وہ قصداً مردوں کے ہجوم میں چلتی ہیں، شادی بیاہ کے موقع پر جہاں مردوں کے کھانے کا نظم ہو گا وہاں داخل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اسکلوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کو مخلوط تعلیم دی جاتی ہے اور شہوات کا بیج یہیں سے بویا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نظر سے شہوت کا بیج پیدا ہوتا ہے اور فتنہ پیدا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/ ۹۲)

حضرت داود علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو نصیحت کی کہ سانپ کے پیچھے چلے جانا مگر عورت کے پیچھے مت جانا۔ (حیا اور پاک دامنی/ص: ۶۴)

[۳] حلال روزی کو ترک کرنا

مفسرین کرام نے ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت حوا کے لیے جنت کی ساری چیزوں کو حلال کر کے صرف ایک ہی چیز کو حرام کیا تھا۔ شیطان نے پٹی پڑھائی اور دونوں نے وہ شجرۂ ممنوعہ کھالیا، تو دونوں سے جنتی لباس اتر گیا اور ایک دوسرے کا ستر ظاہر ہو گیا، یہاں تک کہ دونوں جنتی درخت کے پتوں سے اپنے بدن کو چھپانے لگیں۔

مفسرین کرام یہاں یہ بات بیان کرتے ہیں کہ یہ حرام کا اثر ہے کہ اس کی وجہ سے ستر کھل گیا اور شرمگاہ ظاہر ہوگئی۔ معلوم ہوا حرام کی وجہ سے بے حیائی پیدا ہوتی ہے۔

[۴] حجاب کو چھوڑنا

لڑکیوں کی بغاوت کا ایک سبب ہے کہ حجاب کو چھوڑا جا رہا ہے۔ اس کے استعمال کو برا سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر حجاب کا استعمال ہو تو وہ بھی برائے نام کہ ایسے حجاب پر مزید حجاب کی ضرورت رہے۔ اولاً تو عورت کو بلا وجہ سے گھر سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہیے۔ ترمذی شریف میں ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المرأة عورة إذا خرجت إستشرفها الشيطان

عورت چھپانے کی چیز ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے تاکتا ہے۔(ترمذی: ابواب الرضاع/رقم الحدیث: ۱۱۷۳)

ایک صحابیہ کا اہتمامِ حجاب

ابوداود شریف میں روایت ہے کہ ایک صحابیہ کا لڑکا ایک جنگ میں شہید ہو گیا تو وہ برقع اوڑھے ہوئے تحقیق کے لیے آئی۔ کسی نے کہا کہ اس حال میں بھی برقع نہیں چھوڑا، اس نے جواب دیا کہ میرا لڑکا فوت ہوا ہے، میری حیا فوت نہیں ہوئی۔ (أبو داود: کتاب الجهاد/ فضل قتال الرومی علی غیرهم من الأمم/ رقم الحدیث: ۲۴۸۸)

[۵] خلوت اور تنہائی

لڑکیوں کی بغاوت کا ایک سبب ہے خلوت اور تنہائی۔ لڑکا اور لڑکی چاہے کتنے ہی نیک ہوں، دیندار اور متقی ہوں، لیکن شریعت دونوں کو خلوت اور تنہائی میں وقت گذارنے کی اجازت نہیں دیتی۔

آخری دور کا حال

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! ان لوگوں کا حال ہم سے بیان فرمائیے اور کھول کر بیان فرمائیے تاکہ لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ہم ان میں سے نہ ہو جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جان لو کہ وہ تمھارے بھائیوں میں سے ہی ہیں، اور تمھاری قوم میں سے ہیں، وہ بھی راتوں کو اسی طرح عبادت کریں گے، جیسے تم عبادت کرتے ہو، لیکن وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب تنہائی میں ہوں گے تو حرام کاموں کا ارتکاب کریں گے۔

(ابن ماجة/ کتاب الزهد/ باب ذکر الذنوب/ رقم الحدیث: ۴۲۴۵)

عورت تنہا سفر نہ کرے

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنہا عورت کو سفر کرنے منع فرمایا۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بھی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے اور نہ کوئی عورت تنہا سفر کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو۔(بخاری: کتاب الجهاد والسير/باب من اكتتب في جيش فخرجت إمرأته حاجة/رقم الحديث: ۳۰۰۶)

وہ تو موت ہے

ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کے پاس تنہائی میں جانے سے بچو۔ یہ سن کر ایک انصاری صحابی نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! حمو کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حمو تو موت ہے۔

(بخاری: کتاب النکاح/باب لا يخلون رجل بإمرأة/رقم الحديث: ۵۲۳۲)

حمو شوہر کے قریبی رشتے دار کو کہا جاتا ہے جیسے دیور اور جیٹھ۔

ذرا سوچیں کہ شریعت نے ایسے قریبی رشتے دار سے بھی پردے کی تعلیم دی اور اُن سے بھی خلوت اور تنہائی سے روکا، تو پھر لڑکیوں کا گاڑی لے کر بے دھڑک نکلنا، مردوں کے مجمع میں گھسنا، اجنبی سے تنہائی اختیار کرنا، غیر مسلمین کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر بیٹھنا اور ان کے ساتھ گھنٹوں وقت بتانا اور اپنی عزت کا سودا کرنا کیسے درست ہوگا؟ اور کلیجہ اُس وقت زخمی ہوتا ہے جب کہ باپ سب کچھ جانتا ہے اور وہ اُسے تنبیہ کے دو چار جملے تو کیا کہے، بلکہ بیٹی عیاشی کر کے جو مال لائی ہے، اُسے استعمال کرنے کو اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ لعنت ہے ایسے باپوں پر!

[۶] غیروں کی مشابہت

لڑکیوں کی بغاوت کا ایک سبب ہے غیروں کی مشابہت۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ اسی میں سے سمجھا جاتا ہے۔(أبو داود: کتاب اللباس/باب فی لبس الشھرۃ/رقم الحدیث: ۴۰۳۱)

آج ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کا حال یہ ہے کہ انھیں مغربی تہذیب اور فیشن پرستی نے ایسا اندھا کر دیا کہ انھیں پہلے تو داڑھی والے مردوں سے نفرت تھی اور اب تو مسلمان لڑکوں سے ہی نفرت ہونے لگی۔

[۷] کتابیہ عورت سے نکاح

لڑکیوں کی بغاوت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مسلمان لڑکوں نے یہود و نصاریٰ کی لڑکیوں سے نکاح کو رواج دینا شروع کر دیا ہے، واضح رہے کہ مسلمان مرد کا نکاح کسی کافر عورت سے جائز نہیں، البتہ اگر کتابیہ یعنی یہودیہ یا نصرانیہ وغیرہ ہو تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہو سکتا ہے:

(۱) وہ صرف نام کی عیسائی، یہودی اور در حقیقت لا مذہب دہریہ نہ ہو، بلکہ اپنے مذہبی اصول کو کم از کم مانتی ہو، اگر چہ عمل میں خلاف بھی کرتی ہو، یعنی اپنے نبی پر ایمان رکھتی ہو اور اس پر نازل ہونے والی کتاب پر بھی ایمان رکھتی ہو، اگر چہ وہ توحید کی قائل نہ ہو۔

(۲) وہ اصل ہی یہودیہ نصرانیہ ہو، اسلام سے مرتد ہو کر یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی ہو۔

جب یہ دو شرطیں کسی کتابیہ عورت میں پائی جائیں تو اس سے نکاح صحیح و منعقد ہو جاتا ہے، لیکن بلا ضرورتِ شدیدہ اس سے نکاح کرنا مکروہ اور بہت مفاسد پر مشتمل ہے۔

آج کل کے پرفتن ماحول میں جب کہ برائی کا اثر قبول کرنے میں اضافہ روز افزوں ہے، اور عام طور پر حال یہ ہے کہ مرد کا اثر بیوی پر قائم ہونے کے بجائے شاطر لڑکیاں مردوں کو اپنا تابع دار بنالیتی ہیں، نیز اہلِ کتاب ماؤں کے فاسد اَثرات اولاد پر بھی بہت زیادہ پڑتے ہیں، اس لیے جواز کے باوجود اہلِ کتاب لڑکیوں سے نکاح نہ کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے، اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں کے نکاح سے منع فرما دیا تھا۔ (مستفاد از کتاب المسائل: ۴/ ۲۴۷)

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کو طلاق دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہودی عورت سے نکاح حرام ہے، لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت و پاکدامنی نہیں ہوتی، اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانے میں بھی اس راہ سے فحش و بدکاری داخل نہ ہوجائے۔ (معارف القرآن: ۳/ ۶۲، ۶۳)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دے کر آزاد کر دو، کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھی آپ کی اقتدا کریں اور اہل ذمہ اہل کتاب کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے مسلمان عورتوں پر ترجیح دینے لگیں، تو مسلمان عورتوں کے لیے اس سے بڑی مصیبت کیا ہوگی؟ (معارف القرآن: ۳/ ۶۳)

بغاوت کا علاج

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ بغاوت کا علاج کیا؟ لڑکیوں کو کیسے روکا جائے؟ تو ہمیں اس کے لیے کچھ اقدامات کرنے ہوں گے۔

[۱] تقویٰ اور خوف خداوندی

سب سے پہلا کام یہ ہے کہ بچپن ہی سے اولاد کو تقویٰ اور خوفِ خداوندی کی تعلیم دی جائے۔

کفل کی مغفرت کا عجیب واقعہ

ترمذی شریف میں روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے اگر میں نے اسے ایک یا دو بار سنا ہوتا یہاں تک کہ سات مرتبہ گنا تو میں اسے تم سے بیان نہ کرتا، لیکن میں نے اسے اس سے زیادہ مرتبہ سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمارہے تھے کہ بنی اسرائیل میں کفل نامی ایک شخص تھا جو کسی گناہ کے کرنے سے پرہیز نہیں کرتا تھا، چناں چہ اس کے پاس ایک عورت آئی، اس نے اسے ساٹھ دینار اس لیے دیے کہ وہ اس سے بدکاری کرے گا، لیکن جب وہ اس کے آگے بیٹھا جیسا کہ مرد اپنی بیوی کے آگے بیٹھتا ہے تو وہ کانپ اٹھی اور رونے لگی، اس شخص نے پوچھا کہ تم کیوں روتی ہو؟ کیا میں نے تمھارے ساتھ زبردستی کی ہے؟ وہ بولی کہ نہیں، لیکن آج میں وہ کام کررہی ہوں جو میں نے کبھی نہیں کیا اور اس کام کے کرنے پر مجھے سخت ضرورت نے مجبور کیا ہے، چناں چہ اس نے کہا کہ تم ایسا غلط کام کرنے جارہی ہو جسے تم نے کبھی نہیں کیا، اس لیے تم جاؤ، وہ سب دینار بھی تمھارے لیے ہیں، پھر اس شخص نے کہا کہ اللہ کی قسم! اب اس کے بعد میں کبھی بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا، پھر اسی رات میں اس کا انتقال ہوگیا، چناں چہ صبح کو اس کے دروازے

پرلکھا ہوا تھا بیشک اللہ تعالیٰ نے کفل کو بخش دیا۔(ترمذی: أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/باب/رقم الحديث:۲۴۹۶)

[۲] دین کی تعلیم

بغاوت کا دوسرا علاج یہ ہے کہ بچپن ہی سے دینی تعلیم وتربیت پر زور دیا جائے۔ اولاد کی دینی تربیت کے اعتبار سے والدین صرف اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں کہ بیٹی کو قرآن مجید ناظرہ پڑھا دیا جائے، نماز پڑھنا آجائے، تاکہ رمضان میں یا جمعہ کے دن اس کا اہتمام کرلیا جائے، یا کبھی موت میت کے موقع پر ایک آدھ پارہ پڑھ لیا جائے، جب کہ دینی اعتبار سے تربیت میں قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اُن احکامات پر توجہ دلانا جن کا تعلق خواتین ہی سے ہے، جیسے پردے کے احکامات، خانگی مسائل سے واقفیت ہونا۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اپنی بچیوں کو سورۂ نور کی تعلیم دو۔(المستدرک للحاکم/رقم الحديث: ۳۴۹۴)

آج کل ایک سہولت یہ ہے کہ بہت سی جگہوں پر خواتین کے مختصر کورس کروائے جاتے ہیں، وہاں اپنی بچی کو داخل کیا جائے، جس کی وجہ سے اُسے اچھی خاصی دینی معاملات سے آگاہی ہوسکتی ہے۔

[۳] فطرتی غیرت پیدا کرنا

بغاوت کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کے لیے خیر وبھلائی کا جذبہ رکھے ، وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور وہی ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔

مقصد یہی ہے کہ جب انسان اپنے بھائی کے نفع ونقصان کو اپنا نفع ونقصان سمجھے گا،

اپنے بھائی کی بہن و بیٹی کو اپنی بہن و بیٹی سمجھے گا، تو اس کے دل میں کوئی ناپاک جذبہ نہیں آئے گا اور آ بھی گیا تو فوراً دب جائے گا۔

مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے زنا کرنے کی اجازت دے دیجئے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے ڈانٹنے لگے اور اسے پیچھے ہٹانے لگے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے فرمایا میرے قریب آ جاؤ، وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب جا کر بیٹھ گیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تم اپنی والدہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی ماں کے لیے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی بیٹی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی بیٹی کے لیے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی بہن کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی بہن کے لیے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی پھوپھی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی پھوپھی کے لیے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی خالہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا کہ اللہ کی قسم کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی خالہ کے لیے پسند نہیں کرتے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کے جسم پر رکھا

اوردعا کی کہ اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما، اس کے دل کو پاک فرما اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان نے کبھی کسی کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔ (مسند أحمد/مسند أبی أمامة رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۲۲۲۱۱)

[۴] بروقت شادی

لڑکیوں کی بغاوت کا ایک سبب یہ ہے کہ ہم نے اپنی سماجی خاندانی رسومات کو نبھانے کے لیے شادی کو مہنگا بھی بنادیا اور اس میں تاخیر بھی کرنے لگے۔ جب کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ لڑکا لڑکی بالغ ہوجائیں تو ان کی شادی کردی جائے یعنی اس میں تعجیل کی جائے۔ والدین کا بلاوجہ تاخیر کرنا امروز وفردا میں ٹالنا مناسب نہیں فتنے کا دور ہے عفت و پاکدامنی سے وقت گذارنا بہت اہمیت رکھتا ہے اگر والدین کی کوتاہی کی وجہ سے لڑکے کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تو اس کا وبال والدین پر بھی ہوسکتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے یہاں بچہ پیدا ہو اس کی ذمہ داری ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے، بالغ ہونے پر اس کی شادی کرے، اگر شادی نہیں کی اور اولاد نے کوئی گناہ کرلیا تو باپ اس جرم میں شریک ہوگا اور گناہ گار ہوگا۔ (مشکوۃ المصابیح/ص: ۲۷۱)

اللہ رب العزت ہماری بہنوں کی حفاظت فرمائیں اور شرم وحیا کے زیور سے انھیں آراستہ فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبي الکریم

مضمون: (۴)

محاسن اسلام

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ﴾ [آل عمران: ۱۹]

مذہب اسلام کی جامعیت

یہ سورۂ آل عمران کی ۱۹ نمبر کی آیت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس ٹکڑے میں حق جل شانہ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ کے نزدیک معتبر دین تو فقط دین اسلام ہے۔

اسلام ایک ایسا جامع مذہب ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر، ہر قدم پر انسان کی رہبری کرتا ہے۔ ہماری زندگی کا کوئی حصہ، کوئی گوشہ، کوئی شعبہ دین اسلام کی تعلیمات سے تشنہ نہیں ہے۔ یہی وہ دین ہے جو قیامت تک دنیا میں بسنے والے تمام انسانوں کو توحید خالص کی دعوت دے کر شرک و بدعات سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ دین افراط و تفریط سے پاک اور معتدل دین ہے۔ اخلاق حسنہ کی طرف ابھار کر اخلاق رزیلہ سے روکنے والا، قدم قدم پر رہبری کرنے والا اور ''مہد'' سے لے کر ''لحد'' تک کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنے والا یہی واحد دین ہے۔

اہمیت اسلام پر قرآن کریم کا پیغام

اس دین کے بہت سے محاسن اور خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے قرآن کریم نے ہمیں اس دین میں مکمل داخل ہونے کا حکم دیا اور اس کے علاوہ دین اپنانے پر ناراضی کا اظہار فرمایا۔

سورۂ بقرہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ [البقرۃ:۲۰۸]

اے ایمان والو! تم اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ۔

سورۂ آل عمران میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ [آل عمران:۱۹]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین فقط اسلام ہی ہے۔

سورۂ آل عمران میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝﴾ [آل عمران:۸۵]

اور جو شخص اسلام کے علاوہ دین کو تلاش کرے گا پس وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔

پہلی خوبی

دین اسلام کی پہلی خوبی یہ ہے کہ دین اسلام نے ہر شخص کو عزت کی دولت سے نوازا ہے۔ اونچ نیچ کے معیار کو ختم کرکے مقبولیت کا مدار تقویٰ پر رکھا ہے۔ دین اسلام نے کسی شخص کو گالی دینے، ظلم کرنے، ناحق مال لینے، ناحق قتل کرنے سے بہت سختی سے روکا ہے چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ دین اسلام نے ہر انسان کے ادب واحترام کے ساتھ ساتھ اس کی عبادت گاہ کے ادب کی بھی تعلیم دی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ تم سب کا رب ایک ہے، اور تمھارا باپ ایک ہے اور تمھارا نبی ایک

ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح کسی سرخ کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہے، مگر صرف تقویٰ سے۔ (مسند أحمد: مسند الأنصار/حدیث رجل من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم/رقم الحدیث: ۲۳۴۸۹)

ایک چرواہے کا واقعہ

غزوہ خیبر کے موقع پر ایک چرواہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا، وہ یہودیوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اس چرواہے نے جب دیکھا کہ خیبر سے باہر مسلمانوں کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے، اسکے دل میں خیال آیا کہ میں جا کر ان سے ملاقات کروں۔ اور دیکھوں کہ یہ مسلمان کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ چناں چہ بکریاں چراتا ہوا مسلمانوں کے لشکر میں پہنچا اور ان سے پوچھا کہ تمھارے سردار کہاں ہیں؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ ہمارے سردار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خیمے کے اندر ہیں۔ پہلے تو اُس چرواہے کو ان کی باتوں پر یقین نہیں آیا۔ اس نے سوچا کہ اتنے بڑے سردار ایک معمولی سے خیمے کے اندر کیسے بیٹھ سکتے ہیں! اس کے ذہن میں یہ تھا کہ جب آپ اتنے بڑے بادشاہ ہیں تو بہت ہی شان وشوکت اور ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہتے ہوں گے، لیکن وہاں تو کھجور کے پتوں کی چٹائی سے بنا ہوا خیمہ تھا۔ خیر! وہ اس خیمے کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے لیے داخل ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی اور پوچھا کہ آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سامنے اسلام اور ایمان کی دعوت رکھی اور اسلام کا پیغام دیا۔ اس نے پوچھا کہ اگر میں اسلام کی دعوت قبول کرلوں تو میرا کیا انجام ہوگا؟ اور کیا رتبہ ہوگا؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام لانے کے بعد تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے اور ہم تمھیں گلے سے لگائیں گے۔ اس چرواہے نے کہا کہ آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں، میں کہاں اور آپ کہاں! میں ایک معمولی سا چرواہا ہوں اور میں ایک سیاہ فام انسان ہوں، میرے بدن سے بدبو آ رہی ہے۔ ایسی حالت میں آپ مجھے کیسے گلے سے لگائیں گے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تمھیں ضرور گلے سے لگائیں گے اور تمھارے جسم کی سیاہی کو اللہ تعالیٰ تابانی سے بدل دیں گے اور اللہ تعالیٰ تمھارے جسم سے اٹھنے والی بدبو کو خوشبو سے تبدیل کر دیں گے۔ یہ باتیں سن کر وہ فوراً مسلمان ہو گیا اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایسے وقت پر ایمان لائے ہو کہ نہ تو اس وقت کسی نماز کا وقت ہے کہ تم سے نماز پڑھواؤں اور نہ ابھی روزے کا زمانہ ہے کہ تم سے روزے رکھواؤں، اور زکوۃ تم پر فرض نہیں ہے، اس وقت تو صرف ایک ہی عبادت ہو رہی ہے جو تلوار کی چھاؤں میں انجام دی جاتی ہے وہ ہے ''جہاد فی سبیل اللہ''۔ اس چرواہے نے کہا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں اس جہاد میں شامل ہو جاتا ہوں، لیکن جو شخص جہاد میں شامل ہوتا ہے اس کے لیے دو میں سے ایک صورت ہوتی ہے، غازی یا شہید۔ پس اگر میں اس جہاد میں شہید ہو جاؤں تو آپ میری کوئی ضمانت لیجیے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ اگر تم اس جہاد میں شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ تمھیں جنت میں پہنچا دیں گے اور تمھارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرما دیں گے اور تمھارے چہرے کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرما دیں گے۔

چونکہ وہ چرواہا یہودیوں کی بکریاں چراتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ اس لیے حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہودیوں کی جو بکریاں لے کر آئے ہو۔ ان کو جا کر واپس کرو اس لیے کہ یہ بکریاں تمھارے پاس امانت ہیں۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ جن لوگوں کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے، جن کا محاصرہ کیا ہوا ہے، اُن کا مال غنیمت ہے، لیکن چونکہ وہ چرواہا بکریاں معاہدے پر لیکر آیا تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ پہلے وہ بکریاں واپس کر کے آؤ۔ پھر آ کر جہاد میں شامل ہونا۔ چناں چہ اس چرواہے نے جا کر بکریاں واپس کی۔ اور واپس آ کر جہاد میں شامل ہوا اور شہید ہو گیا۔

جب جنگ ختم ہو گئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کا جائزہ لینے گئے۔ ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مجمع اکٹھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب پہنچے تو ان سے کہا کہ کیا بات ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا جو لوگ جنگ میں شہید ہو گئے ہیں، اُن میں سے ایک آدمی ایسا بھی ہے کہ جس کو ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ تم اس شخص کو نہیں پہچانتے، مگر میں اس شخص کو پہچانتا ہوں۔ یہ چرواہا ہے اور یہ وہ عجیب و غریب بندہ ہے جس نے اللہ کی بارگاہ میں ایک بھی سجدہ نہیں کیا۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدھا اس کو جنت الفردوس میں پہنچا دیا ہے۔ اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ملائکہ اس کو غسل دے رہے ہیں و راس کی سیاہی سفیدی میں تبدیل ہو گئی ہے، اور اس کی بدبو خوشبو میں تبدیل ہو گئی ہے۔ (السیرۃ النبویۃ لإبن ھشام: ۳/۲۵۷، ۲۵۸)

دوسری خوبی

دین اسلام کی دوسری خوبی یہ کہ دین اسلام نے اغیار کے ساتھ فقط دلی دوستی سے روکا ہے، مگر معاملات، مواسات اور خاطر مدارات سے نہیں روکا، بلکہ اس کی تو بڑھ چڑھ کر تعلیم دی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اغیار کے ساتھ معاملات، مواسات اور خاطر مدارات کا کیسا شاندار رویہ اختیار فرمایا ہے۔ اس کا ہم ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

کفار مکہ جنھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ایذائیں پہنچائیں، یہاں تک کہ بعض لوگوں کو ایذا پہونچا پہونچا کر شہید کر دیا۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنی ہی تکالیف پہونچائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے جارہے ہیں تاکہ آپ کو آنے جانے میں تکلیف ہو۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچی بھی تھی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھایا کرتی تھی۔ اہل طائف نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنا زدوکوب کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کتنی سنگ باری کی۔ کفار مکہ عین نماز کی حالت میں سجدے کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر اونٹ کی اوجھ نجاست سے بھری ہوئی رکھ رہے ہیں۔ طرح طرح کی تکالیف پہونچا پہونچا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت پر مجبور کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو وہاں بار بار چڑھائی کی۔ وہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو چین سے رہنے نہیں دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنگ آ کر اہل مکہ کے لیے بددعا فرمائی کہ ان پر ایسی قحط سالی مسلط فرما جیسا کہ اہل مصر پر آئی تھی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں۔ سات سال وہاں قحط سالی رہی تھی۔ اللہ کے نبی کی دعا ہے، مقبول بندے کی دعا ہے، معصوم بندے کی

دعا ہے، رائیگاں تھوڑی جائے گی! اللہ تعالیٰ نے اُسے قبول کیا اور اہل مکہ پر قحط سالی مسلط ہو گئی، بارش بند ہو گئی ویسے بھی وہاں بارش کم ہی ہوتی ہیں۔ جو کچھ ہوتی تھی وہ بھی اس بددعا کی وجہ سے بند ہو گئی۔

وسری جانب یمامہ کے ایک سردار تھے ثمامہ بن اثال۔ کتنے ہی مسلمانوں کو انھوں نے شہید کیا تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں گرفتار کرلیا۔ اس وقت تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس کوئی جیل خانہ نہیں تھا، جہاں قید کیا جائے۔ گرفتار کر کے لائیں اور مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ انھیں باندھ دیا، لیکن کھانے پینے کا برابر خیال رکھتے تھے کہ بھوکے پیاسے نہ رہے۔ قیدیوں کے ساتھ بھی ہمدردی۔

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کے ستون سے بندھے ہوئے ہیں۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے پوچھا کہ ثمامہ! تمھاری کیا رائے ہے؟ تم کس سوچ میں ہو؟ عرض کیا میرے پاس خیر ہے۔ آپ مجھ پر احسان فرمائیں گے تو آپ ایک شکر گزار پر احسان فرمائیں گے۔ آپ نے مجھے رہا کر دیا آپ کا شکر گزار بنوں گا۔ اور اگر آپ مجھ کو قتل کر دیتے ہیں تو میں بہت سے مسلمانوں کو قتل کر چکا ہوں تو ان کے بدلے میرا قتل ہوگا۔ اگر آپ مال چاہتے ہیں تو بتلائیں، جتنا آپ سوال کریں گے آپ کو دیا جائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کا جواب سن کر خاموش ہو گئے اور آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔

دوسرے دن پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی سوال کیا کہ اے ثمامہ! تمھاری کیا رائے ہے؟ اُن کا جواب وہی تھا جو گذشتہ روز دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا اور آپ آگے بڑھ گئے۔

تیسرے روز پھر وہی سوال کیا کہ اے ثمامہ! تمھاری کیا رائے ہے؟ اُن کا جواب وہی تھا جو پہلے دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کہ اِن کو کھول دو۔ چناں چہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں کھول دیا۔

اب ثمامہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریب سے دیکھا، مسلمانوں کی ہمدردی اور اُن کا شاندار سلوک دیکھا، تو اسلام کے شکار ہو گئے۔ باہر گئے، غسل کیا، کپڑے پہنے، اور حاضر خدمت ہوئے، کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ عرض کرتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ میں تو عمرہ کے لیے جا رہا تھا، مگر آپ کے صحابہ نے گرفتار کر کے مجھے یہاں پہونچا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جاؤ عمرہ کے لیے۔ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بہتر ہے، میں جا رہا ہوں، مگر اہل مکہ کے لیے جو غلے کی سپلائی ہوتی ہے وہ ہمارے ملک سے ہوتی ہے۔ میں اپنے وطن یمامہ پہونچ کر وہ سپلائی بند کر دوں گا۔ جیسے آج بھی بعض ملکوں پر اقتصادی پابندی ہوتی ہیں۔ یہ دستور بھی اُسی زمانے سے چلا آ رہا ہے۔

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ مکہ معظّمہ پہونچے۔ اُن کے مکہ پہنچنے سے پہلے یہ خبر وہاں پہونچ چکی تھی کہ یہ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔ اہل مکہ نے کہا یہ تو صابی ہو گیا، بے دین ہو گیا، اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا۔ فرمایا میں صابی نہیں ہوا ہوں، میں تو اسلام میں داخل ہوا ہوں۔ اہل مکہ انھیں دھمکانے لگے تو حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ ان سے کہتے ہیں کہ ارے! تم مجھے دھمکاتے ہو، ذرا وطن پہونچنے دو، غلے کی سپلائی بن کر دیتا ہوں۔

چناں چہ آپ وطن پہنچے اور اہل مکہ کے لیے غلے کی سپلائی بند کر دی۔ ایک طرف غلے کی سپلائی بند اور دوسری طرف آسمان سے بارش بند۔ اہل مکہ کا اتنا برا حال ہوا ہے کہ مردار

جانور کھانے پر مجبور ہو گئے۔ حالت اتنی شدید کہ ایک طرف پیٹ میں بھوک اور فضا میں سخت دھوپ۔ اور مکہ کی گرمی تو سخت گرمی ہوتی ہے، فضا میں دھواں نظر آتا ہے، حالانکہ کوئی دھواں نہیں ہے۔ جب چولہے ہی نہیں جل رہے ہیں تو دھواں کیسے ہوگا؟ مجبور ہو کر ابوسفیان مدینہ آئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رشتے داری کا واسطہ دیا اور کہا آپ خود کہتے ہیں کہ آپ رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے ہیں۔ آپ کے خاندان والے ہیں، رشتے دار ہیں، بھوک سے مر رہے ہیں، آپ دعا کیجیے اور ثمامہ کو کہیے کہ وہ سپلائی بحال کر دیں۔

اب دیکھیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مواسات اور ہمدردی کہ وہ مجبور ہو کر آئے، حالانکہ وہی ہیں جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت پر مجبور کیا ہے۔ وہی ہیں جنھوں نے مدینہ منورہ پر بار بار چڑھائی کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی رحمۃ للعالمین ہیں، فوراً ہاتھ اٹھ گئے اور دعا فرمائی پروردگار! بارش برسا اور قحط سالی کو دور فرما۔ اور دوسری طرف حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ سپلائی بحال کر دو۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے بارش ہوگی اور حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے سپلائی بحال کر دی اور اہل مکہ کی تکلیف دور ہوگئی۔ یہ ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُن کے ساتھ مواسات، حالانکہ ابھی وہ مشرک تھے، بعد میں ایمان لائے۔ (بخاری: کتاب المغازی/باب وفد بنی أبی حنیفة وحدیث ثمامة بن أثال/رقم الحدیث: ۴۳۷۲)

یہ ہے دین اسلام کی خوبی کہ اغیار کے ساتھ بھی کیسا شاندار سلوک ہوتا ہے۔

وفدِ ثقیف جب حاضر خدمت ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور کھانے، پینے کا انتظام بھی فرمایا۔ (أبو داود: کتاب الخراج والأمارۃ والفیئ/باب ماجاء فی خبر الطائف/رقم الحدیث: ۳۰۲۶)

تیسری خوبی

دین اسلام کی تیسری بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے حقوق پر بڑا زور دیا ہے۔ اس کا اندازہ اس حدیث سے لگائیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کیا کہ کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ مفلس کسے کہتے ہیں؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمارے یہاں مفلس اسے کہتے ہیں جس کے پاس درہم و دینار اور ضروری سامان زندگی نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن روزہ، نماز اور زکوۃ کے ساتھ اس حال میں آئے گا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پہ تہمت باندھی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، اور کسی کو مارا ہوگا، پھر اسے سب کے سامنے بٹھایا جائے گا اور بدلے میں اس کی نیکیاں مظلوموں کو دے دی جائیں گی، پھر اگر اس کے ظلموں کا بدلہ پورا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کے گناہ لے کر اس پر رکھ دیے جائیں گے اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (ترمذی: أبواب صفة القيامة/باب ماجاء في شأن الحساب والقصاص/رقم الحديث: ۲۴۱۸)

شریعت اسلامیہ نے والدین پر اولاد کے، اولاد پر والدین کے، شوہر پر بیوی کے، بیوی پر شوہر کے، پڑوسیوں کے، جانوروں کے، مزدوروں کے حتی کہ سڑک اور راستے پر چلنے کے حقوق کو بھی بڑی تفصیل سے بیان فرما کر اس کی ادائیگی پر زور دیا ہے۔

چوتھی خوبی

دین اسلام کی چوتھی بڑی خوبی یہ کہ امن اور سلامتی کی تعلیم دیتا ہے۔ ویسے بھی اسلام

کے معنیٰ سلامتی کے آتے ہیں۔ فتح مکہ کے موقعہ پر اللہ کے رسول نے ایک ہی لمحہ میں تمام دشمنوں کو معافی کا اعلان سنا دیا۔ حالانکہ یہ وہ دشمن تھے جنھوں نے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، آپ کی پشت مبارک پر نجاست سے بھری ہوئی اوجھ رکھی تھی، آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا تھا مگر آپ جب بیت اللہ شریف سے باہر تشریف لائیں اور پورا حرم کھچا کچھ بھرا ہوا ہے اور لوگ انتظار میں ہیں کہ دربار رسالت سے کیا فیصلہ صادر ہوتا ہے؟ مگر آپ نے یہی فرمایا کہ میں وہی کہوں گا جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

لا تثريب عليكم اليوم اذهبوا أنتم الطلقاء

آج تم پر کوئی پکڑ دھکڑ نہیں جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو۔

بلکہ فتح مکہ کے لیے جاتے وقت جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو دیکھ کر آواز دی تھی:

اليوم يوم الملحمة

کہ آج گوشت کاٹنے کا دن ہے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں:

اليوم يوم المرحمة

کہ آج تو رحم کرنے کا دن ہے۔ پھر آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے جھنڈا لے لیا تھا۔ (بخاری: کتاب المغازی/باب أین رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح/رقم الحدیث: ۴۲۸۰)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے مقام حیرہ میں ایک عیسائی کو قتل کر دیا تھا، تو آپ نے قصاص میں اس کو بھی قتل کروا دیا۔ (المصنف لإبن أبی شیبۃ/رقم

الحدیث: ۳۸۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام پورے عالم کو امن اور سلامتی کا پیغام دیتا ہے چاہے اس کو بدنام کیا جائے کہ یہ دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے۔

پانچویں خوبی

دین اسلام کی پانچویں بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے اخوت اور بھائی چارگی پر بڑا زور دیا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مؤمن بندہ ایک آدمی کی طرح ہے کہ اگر اس کا سر دکھتا ہے تو سارے جسم کے اعضا بخار اور نیند نہ آنے میں اس کے شریک ہوتے ہیں۔ (مسلم: کتاب البر والصلة والآداب/باب تراحم المؤمنين و تعاطفہم و تعاضدھم/رقم الحدیث: ۲۵۸۶)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس زمانے میں مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی تو وہاں پہونچنے کے بعد آپ نے ایک بڑا کام یہی کیا کہ مہاجرین اور انصار میں رشتۂ اخوت قائم کیا، پھر ایسا رشتہ قائم ہوا کہ جس کی نظیر نہ پہلے تھی اور نہ بعد میں مل سکے گی۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۱/ ۴۱۹)

اسی طرح مدینہ منورہ کے جو انصار ہیں وہ دو بھائی کی اولاد ہیں، اوس اور خزرج۔ ان دونوں قبائل میں بڑی عداوت رہتی تھی اور لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا تھا۔ ایک سو بیس سال تک ان کے درمیان لڑائی جاری رہی یہاں تک کہ باپ مرتے ہوئے بیٹے کو وصیت کرتا کہ دیکھ! میری فلاں خاندان کے ساتھ لڑائی، ہے تو اس کو برابر نبھانا۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قبائل کی نااتفاقیوں کو محبت میں بدل دیا۔ یہ ہے اسلام کا درس اخوت۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۱/ ۳۱۹)

چھٹی خوبی

دین اسلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے اخلاق پر بڑا زور دیا ہے۔ خود حضور اقدس ﷺ اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

بعثت لأتمم حسن الأخلاق

کہ مجھے حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔ (الموطا لإمام مالک: کتاب الجامع/ باب ماجاء فی حسن الخلق/ رقم الحدیث: ۱۷۳۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور اقدس ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ تو جواب دیا:

کان خلقه القرآن

کہ حضور اقدس ﷺ کے اخلاق تو قرآن کریم تھے، یعنی قرآن کریم میں جن بلند و بالا اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے وہ سارے اخلاق حضور اقدس ﷺ میں بدرجہ اُتم موجود تھے۔ (مسند أحمد/ مسند الصدیقة عائشة بنت الصدیق رضی الله عنهما/ رقم الحدیث: ۲۴۶۰۱)

ساتویں خوبی

دین اسلام کی ساتویں بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے خواتین کو جو عزت دی ہے وہ دنیا کے کسی مذہب نے نہیں دی چاہے دنیا کی اور قومیں کتنا ہی شور مچائیں اور نعرے لگائیں کہ ہم نے عورتوں کو عزت دی ہیں۔ ان کے دعوے ہی برائے نام اور سراسر جھوٹے اور غلط ہیں۔ حضور اقدس سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے پورا عرب معاشرہ خباثت میں مبتلا تھا اور

جو برائیاں ان میں عام تھیں، اُن میں ایک برائی لڑکیوں کو زندہ در گور کرنا بھی تھا۔ پیدا ہوتے ہی اس کو زیر زمین کیا کرتے تھے اس کی آواز سننا بھی گوارا نہ کرتے۔ کئی لڑکیاں اسی طرح زیر زمین کردی گئیں۔ لڑکیوں کے وجود کو عیب سمجھا جاتا تھا۔ شوہر کے انتقال پر بیوی کو اپنے شوہر کے ترکے میں سے کیا ملتا، بلکہ وہ خود بیچاری میراث کا مال بن کر تقسیم ہوجایا کرتی تھی۔ ایک ایک عورت کئی کئی مردوں کی ماتحتی میں غلاموں اور باندیوں سے بدتر زندگی گذارتی تھی۔ غرض خواتین کی عزت اور ان کے حقوق کو ہر طرح سے پامال کیا جارہا تھا۔

مگر جب اسلام آیا تو خواتین کو عزت دلانے والی اور ان کے حقوق پر آواز اٹھانے والی سب سے پہلی شخصیت بلا شک وشبہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات بابرکت تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ تم میں سب سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ اور میں تم میں اپنی خواتین کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنے والا ہوں۔ (ترمذی: أبواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم / باب فی فضل أزواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم / رقم الحدیث: ۳۸۹۵)

آٹھویں خوبی

دین اسلام کی آٹھویں خوبی یہ ہے کہ اس نے علم کی اہمیت کو بڑے اہتمام سے بیان کیا ہے۔ اس کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوتی ہے اس کا پہلا لفظ ہے اقرأ۔ نیز حدیث شریف میں علم کی اہمیت کو تو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ مثلاً علم طلب کرنے والے کے لیے فرشتے بخشش کی دعائیں کرتے ہیں یہاں تک کہ مچھلیاں پانی میں دعائیں کرتی ہیں۔ (أبوداود: أول کتاب العلم / باب فی فضل العلم / رقم الحدیث:

۱۳۶۴)

نویں خوبی

طہارت کا درس مذہب اسلام کی نویں بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے طہارت اور صفائی پر بڑا زور دیا ہے۔ حدیث شریف میں تو طہارت کو نصف الایمان قرار دیا گیا ہے۔ (مسلم: کتاب الطھارۃ/باب فضل الوضوء/رقم الحدیث: ۲۲۳)

اسلام نے بغل کے بال صاف کرنے کی، زیر ناف بال صاف کرنے کی، مسواک وضو غسل وغیرہ کے احکام بڑی تفصیل کے ساتھ بتلائے ہیں۔ یہ چیزیں اسلام کے علاوہ اور کسی مذہب نے نہیں سیکھائی۔ یہاں تک کہ اسلام نے تو اپنے آنگن کو بھی صاف ستھرا رکھنے کی تعلیم دی ہے۔ (ترمذی: أبواب الاستیذان والأدب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب ماجاء فی النظافۃ/رقم الحدیث: ۲۷۹۹)

دسویں خوبی

دین اسلام کی دسویں بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے پاکیزہ معاشرے کا درس پوری دنیا کو سکھایا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے سارا عرب مختلف برائیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ زنا، شراب، چوری، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، جھوٹ، غیبت، تکبر، فضول خرچی وغیرہ ساری برائیاں عام تھیں۔ اسلام ہی نے ان تمام باتوں سے روک کر صاف ستھرے معاشرے کی تعلیم دی۔

جب مسلمانوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی اور وہاں اچھا مقام ملا تو مشرکین مکہ سے برداشت نہیں ہوا۔ انھوں نے اپنے دو قاصدوں کو حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ شاہِ حبشہ

نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا، تو اس کے سامنے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے تقریر دل پذیر فرمائی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے بادشاہ! ہم سب نادان اور جاہل تھے، بتوں کو پوجتے تھے اور مردار کھاتے تھے، قسم قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے، رشتے داروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے۔ پھر اللہ نے ہم پر کرم فرمایا کہ ہم ہی میں سے ایک شخص کو نبی اور رسول بنا کر مبعوث فرمایا جنھوں نے ہمیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی، سچائی اور امانت کی تعلیم دی، رشتے دار اور پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی، بے حیائی سے روکا یتیم کا مال کھانے سے روکا، کسی پر تہمت لگانے سے روکا، نماز روزہ اور زکوٰۃ کی تعلیم دی، سو ہم نے ان کی اتباع کی اور ہم ان پر ایمان لے آئے۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۱/ ۲۴۴)

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر دل پذیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے کیسا شاندار اور پاکیزہ معاشرہ دیا ہے۔

گیارھویں خوبی

دین اسلام کی گیارھویں خوبی یہ ہے کہ وہ قدم قدم پر ٹھیک رہبری کرنے والا دین ہے۔ ہماری زندگی کا کوئی گوشہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے تشنہ اور خالی نہیں ہے۔ گویا دین اسلام ایک مکمل نظام حیات کا نام ہے۔ شریعت اسلامیہ نے ہر چیز کے آداب سکھائے ہیں، کھانے، پینے، استنجا وغیرہ سب کے آداب ہم کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھائے ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان سے (بطور استہزا) یہ کہا گیا کہ تمھارے نبی نے تو تمھیں سب چیزیں سکھا دی ہیں حتیٰ کہ پاخانہ کرنا بھی، تو انھوں نے (فخریہ انداز میں) کہا کہ ہاں، بیشک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو پاخانہ اور پیشاب کے وقت قبلہ رخ

ہونے، داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے، استنجا میں تین سے کم پتھر استعمال کرنے اور گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔(أبو داود: کتاب الطھارۃ/باب کراھیۃ إستقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ/رقم الحدیث: ۷)

بارھویں خوبی

دین اسلام کی بارھویں خوبی یہ ہے کہ یہ دین دائمی ہے یعنی ہمیشہ رہنے والا ہے۔ قیامت قائم نہیں ہوسکتی جب تک کہ روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہو۔(مسلم: کتاب الإیمان/باب ذھاب الإیمان آخر الزمان/رقم الحدیث: ۱۴۸)

پچھلے جو بھی مذہب آئے وہ دائمی نہیں تھے۔ نئی شریعت کی وجہ سے سابقہ شریعت منسوخ ہوجایا کرتی تھی، مگر حق تعالیٰ شانہ نے اپنے محبوب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی بنایا ہے، آپ کی شریعت آخری شریعت ہے، اب کوئی نئی شریعت آنے والی نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مذہب دائمی مذہب ہے۔

تیرھویں خوبی

دین اسلام کی تیرھویں خوبی یہ ہے کہ یہ دین عالمی ہے۔ پچھلے انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت ایک مخصوص علاقہ کے لیے ہوا کرتی تھی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سارے عالموں کے لیے ہوئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ کا لایا ہوا دین عالمی ہے۔

چودھویں خوبی

مذہب اسلام کی چودھویں خوبی یہ ہے کہ یہ دین ناقابل تبدیل ہے۔ حجۃ الوداع میں میدان عرفات میں دس ذی الحجہ کو جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد جبل رحمت کے قریب حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی:

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ [المائدہ:۳]

کہ آج ہم نے تم پر تمھارے دین کو مکمل کر دیا۔ معلوم ہوا دین اسلام مکمل ہو چکا ہے اس میں کوئی چھیڑ چھاڑ اور تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ جن چیزوں کو حلال کیا وہ قیامت تک حلال اور جن چیزوں کو حرام کیا وہ قیامت تک حرام رہیں گی۔ اس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

پندرھویں خوبی

دین اسلام کی پندرھویں خوبی یہ ہے کہ اس نے لایعنی سے روکا ہے۔

حضرت امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا حسن انتخاب

محدثین کی جماعت میں حضرت امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست ہے۔ آپ اپنی کتاب ابوداود شریف کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ لاکھ احادیث زبانی یاد کی۔ جن میں سے چار ہزار آٹھ سو احادیث چھانٹ کر کتاب لکھی جو سنن ابی داؤد کے نام سے مشہور ہے اور مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اور ان میں سے چار روایات ایسی ہیں کہ اگر کوئی بندہ ان پر عمل کر لے تو دین اور دنیا دونوں اعتبار سے وہ کامیاب ہو جائے۔

گویا ان چار روایات پر دین اور دنیا کا مدار ہے۔ (مقدمہ ابوداود، ص:۵)

ان چار روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی یہ خوبی ہے کہ وہ بے مقصد باتوں کو چھوڑ دے۔ (ترمذی: أبواب الزهد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/ رقم الحديث:

۲۳۱۷)

اس حدیث سے ایک روشنی یہ بھی ملی کہ لایعنی باتوں اور بے مقصد کاموں میں مشغول ہونے کے بجائے ایک مؤمن کو چاہیے کہ مفید باتوں اور بامقصد ونیک کاموں کا اہتمام کرے، یہی اس کے لیے بہتر اور اس کے اچھے مسلمان ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا کہ یہ اونچا مقام جو آپ کو ملا ہے وہ کیسے حاصل ہوا؟ تو ان کا جواب تھا کہ سچ بولنے سے، امانت کی ادائیگی سے اور لایعنی باتوں سے دور رہنے سے۔(مشکوۃ المصابیح ؍ص:۴۴۵)

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ دین اسلام کے یہ تمام محاسن اور خوبیاں ہیں اور اسی کی وجہ سے حق تعالیٰ نے ہمیں اس کو اپنانے کی اور اس میں مکمل طور پر داخل ہونے کی دعوت دی ہے۔حق سبحانہ وتعالیٰ ہمیں دین اسلام پر ثابت قدمی نصیب فرمائیں اور اسی پر جینا مرنا نصیب فرمائیں۔(آمین)

وصلى الله على النبي الكريم

مضمون:(۵)

دین خیر خواہی کا نام ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ ، قَالَ : بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ (بخاری: کتاب الإیمان/ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ/ رقم الحدیث: ۵۷)

تمہید

یہ ایک مشہور روایت ہے جو بخاری شریف میں کتاب الایمان میں موجود ہے۔ یہ روایت بخاری شریف کے علاوہ حدیث پاک کی دیگر کتابوں میں بھی موجود ہے۔ اِس روایت میں صحابیٔ رسول حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کو نقل کیا گیا ہے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا تعارف

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلۂ انمار سے ہے۔ یہ قبیلہ نجد کے علاقے کا ہے۔ والد کا نام عبد اللہ اور والدہ کا بجیلہ ہے۔ والدہ کی نسبت ہی سے بجلی کہلاتے ہیں۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ۱۰ھ میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے ہیں۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ اگرچہ بہت تاخیر سے اسلام لائے، لیکن ان کا شمار اعیان صحابہ میں ہوتا ہے۔ یہ اپنی قوم کے سردار تھے ان کے مدینہ طیبہ حاضر ہونے سے پہلے ہی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔

ان کے ایمان لانے کے واقعہ سے بھی ان کی عظمت اور جلالت کا پتہ چلتا ہے۔
جس وقت مسجد نبوی میں حاضر ہوئے ہیں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اور مسجد بھری ہوئی تھی، ان کو بیٹھنے کے لیے جگہ نہیں ملی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے اپنی چادر مبارک جس کو آپ زیب تن فرمائے ہوئے تھے بچھا دی اور فرمایا اس پر بیٹھو۔ انھوں نے وہ چادر اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لی اور عرض کیا:

أكرمك الله كما أكرمتني يا رسول الله

اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اللہ آپ کو بھی ایسے ہی اکرام واعزاز سے نوازے جیسے کہ آپ نے مجھے اکرام واعزاز سے نوازا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اس چادر پر بیٹھنے کے لیے اصرار فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا

أشهد أنك لا تبغي علوا في الارض ولا فسادا

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ تم زمین میں برتری کے طالب ہو اور نہ فساد کرنا چاہتے ہو۔ اسی مجلس میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔

اس واقعہ کی بعض روایات میں یہ بھی ذکر ہے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس غیر معمولی اکرام کے متعلق آپ سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی قوم کا سردار اگر تمھارے پاس آئے تو اس کا اکرام کرنا چاہیے۔ بعد میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل ان کے اکرام واعزاز ہی کا رہا ہے۔

خود حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد جب بھی میں حاضر

خدمت ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر حاضر ہونے کی اجازت چاہتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ مجھے اندر آنے کی اجازت دے دیتے اور ہمیشہ مجھے دیکھ کر تبسم فرماتے۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۴۴۵، ۴۴۶)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا

زمانۂ جاہلیت میں اہل یمن نے اپنے یہاں ایک نقلی کعبہ بنالیا تھا۔ جس کا نام ذوالخلصہ تھا اس کو وہ لوگ کعبۂ یمانیہ کہتے تھے۔ اس میں کچھ بت رکھ چھوڑے تھے جن کی پوجا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک میں اس کی طرف سے مسلسل خلش رہتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم اس جھوٹے اور نقلی کعبہ کو منہدم کر دو تو میرے دل کو سکون ہو جائے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں ایک سو پچاس طاقتور شہ سواروں کو لے کر یمن کے سفر کا ارادہ کر لیا، لیکن میرا حال یہ تھا کہ میں گھوڑ سواری سے واقف نہ تھا اور گھوڑے پر سے گر جایا کرتا تھا۔ میں نے اپنا یہ حال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور دعا کی:

اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا

اے اللہ! جریر کو گھوڑے کی کمر پر جما دیجیے اور ان کو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا دیجیے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دعا کی برکت سے میں ایسا شہ سوار ہو گیا کہ پھر کبھی بھی گھوڑے سے نہیں گرا۔ اور پھر میں نے اور میرے ساتھیوں نے جا کر اس ذوالخلصہ

یعنی نقلی کعبہ کو منہدم کر دیا اور اس میں آگ لگا کر اس کو خاک کر دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری کامیابی کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے اور میرے ساتھیوں کے لیے پانچ مرتبہ برکت کی دعا فرمائی۔ (معارف الحدیث: ۸/۴۴۶)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع میں بھی آپ کی ساتھ شریک ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے خطبے کے وقت فرمایا تھا کہ لوگوں کو خاموش کر دو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ان کو عراق کی جنگوں میں شرکت کے لیے بھیج دیا تھا۔ انھوں نے ان جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ فتح قادسیہ میں بھی ان کو بڑا دخل تھا۔ ان جنگوں سے فارغ ہو کر وہ کوفہ میں ہی قیام پذیر ہو گئے تھے اور وہیں ان کی وفات ہوئی ہے۔ (معارف الحدیث: ۸/۴۴۶)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا ظاہری حسن

باطنی کمالات کے ساتھ اللہ نے حسن ظاہری سے بھی بہت نوازا تھا۔ وہ انتہائی حسین وجمیل تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اُن کو یوسف ھذہ الأمــۃ کہتے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ وہ اس امت میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح حسین وجمیل ہیں۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۴۴۷)

مذکورہ روایت کا مطلب

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف جاننے کے بعد اب ہم مذکورہ روایت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

مذکورہ مضمون کی حدیث

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت اور بیعت کے ہم معنیٰ اور بھی روایات کتب احادیث میں ملتی ہیں۔ہم دو روایتیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دین خیر خواہی کا نام ہے،ہم نے عرض کیا کس چیز کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی،اس کی کتاب کی،اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ،مسلمانوں کے ائمہ کی اور تمام مسلمانوں کی۔(مسلم : كتاب الإيمان / باب بيان أن الدين النصيحة / رقم الحديث : ۵۵)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ دین نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے، بلا شبہ دین خلوص اور خیر خواہی ہے، بلا شبہ دین خلوص اور خیر خواہی ہے،لوگوں نے عرض کیا کہ کس کے لیے اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے لیے،اس کی کتاب یعنی قرآن کریم کے لیے،اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے،مسلمانوں کے حکمرانوں اور عوام کے لیے۔(نسائی : كتاب البيعة / النصيحة للإمام / رقم الحديث : ۴۱۹۹)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی روایت میں کل تین چیزوں پر بیعت لی گئی ہے۔

پہلی چیز

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر جن تین چیزوں پر بیعت کی، اُن میں پہلی چیز ہے نماز قائم کرنا۔نماز کی بڑی اہمیت وفضیلت ہے۔

(۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے۔(نسائی : کتاب عشرۃ

النساء / باب حب النساء / رقم الحدیث: ۳۹۳۹)

(۲) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے۔فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو ترک کیا پس اس نے پورے دین کو منہدم کیا۔(المقاصد الحسنۃ للسخاوی / ص: ۳۱٦)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے۔اول گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔(بخاری: کتاب الإیمان / باب دعاؤکم إیمانکم / رقم الحدیث: ۸)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے اس کی نماز کا محاسبہ ہوگا، اگر وہ ٹھیک رہی تو کامیاب ہوگیا، اور اگر وہ خراب نکلی تو وہ ناکام اور نامراد رہا۔اور اگر اس کی فرض نمازوں میں کوئی کمی ہوگی تو رب تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ دیکھو، میرے اس بندے کے پاس کوئی نفل نماز ہے؟ چناں چہ فرض نماز کی کمی کی تلافی اس نفل سے کردی جائے گی، پھر اسی انداز سے سارے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔(أبو داود: کتاب الصلاۃ / أبواب تفریع استفتاح الصلاۃ / باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل صلاۃ لا یتمہا صاحبہا تتم من تطوعہ / رقم الحدیث: ۸٦۴)

(۵) صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نماز کا چھوڑنا بندۂ مؤمن اور کفر کے درمیان کی دیوار کو گرادیتا ہے۔(مسلم: کتاب الایمان / باب کفر من ترک الصلاۃ / رقم الحدیث: ۸۲)

(۶) الترغب والترہیب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑا پس وہ کافر ہو گیا۔(الترغیب والترھیب: ۱/۲۶۱)

اگر چہ ایسا بندہ کافر نہیں ہوتا جیسا کہ اوپر تفصیل بتلائی، مگر محدثین عظام نے اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا کہ اس نے کافروں جیسا عمل کیا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ کفر کے قریب ہو گیا۔

(۷) نسائی شریف میں حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کی ایک نماز بھی فوت ہوئی گویا اس کا گھر بار لوٹ لیا گیا ہو۔(نسائی: کتاب الصلاۃ/باب صلوۃ العصر فی السفر/رقم الحدیث: ۴۸۰)

دوسری چیز

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر جن تین چیزوں پر بیعت کی، اُن میں دوسری چیز ہے زکوۃ ادا کرنا۔ متعدد روایات میں زکوۃ ادا کرنے کی اہمیت وارد ہوئی ہے اور ادا نہ کرنے پر وعیدیں بھی سنائی گئی ہے۔

(۱) ابھی روایت گزری جس میں اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں کو قرار دیا گیا، اُن میں سے ایک زکوۃ بھی ہے۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعے محفوظ بناؤ، اور اپنے بیماروں کا صدقے سے علاج کرو، اور بلا اور مصیبت کی موجوں کا دعا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے استقبال کرو۔(شعب الإیمان للبیھقی: ۳/۲۸۲)

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زکوٰۃ اسلام کا (بہت بڑا مضبوط) پُل ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۷/ رقم الحدیث: ۱۷۹۵)

(۴) ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمھارے اسلام کی تکمیل زکوۃ کی ادائیگی میں ہے۔ (ابن القانع فی معجم الصحابۃ: ۲/ ۲۸۵)

(۵) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے اموال کی زکوۃ ادا کی تو مال کا شر اس سے جاتا رہا۔ (مجمع الزوائد: رقم الحدیث: ۴۳۳۴)

(٦) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا، اور جو شخص زکوۃ ادا نہ کرے اس کی نماز قبول نہیں۔ (مجمع الزوائد: رقم الحدیث: ۴۳۲۹)

تیسری چیز

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر جن تین چیزوں پر بیعت کی، اُن میں تیسری چیز ہے ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنا۔

خیر خواہی کا مطلب ہوتا ہے یعنی متعلقہ شخص کی بھلائی اور بہتری کا مکمل طور سے خیال رکھنا اور اس میں کسی بھی طرح کی کمی یا خرابی نہ آنے دینا، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا کلی طور پر خیر خواہ بنا رہے، اس کے ساتھ جو بھی معاملہ یا سلوک کرے وہ خیر اور بھلائی پر مبنی ہو، یہ دین کے بنیادی تقاضوں میں سے ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر ہی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرام سے ایمان وتوحید اور صوم وصلاۃ کی بیعت اور معاہدے کے ساتھ ساتھ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کی بھی بیعت لیتے تھے۔

خیرخواہی کیوں ضروری؟

اس دنیا میں زندگی گذارنے والا کوئی بھی انسان دوسرے انسانوں سے الگ تھلگ رہ کر زندگی نہیں گزارسکتا، بلکہ ہر فرد کو قدم قدم پر دوسرے کی مدد، دوسرے سے لین دین اور دوسرے سے معاملے کی ضرورت پڑتی ہے، یہ ایک انسانی اور سماجی ضرورت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اس لیے ہر سلیم الطبع انسان اپنے جیسے دوسرے انسانوں کو قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان کے ساتھ ایمانداری اور سچائی و وفاداری کا معاملہ کرتا ہے اور خیرخواہی سے پیش آتا ہے۔

خیرخواہی کے متعلق احادیث

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (بخاری: كتاب الإيمان / باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه / رقم الحديث: ۱۳)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اسے جہنم سے نجات حاصل ہوجائے اور جنت میں داخلہ مل جائے اور اُس کی موت ایسی حالت میں آنی چاہیے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، تو اُسے چاہیے کہ لوگوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرے جیسا معاملہ اپنے ساتھ کیا جانا پسند کرے۔ (مسلم: كتاب الإمارة / باب وجوب الوفاء ببيعة الخلفاء / رقم الحديث: ۱۸۴۴)

گویا ایک دوسرے کی خیرخواہی اور بہتری کے لیے شریعت نے ایک پیمانہ اور معیار

بنا دیا کہ آدمی یہ دیکھے کہ ایک دوسرے کے ساتھ کیے جانے والے معاملے جو معاشرے میں رائج ہیں انھیں اپنے ساتھ کیا جانا وہ پسند کرتا ہے یا نہیں، اور اس تذبذب کو دور کرنے کی شکل یہ ہے کہ وہ اس بات پر غور کرے کہ اگر یہی معاملہ اس کے ساتھ کیا جائے گا تو وہ اس کو پسند کرے گا یا ناپسند؟ جو بھی فیصلہ کرے اس کو دوسروں کے تعلق سے بھی برتنے کی کوشش کرے۔ اگر مسلمان صحیح معنوں میں اس ہدایت پر غور کریں اور دوسروں کے ساتھ کیے جانے والے ہر سلوک اور ہر معاملہ پر اس کو یاد رکھیں اور اس پر عمل کریں تو فتنہ وفساد، لڑائی، جھگڑا، لوٹ کھسوٹ، رشوت، دغابازی، دھوکہ دھڑی اور بہت ساری سماجی برائیوں کا خاتمہ یقینی ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا عمل

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے اس نصیحت کو پلّے باندھ لیا تھا اور مکمل عمل کر کے دکھایا۔ ان کی خیر خواہی کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

ایک مرتبہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے ایک گھوڑا تین سو درہم کے عوض خرید کیا، انھوں نے بیچنے والے سے کہا کہ تمھارا یہ گھوڑا تو تین سو درہم سے زیادہ قیمت کا ہے، تم اس کی قیمت چار سو درہم لو گے؟ اس نے کہا کہ اے ابن عبداللہ! تمھاری مرضی پر موقوف ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ گھوڑا تو چار سو درہم سے بھی زیادہ کا معلوم ہوتا ہے، تم کیا اس کی قیمت پانچ سو درہم لینا پسند کرو گے؟ وہ اسی طرح اس کی قیمت سو سو درہم بڑھاتے گئے اور آخر کار انھوں نے اس گھوڑے کی قیمت میں آٹھ سو درہم ادا کیے۔ جب لوگوں نے ان سے گھوڑے کی قیمت بڑھانے کا سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بیعت کی تھی کہ ہر مسلمان سے خیر خواہی کروں گا (چناں چہ جب میں نے دیکھا کہ اس

گھوڑے کا مالک وہ قیمت طلب نہیں کر رہا جو حقیقت میں ہونی چاہیے تو میں نے اس کی خیر خواہی کے پیش نظر اس کو زیادہ سے زیادہ قیمت ادا کی۔ (مظاہر حق: ۴/ ۵۰۰)

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خیر خواہی

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ سامان اپنے شریک تجارت حفص بن عبد الرحمٰن کے پاس بھیجا اور ان کو مطلع کر دیا کہ اس میں ایک کپڑا عیب دار ہے، اس کا عیب لوگوں کو بتادیں۔ حفص بن عبدالرحمن نے یہ مال فروخت کر دیا، مگر عیب بتانا بھول گئے، ناقص کپڑے کے عوض پورا دام وصول کیا۔ روایت ہے کہ اس کا دام تیس یا پینتیس ہزار (درہم) تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شریک تجارت سے نہ صرف علیحدگی اختیار کر لی، بلکہ اس قیمت کو اپنے پاکیزہ مال میں ملانا بھی گوارا نہ کیا اور اسے کل کا کل خیرات کر دیا۔ (تاریخ بغداد للخطیب البغدادی: ۱۳/ ۳۵۶)

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ کی خیر خواہی

یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ بھی کپڑوں کے ایک تاجر تھے، ان کی دکان میں مختلف داموں کے کپڑے تھے، ایک قسم تھی جس کے ہر جوڑے کا دام چار سو تھا، اور دوسری قسم کا دام دو سو فی جوڑا تھا، یہ نماز کے لیے گئے اور اپنے بھتیجے کو دوکان پر چھوڑ گئے۔ اسی اثنا میں ایک دیہاتی شخص آیا اور اس نے چار سو کی قیمت کا ایک جوڑا مانگا، لڑکے نے اسے دو سو والے جوڑے دکھائے، وہ اسے پسند آ گئے اور راضی خوشی ان کو (چار سو میں) خرید کر لے گیا۔ وہ کپڑا ہاتھ میں لیے جا رہا تھا کہ راستے میں یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ کا سامنا ہو گیا اور وہ اپنا کپڑا پہچان گئے، اور انھوں نے دیہاتی سے دریافت کیا کہ اسے کتنے میں خریدا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ چار سو

میں۔ آپ نے کہا یہ تو دوسو سے زیادہ کا نہیں، لوٹ جاؤ اور اسے واپس کردو۔ اس نے جواب دیا کہ یہ جوڑا ہمارے یہاں پانچ سو کا ملتا ہے اور میں نے اسے راضی خوشی خریدا ہے۔ یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ واپس چلو، کیوں کہ دین کی راہ میں خیر خواہی دنیا جہان کی دولت سے بہتر ہے۔ یہ اسے اپنی دوکان پر لے گئے اور دوسو درہم واپس کردیا، پھر انھوں نے اپنے بھتیجے کو ڈانٹ سنائی اور کہا کہ تجھے شرم نہ آئی، تجھے خدا کا خوف لاحق نہ ہوا، صد فی صد نفع لیتا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی نہیں برتتا! لڑکا قسم کھانے لگا کہ خریدار نے راضی خوشی مال خریدا تھا، اس پر انھوں نے کہا کہ تو خود اپنے لیے جو پسند کرتا ہے وہی تو نے اس کے لیے کیوں نہ پسند کیا۔ (اسلام میں عدل اجتماعی ص:۳۹۷)

محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کی خیر خواہی

محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں ان کے ملازم نے ایک دیہاتی کے ہاتھوں پانچ پانچ درہم والے ٹکڑے دس درہم میں فروخت کردیے، محمد بن منکدر کو معلوم ہوا تو وہ پورے دن اس اعرابی کی تلاش میں سرگرداں رہے یہاں تک کہ اسے ڈھونڈ نکالا اور اس سے کہا کہ ملازم نے غلطی کی اور پانچ کا مال تجھے دس میں دیا۔ وہ تعجب کے ساتھ بولا ہم نے تو یہ دام اپنی خوشی سے دیا تھا۔ انھوں نے کہا تم راضی ہو تو بھی ہم تمھارے لیے وہی پسند کریں گے جو خود اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے اسے پانچ درہم واپس کر دیا۔ (اسلام میں عدل اجتماعی ص:۳۹۸)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تشریح

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روایت ماقبل میں گزری کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے عرض کیا کس چیز کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی، مسلمانوں کے ائمہ کی اور تمام مسلمانوں کی۔

اللہ کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب

اللہ تعالیٰ کے حق میں خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان لائے، اللہ کی وحدانیت وحاکمیت کا اعتقاد رکھے، اس کی ذات وصفات میں کسی غیر کو شریک نہ کرے، اس کی عبادت اخلاصِ نیت کے ساتھ کرے، اور اس کے اوامر ونواہی کی اطاعت وفرمانبرداری کرے، اس کی نعمتوں کا اقرار واعتراف کرے اور اس کا شکر ادا کرے اور اس کے نیک بندوں سے محبت کرے اور بدکار سرکش بندوں سے نفرت کرے۔ (مظاہر حق: ۴/ ۴۹۹)

کتاب اللہ کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب

اللہ کی کتاب کے حق میں خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا عقیدہ رکھے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے، اس میں جو کچھ لکھا ہے اُسے سمجھے اور اس پر ہر حالت میں عمل کرے، تجوید وترتیل اور غور وفکر کے ساتھ اس کی تلاوت کرے اور اس کی تعظیم واحترام میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ (مظاہر حق: ۴/ ۴۹۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ سچے دل سے یہ گواہی دے کہ وہ اللہ کے سچے رسول اور اس کے سچے پیغمبر ہیں، ان کی نبوت پر ایمان لائے اور انھیں خاتم الانبیا مانے، وہ اللہ کی طرف سے جو پیغام پہنچائیں اور جو احکامات دیں ان کو قبول کرے

اوران کی اطاعت وفرمانبرداری کرے،ان کو اپنی جان،اپنی اولاد،اپنے ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز رکھے،ان کے اہل بیت اوران کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھے اور ان کی سنت پر عمل کرے۔(مظاہرحق:۴/۴۹۹)

مسلمانوں کے ائمہ کے ساتھ خیرخواہی کا مطلب

مسلمانوں کے اماموں کے حق میں خیرخواہی کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسلامی حکومت کی سربراہی کر رہا ہو،اس کے ساتھ وفاداری کو قائم رکھے،احکام وقوانین کی بے جا طور پر خلاف ورزی کر کے ان کے نظم حکومت میں خلل وابتری پیدا نہ کرے،اچھی باتوں میں ان کی پیروی کرے اور بری باتوں میں ان کی اطاعت سے اجتناب کرے،اگر وہ اسلام اور اپنی عوام کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت وکوتاہی کا شکار ہوں تو ان کو مناسب اور جائز طریقوں سے متنبہ کرے اوران کے خلاف بغاوت کا علم بلند نہ کرے،اگرچہ وہ کوئی ظلم ہی کیوں نہ کریں،نیز علما کی،جو مسلمانوں کے علمی ودینی رہنما ہوتے ہیں،عزت واحترام کرے،شرعی احکام اور دینی مسائل میں وہ قرآن وسنت کے مطابق جو کچھ کہیں اس کو قبول کرے اوراس پر عمل کرے،ان کی اچھی باتوں اوران کے نیک اعمال کی پیروی کرے۔(مظاہرحق:۴/۴۹۹)

عام مسلمانوں کے ساتھ خیرخواہی کا مطلب

تمام مسلمانوں کے حق میں خیرخواہی کا مطلب یہ ہے کہ ان کی دینی،دنیاوی خیر و بھلائی کا طالب رہے،ان کو دین کی تبلیغ کرے،ان کو دنیا کے اس راستے پر چلانے کی کوشش کرے جس میں ان کی بھلائی ہو اور اُن کو کسی بھی طرح نقصان پہنچانے کی بجائے نفع پہنچانے کی سعی کرے۔(مظاہرحق:۴/۴۹۹)

خیرخواہی کی آسان شکل

خیرخواہی کی آسان شکل یہ ہے کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے حقوق کو ادا کرتا رہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر مسلمان کے چھ حقوق ہیں جو حسن سلوک سے متعلق ہیں۔ (۱) جب کوئی مسلمان ملے تو اس کو سلام کرنا۔ (۲) جب کوئی مسلمان کھانے کے لیے یا کسی اور غرض سے بلائے تو اس کو قبول کرنا۔ (۳) جب کوئی مسلمان چھینکے تو اس پر یرحمک اللہ کہنا۔ (۴) جب کوئی مسلمان بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا۔ (۵) جب کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جانا۔ (۶) مسلمان کے لیے اس چیز کو پسند کرنا جس کو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (مسلم: کتاب السلام/باب من حق المسلم للمسلم رد السلام/رقم الحدیث: ۲۱۶۲)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور جذبۂ خیرخواہی سے مالا مال فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون: (٦)

غلو فی الدین کی قباحت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ۝﴾ [مائدہ:۷۷]

تمہید

یہ سورۂ مائدہ کی ۷۷ نمبر کی آیت ہے۔اس آیت کریمہ میں حق تعالیٰ شانہ نے اہل کتاب کو دین میں غلو کرنے سے روکا ہے۔

غلو کے معنیٰ

غلو کے لغوی معنیٰ حد اعتدال سے تجاوز، افراط وتفریط اور کسی کے مقام ومرتبہ میں کمی و بیشی کرنے کے ہیں۔

اس کے اصطلاحی معنیٰ بقول علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ دین میں تصلب، تشدد اور حد اعتدال سے تجاوز کے ہیں۔(التوقیف / ص:۲۵۳)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دین میں غلو کے معنیٰ افراط وتفریط کے ہیں، جیسا کہ یہودیوں نے اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں افراط وتفریط سے کام لیا۔یہودیوں نے اُن کی شان اس قدر گھٹادی کہ وہ انھیں ایک شریف انسان بھی نہیں سمجھتے تھے اور عیسائیوں نے ان کی شان اس قدر بڑھادی کہ انھیں انسان کے بجائے اللہ سمجھنا شروع کر دیا۔(تفسیر قرطبی مترجم:۳/ ۴۴۰)

خلاصہ یہ ہے کہ حد سے زیادتی اور تشدد کو غلو کہا جاتا ہے یعنی جو امور کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت نہیں، ان میں سلف صالحین اور علمائے حق کے فہم کو چھوڑتے ہوئے ایسا راستہ اختیار کرنا جو سراسر شریعت کے خلاف ہو۔

غلو کے متعلق آیات قرآنی

قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں غلو کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

(۱) سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ ﴾

[النساء: ۱۷۱]

اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ تعالیٰ پر حق بات کے سوا مت کہو۔

(۲) سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ غَيۡرَ الۡحَـقِّ وَلَا تَتَّبِعُوۡۤا اَهۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَاَضَلُّوۡا كَثِيۡرًا وَّضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِيۡلِ ۝ ﴾

[مائدہ: ۷۷]

اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ اُن لوگوں کی پیروی کرو، جو اس سے پہلے گمراہ ہو چکے اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر چکے اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

(۳) سورۂ ہود میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَاسۡتَقِمۡ كَمَاۤ اُمِرۡتَ وَمَنۡ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطۡغَوۡا ﴾ [ہود: ۱۱۲]

آپ استقامت اختیار کیجیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا، اور وہ لوگ بھی استقامت کے

ساتھ رہیں جو توبہ کر کے آپ کے ساتھ ہیں اور دین کے دائرے سے ذرا بھی نہ نکلو۔

سب سے زیادہ شاق آیت

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پورے قرآن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس آیت سے زیادہ سخت اور شاق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، اور فرمایا کہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لحیہ مبارک میں کچھ سفید بال دیکھ کر بطور حسرت وافسوس کے عرض کیا کہ اب تیزی سے بڑھاپا آپ کی طرف آرہا ہے تو فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا، سورۂ ہود میں جو پچھلی قوموں پر سخت وشدید عذاب کے واقعات مذکور ہیں وہ بھی اس کا سبب ہو سکتے ہیں مگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ہی اس کا سبب ہے۔ (معارف القرآن: ۴/ ۶۷۱)

اس آیت کریمہ میں ایک لفظ آیا ہے وَلَا تَطْغَوْا کہ تم دین کے دائرے سے نہ نکلو، دین کے دائرے سے نکلنے کا نام ہی تو غلو ہے۔

دین کا خلاصہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پورے دین کو دو حرف لَا کے اندر جمع کر دیا ہے، ایک پہلی آیت میں لَا تَطْغَوْا اور دوسرا لفظ دوسری آیت میں لَا تَرْكَنُوْٓا ہے۔ پہلے لفظ میں حدود شرعیہ سے نکلنے کی اور دوسرے لفظ میں برے لوگوں کی صحبت کی ممانعت ہے اور یہی سارے دین کا خلاصہ ہے۔ (معارف القرآن: ۴/ ۶۷۳)

غلو کے متعلق احادیث

جس طرح قرآن کریم کی آیات میں غلو کی ممانعت وارد ہوئی ہے، اسی طرح سرور عالم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے ارشادات کی روشنی میں غلو کی مذمت اور برائی بیان فرمائی ہیں، جن میں سے چند احادیث نمونے کے طور پر نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) ابن ماجہ شریف کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! بچو تم دین میں غلو کرنے سے کیونکہ تم سے پہلے لوگ (قومیں) دین میں اسی غلو کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے۔ (ابن ماجه: كتاب المناسك/باب قدر حصى الرمى/رقم الحديث: ۳۰۲۹)

حدیث مذکور کا شان ورود

یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص موقع پر ارشاد فرمائی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمرۂ عقبہ کی صبح کو فرمایا، اس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے کہ میرے لیے کنکریاں چن کر لاؤ، چناں چہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سات کنکریاں چنی، وہ کنکریاں ایسی تھیں جو دونوں انگلیوں کے بیچ آ جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں ہتھیلی میں ہلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان ہی جیسی کنکریاں مارو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! دین میں غلو سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں اسی غلو نے ہلاک کیا۔ (نسائی: كتاب مناسك الحج/التقاط الحصى/رقم الحديث: ۳۰۵۷)

(۲) مسلم شریف میں روایت ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمایا:

هلک المتنطعون

کہ سنو، بہت زیادہ بحث و تکرار کرنے اور جھگڑنے والے ہلاک ہو گئے۔ (مسلم: كتاب العلم/باب هلك المتنطعون/رقم الحديث: ۲۶۷۰)

اس حدیث میں المتنطعون کی تشریح کرتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دینی باتوں اور کاموں میں تعمق اور تشدد کرتے ہیں، غلو کرتے ہیں اور حدود سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ (الدیباج شرح مسلم: ۶/۳۴)

(۳) ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے عجیب انداز میں غلو کی ممانعت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنی جانوں پر سختی نہ کرو کہ تم پر سختی کر دی جائے، کیوں کہ ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اُن پر سختی کر دی۔ (ابو داود: أول كتاب الأدب/باب فی الحسد/رقم الحدیث: ۴۹۰۴)

تشدد یعنی سختی کرنا ہی غلو کی ایک شکل ہے، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

(۴) حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن ان کے پاس آئے، اس وقت ایک عورت میرے پاس بیٹھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا یہ کون ہے؟ حضرت عائشہ نے عرض کیا، فلاں عورت اور اس کی نماز کے اشتیاق اور پابندی کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھہر جاؤ، سن لو کہ تم پر اتنا ہی عمل واجب ہے جتنے عمل کی تمھارے اندر طاقت ہے۔ اللہ کی قسم! ثواب دینے سے اللہ نہیں اکتاتا، مگر تم عمل کرتے کرتے اکتا جاؤ گے، اور اللہ کو دین کا وہی عمل زیادہ پسند ہے جس کی ہمیشہ پابندی کی جا سکے (یعنی انسان بغیر اکتائے اسے انجام دے)۔ (بخاری: باب التہجد باللیل/باب ما یکرہ من التشدید فی العبادۃ/رقم الحدیث: ۱۱۵۱)

تین حضرات کا قصہ

حدیث کی کتابوں میں تین حضرات (حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ) کا قصہ ملتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آپ کی عبادت کے متعلق پوچھنے آئے، جب انھیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل بتایا گیا تو جیسے انھوں نے اسے کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا مقابلہ! آپ کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف کردی گئی ہیں۔ان میں سے ایک نے کہا کہ آج سے میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور کبھی ناغہ نہیں ہونے دوں گا۔تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کرلوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔

پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ان سے پوچھا کیا تم نے ہی یہ باتیں کہی ہیں؟ سن لو! اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ رب العالمین سے میں تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔میں تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں اگر روزے رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں۔نماز پڑھتا ہوں (رات میں) اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔

فمن رغب عن سنتي فليس مني

میرے طریقے سے جس نے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔(بخاری۔کتاب النکاح/باب الترغیب فی النکاح/رقم الحدیث:۵۰۶۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا قصہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے میرا نکاح ایک شریف خاندان کی عورت سے کردیا تھا اور ہمیشہ اس کی خبر گیری

کرتے رہتے تھے اوران سے بار بار شوہر (یعنی میرے) متعلق پوچھتے رہتے تھے۔ میری بیوی کہتی کہ بہت اچھا مرد ہے، البتہ جب سے میں ان کے نکاح میں آئی ہوں انھوں نے اب تک ہمارے بستر پر قدم بھی نہیں رکھا نہ میرے کپڑے میں کبھی ہاتھ ڈالا۔ جب بہت دن اسی طرح ہو گئے تو والد صاحب نے مجبور ہو کر اس کا تذکرہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے اس کی ملاقات کراؤ۔

چناں چہ میں اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ روزہ کس طرح رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ روزانہ پھر دریافت فرمایا قرآن مجید کس طرح ختم کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا ہر رات۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مہینے میں تین دن روزے رکھو اور قرآن ایک مہینے میں ختم کرو۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر بلا روزے کے رہو اور ایک دن روزے سے۔ میں نے عرض کیا مجھے اس سے بھی زیادہ کی طاقت ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ روزہ رکھو جو سب سے افضل ہے، یعنی حضرت داود (علیہ السلام) کا روزہ، ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو اور قرآن مجید سات دن میں ختم کرو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کاش! میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رخصت قبول کر لی ہوتی کیونکہ اب میں بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں۔ کہتے ہیں کہ آپ اپنے گھر کے کسی آدمی کو قرآن مجید کا ساتواں حصہ یعنی ایک منزل دن میں سنا دیتے تھے۔ جتنا قرآن مجید آپ رات کے وقت پڑھتے اسے پہلے دن میں سنا رکھتے تا کہ رات کے وقت آسانی سے پڑھ سکیں اور جب (قوت ختم ہو جاتی اور نڈھال ہو جاتے اور) قوت حاصل کرنا چاہتے تو کئی

کئی دن روزہ نہ رکھتے کیونکہ آپ کو یہ پسند نہیں تھا کہ جس چیز کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے وعدہ کرلیا ہے (ایک دن روزہ رکھنا ایک دن افطار کرنا) اس میں سے کچھ بھی چھوڑیں۔ (بخاری: کتاب فضائل القرآن/باب فی کم یقرأ القرآن/رقم الحدیث: ۵۰۵۲)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ میں ہجرت کے بعد بھائی چارہ کرایا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے گئے۔ تو اُن کی بیوی حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا کو بہت پراگندہ حال میں دیکھا۔ ان سے پوچھا کہ یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟ حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ تمھارے بھائی ابودرداء رضی اللہ عنہ ہیں جن کو دنیا کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے۔ پھر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور ان کے سامنے کھانا حاضر کیا اور کہا کہ کھانا کھاؤ، انھوں نے کہا کہ میں تو روزے سے ہوں، اس پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم خود بھی شریک نہ ہو گے۔

راوی نے بیان کیا کہ پھر وہ کھانے میں شریک ہو گئے (اور روزہ توڑ دیا)۔ رات ہوئی تو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ عبادت کے لیے اٹھے اور اس مرتبہ بھی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابھی سو جاؤ۔ پھر جب رات کا آخری حصہ ہوا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا اب اٹھ جاؤ۔ چنانچہ دونوں نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمھارے رب کا بھی تم پر حق ہے، جان کا بھی تم پر حق ہے اور تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، اس لیے ہر حق والے کے حق کو ادا کرنا چاہیے۔ پھر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان نے سچ کہا۔ (بخاری: کتاب الصوم / باب من أقسم علی أخیه لیفطر فی التطوع / رقم الحدیث: ۱۹۶۸)

امم سابقہ میں غلو

غلو فی الدین کا سلسلہ قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں پانچ ولی اللہ تھے، جو گذشتہ نبیوں اور حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر قائم تھے۔ وہ تمام بزرگان دین، اپنے قبیلے اور اپنے شہر کے نہایت چہیتے اور ہر دل عزیز تھے۔ جب ان بزرگوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا، تو ان کے قبیلے اور شہر کے لوگ نہایت رنج وغم میں مبتلا رہنے لگیں۔ ایک روز جب اہل قبیلہ ان کی یادوں میں مغموم بیٹھے تھے، تو شیطان لعین ایک بزرگ کی شکل اختیار کر کے ان کے پاس آیا، اور کہا کہ تمھارے درد کی دوا میرے پاس موجود ہے۔ ان کے استفسار پر اس نے مشورہ دیا کہ اپنے پانچوں بزرگوں کی تصویریں بنالو، اور ان کو ان کی اجتماع گاہ میں رکھ دو۔ جب تم ان تصاویر کو دیکھو گے، تو تمھارے دل کا درد کم ہوگا۔ چنانچہ اہل قبیلہ ابلیس کے جھانسے میں آ گئے، اور پانچ تصاویر بنالیں، اسکی صبح شام زیارت کرتے، مگر ان کی عبادت نہیں کرتے تھے، اور ان تصاویر کا نام بھی الگ الگ رکھ دیا۔ سور نوح کی آیت ۲۳ میں جن پانچ بتوں کا تذکرہ ہے وہ یہی پانچ بت ہیں، ان کا نام ترتیب وار اس طرح ہے، وَدّ، سُوَاع، یَغُوث، یَعُوق اور نَسر۔

مفسرین کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ پانچوں کن کے نام ہیں؟ بت کے یا بزرگوں کے؟ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ پانچوں بھی حضرت نوح علیہ السلام

کے زمانے ہی کے پانچ بزرگوں کے نام تھے۔

بہر حال! ان پانچ تصاویر کا نام پانچ بزرگوں کے نام پر رکھ دیا گیا، اور لوگ ان کی زیارت بھی کرنے لگے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا، پھر جب ایک نسل ختم ہوئی اور دوسری نسل وجود میں آئی، تو اسے معلوم نہ تھا کہ یہ تصاویر دراصل انسانوں ہی کی ہیں۔ چنانچہ ابلیس لعین نے ان کو پٹی پڑھائی کہ یہ تمھارے معبود ہیں، تم ان سے اپنی ضروریات کے مطابق چیزیں مانگ سکتے ہو۔ وہ لوگ ان پر پھول اور مالے چھڑھانے لگے، اور جب وہ تصاویر پرانی ہوگئیں تو شیطان ہی کے مشورہ پر ان کی شکل کے بڑے بڑے بت تراش لیے گئے۔ اس طرح دنیا میں بت پرستی عام ہوگئی، پھر دھیرے دھیرے بتوں کے ساتھ ساتھ، دیگر چیزوں کی بھی پرستش شروع ہوگئی۔ (بخاری: کتاب التفسیر/سورۃ إنا أرسلنا/باب وداًولا سواعاًولا یغوث ویعوق/رقم الحدیث: ۴۹۲۰)

یہود کا غلو

یہود نے دو طرح سے دین میں غلو کیا۔ ایک افراط کے ذریعے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے مقام کو اتنا بڑھایا کہ انھیں خدا کا بیٹا قرار دے دیا۔ صرف اس بات پر کہ انھیں پوری تورات زبانی یاد تھی۔

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ﴾ [التوبہ: ۳۰]

دوسرا تفریط کے ذریعے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا، انھیں حرامی قرار دیا، اُن کی والدہ پر زنا و بدکاری کا الزام لگایا، نیز متعدد انبیائے کرام علیہم السلام کو قتل کیا۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل نے صرف ایک دن میں ۴۳ نبیوں کو قتل

کیا۔ وہ لوگوں کو اچھی بات بتاتے تھے، برائی سے روکتے تھے، مگروہ مشتعل ہو کر انبیا کو قتل کردیتے تھے۔ انبیا کے قتل کے بعد کچھ نیک لوگ آ گے آئے۔ انھوں نے بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام شروع کیا۔ لوگوں کو طعن وملامت کی کہ تم نے اللہ کے نبیوں کو قتل کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان بدبختوں نے اسی دن پچھلے پہر ایک سو بارہ یا ایک سوستر نیک لوگوں کو بھی قتل کردیا۔ یہ ان کا ایک دن کا کارنامہ تھا۔ (معالم العرفان: ۴/ ۸۵،۸۶)

نصاریٰ کا غلو

یہود کی طرح نصاریٰ نے بھی دین کے باب میں غلو سے کام لیا۔ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔

﴿وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ [التوبہ: ۳۰]

نجران کے وفد کی بارگاہ رسالت میں آمد

یمن کے نجران کا عیسائی وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ جن میں چودہ سرکردہ آدمی اور تین سردار تھے۔ ان میں عبدالمسیح عاقب امارت اور سیادت کے لحاظ سے اعلیٰ حیثیت کا مالک تھا۔ ایہم السید عقلمندی اور تدبیر میں کامل تصور کیا جاتا تھا اور تیسرا شخص ابوحارثہ ابن علقمہ مذہبی اعتبار سے ایک جید عالم، پادری، وقیع اور معزز شخص تھا۔ یہ آدمی دراصل عربوں کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا۔ اس قبیلہ نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا۔ روم کے عیسائی بادشاہ نے انھیں جاگیر بخش رکھی تھی۔ ان کی بڑی قدرومنزلت کرتا تھا، انھیں ایک بہت بڑا گرجا بنا کر دیا تھا۔

پہلا مقصد

سیرت کی کتابوں اور ذخیرہ احادیث سے وفدِ نجران کی آمد کے دو مقاصد سمجھ میں آتے ہیں۔ پہلا مقصد تو سیاسی تھا یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ فتح ہوکر عرب کی پوری سرزمین اور یمن کے کچھ علاقے بھی مسلمانوں کے تسلط میں آچکے تھے اور نجران کے یہ عیسائی بھی مسلمانوں سے خائف تھے۔

مدینہ طیبہ کے گرد یہودیوں کی اکثریت تھی۔ جن میں تین خاندان بنوقریظہ، بنونضیر اور بنوقینقاع خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ بڑے متعصب یہودی تھے۔ سودخور اور سازشی ذہن کے حامل تھے۔ ان کی اسی خباثت کی وجہ سے ان میں سے دو قبیلوں یعنی بنونضیر اور بنو قینقاع کو جلاوطن کردیا گیا تھا۔ تیسرے قبیلے بنوقریظہ کا فیصلہ جنگ خندق کے بعد کیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ غداری کی تھی۔ چناں چہ جنگ کے بعد ان کا مسئلہ پیش ہوا کہ وہ اپنی سزا خود ہی تجویز کریں۔ انھوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اس سلسلے میں حکم تسلیم کیا، جنھوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان کے تمام مردوں کو جن کی تعداد چار سو یا چھ سو تھی قتل کردیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے، اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کردیے جائیں۔ چناں چہ اس فیصلے پر عمل کرکے ان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا گیا۔

ان تاریخی واقعات سے نجران کے عیسائی سخت خائف تھے کہ کہیں مسلمان ان کے ساتھ بھی یہودیوں جیسا سلوک نہ کریں۔ لہٰذا انھوں نے اس وفد کے ذریعے مسلمانوں سے صلح کرنے اور ان سے امان حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور جزیہ ادا کرکے مسلمانوں کے زیرتسلط اپنے ہی علاقے میں آباد رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ (معالم العرفان: ۴/ ۲۷، ۲۸)

دوسرا مقصد

وفد نجران کی آمد کا دوسرا بڑا مقصد عیسائیت کی تبلیغ تھا۔ مسیح (علیہ السلام) کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں یا تین خداؤں میں سے تیسرے ہیں یا وہ خود خدا ہیں۔ اس عقیدے پر وہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بحث مباحثہ کرنا چاہتے تھے۔

چونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مانتے تھے۔ لہٰذا اس بحث مباحثے کا موضوع بھی مسئلہ الوہیت قرار پایا۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے الوہیت کی چار صفات بیان کر کے دریافت کیا کہ کیا یہ صفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ فرمایا کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ازلی اور ابدی ہیں جن کو کبھی فنا نہیں؟ تو عیسائیوں نے اقرار کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حیات سرمدی حاصل نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا علم ہر چیز پر محیط ہے اور کیا ان سے کوئی چیز مخفی نہیں؟ عیسائیوں نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔ آپ نے تیسرا سوال کیا کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوئے؟ انھوں نے کہا کہ بیشک آپ حضرت مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کیا کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام قادر مطلق ہے؟ انھیں ہر چیز پر تصرف حاصل ہے؟ عیسائی وفد یہ بھی ثابت نہ کر سکا، بلکہ اس کا انکار کیا۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چاروں صفات الوہیت کی صفات ہیں۔ اگر بقول تمھارے ان میں سے ایک بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں پائی جاتی، تو پھر تم انھیں الٰہ کیسے تسلیم کرتے ہو! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تمھیں شرم آنی چاہیے اور اس باطل عقیدے سے توبہ کرنی چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے، کھانا کھاتے رہے، پانی پیتے رہے، بول و براز کی ضرورت رہی۔ تو ایسی شخصیت الٰہ کیونکر ہو سکتی ہے! الٰہ تو وہ ذات پاک ہے، جو

ازلی اورابدی ہے، جس کو فنا نہیں جس کا علم ہر چیز پر محیط ہے اور کوئی چیز مخفی نہیں جو قادر مطلق ہے۔ اور نہ کسی کا بیٹا ہے نہ کسی کا باپ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان میں سے کسی بھی صفت سے متصف نہیں لہٰذا ان کو الہ تسلیم کرنا کس قدر جہالت کی بات ہے، بہرحال عیسائی بحث مباحثہ کرتے رہے اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت مباہلہ دی، مگر عیسائی اس سے بھی بھاگ گئے۔ (معالم الرفان: ۴/ ۲۸، ۲۹)

نصاریٰ کے غلو کی ایک شکل یہ تھی کہ انھوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کو اور علما کو خدائی کا درجہ دے دیا اور انھیں تحلیل وتحریم کا حق دے دیا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝﴾ [التوبة: ۳۱]

انھوں نے اللہ کے بجائے اپنے احبار (یعنی یہودی علما) اور راہبوں (یعنی عیسائی درویشوں) کو خدا بنالیا ہے، اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ ان کی مشرکانہ باتوں سے بالکل پاک ہے۔

اسی طرح نصاریٰ کے غلو کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ انھوں نے رہبانیت کو اختیار کرلیا تھا، جس کا نہ خدا نے حکم دیا اور نہ خدا کے رسولوں نے، بلکہ اپنی جانب سے اُسے کارِ ثواب سمجھ کر منتخب کرلیا تھا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک

لکھا ہے کہ کچھ لوگ ایسے تھے کہ عورتوں کے سایے سے بھی بھاگتے تھے، اگر راستے میں یا گلی میں کسی عورت سے اتفاقاً سامنا ہو جائے تو یہ سمجھتے تھے کہ ساری زندگی کی محنت خاک میں مل گئی۔ اپنی ماؤں، بیویوں اور حقیقی بہنوں سے بات کرنے کو بھی معصیت سمجھتے تھے۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص: ۲۱۳)

اب بتائیں کیا یہ غلو نہیں؟

مشرکین کا غلو

یہی حال مشرکین کا ہے کہ انھوں نے بھی غلو سے کام لیا۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان مشرکین سے پوچھا جاتا ہے کہ بتاؤ تمھارا رب اور خالق کون ہے؟ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ بارش برسانے والا کون ہے؟ تو کہتے ہیں ''اللہ''، لیکن جب پوچھا جاتا کہ پھر بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ تو کہتے کہ یہ تو ہمیں اللہ سے قریب کرنے والے ہیں۔ (تفسیر قرطبی مترجم: ۸/۲۵۰)

اسی طرح مشرکین کے غلو کی ایک شکل یہ تھی کہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں اپنے اموال کا اور پیداوار کا ایک حصہ نکال کر اپنے بتوں کے نام کر دیتے تھے۔

اسی طرح مشرکین کے غلو کی ایک شکل یہ تھی کہ جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے۔

اسی طرح مشرکین کے غلو کی ایک شکل یہ تھی کہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں حج کے لیے جاتے پھر کسی ضرورت کی وجہ سے گھر میں آتے تو دروازوں سے داخل ہونے کو برا سمجھتے، اس لیے پیچھے سے جاتے تھے۔

اسی طرح مشرکین کے غلو کی ایک شکل یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں کچھ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف برہنہ ہوکر کیا کرتے تھے۔

غلو کے اسباب

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ جس غلو کی قرآن واحادیث میں مذمت بیان کی گئی، اُس کے اسباب کیا کیا ہیں؟ علمانے اس کے کچھ اسباب بیان فرمائے ہیں۔

پہلا سبب

غلو کا سب سے پہلا اور بنیادی سبب ہے جہالت۔ جب آدمی علم دین سے محروم اور ناواقف ہوتا ہے تو وہ اپنی جہالت کی وجہ سے دین میں نئی نئی چیزیں قائم کرلیتا ہے۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جہالت کو قیامت کی علامت قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ یقیناً قیامت سے پہلے علم اٹھالیا جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی۔ (بخاری: کتاب العلم/باب رفع العلم وظہور الجہل/رقم الحدیث: ۸۰)

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جہالت ہر بیماری اور خرابی کے لیے ’’ام الاسباب‘‘ ہے۔

دوسرا سبب

غلو کا دوسرا سبب ہے تعصب۔ تعصب کا مطلب یہ ہے کہ آدمی حق اور ناحق کو دیکھنے کے بجائے اپنے خاندان، اپنی جماعت، اپنی برادری کو دیکھنے لگے۔ کبھی تعصب جماعت کی شکل میں ہوتا ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے تعصب رکھتی ہے تو کبھی افراد کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ کبھی تعصب شخصیت پرستی کا بھی ہوتا ہے کہ اُن کے معتقدین تعصب کرتے ہوئے اتنا غلو کرتے ہیں کہ اُن کی اچھی اور بری، حق اور ناحق سب باتوں کو ایک ہی درجہ دے

دیتے ہیں۔

تیسرا سبب

غلو کا تیسرا سبب ہے خواہشات کی پیروی۔ یعنی انسان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین میں اپنی خواہشات کو داخل کردے۔

چوتھا سبب

غلو کا چوتھا سبب ہے عقل پرستی۔ بلاشبہ عقل بہت بڑی نعمت ہے، لیکن عقل سے بھی بڑھ کر ایک چیز ہے ''وحی''۔ دنیا میں جتنے باطل فرقے وجود میں آئے وہ عقل پرستی کی وجہ سے ہی آئے ہیں۔ شریعت کے کچھ احکام ایسے ہیں جو عقل میں نہیں آتے، لیکن شریعت عقل کے تابع نہیں، بلکہ عقل شریعت کے تابع ہے۔ اگر شریعت عقل کے تابع ہوتی تو موزے کے تلوے پر مسح کا حکم ہوتا، نہ کہ اوپری حصہ پر۔

ایک مثال

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عقل کے متعلق بہت خوب مثال دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ عقل ایسی ہے، جیسے پہاڑ پر چڑھنے والے کے لیے گھوڑا۔ اب تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جو گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑ تک پہنچے، اور پھر پہاڑ پر بھی اسی پر سوار ہو کر چڑھنے لگے، یہ غلطی پر ہیں۔ ضرور کسی سیدھی چڑھائی پر سوار اور گھوڑا دونوں گریں گے۔ دوسرے وہ ہیں، جو یہ سمجھ کر کہ گھوڑا پہاڑ پر تو کام دیتا ہی نہیں، تو اس سے عام راستہ پر بھی، ہموار سڑک پر بھی کام لینے کی ضرورت نہیں، وہ گھر ہی سے پیدل چل پڑے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہاڑ تک پہنچ کر تھک گئے، یہ بھی پہاڑ پر نہ چڑھ سکے۔ تو ان دونوں کی رائے وروش غلط تھی۔ پہلی

جماعت نے گھوڑے کو ایسا با کار سمجھا کہ اخیر تک اُسی سے راستہ طے کرنا چاہا۔ اور دوسری جماعت نے ایسا بے کار سمجھا کہ پہاڑ تک بھی اُس سے کام نہ لیا۔ تیسری جماعت نے پہاڑ تک گھوڑے پر سواری کی، پھر پہاڑ پر چڑھنے کے لیے کوئی اور انتظام کیا۔ انھوں نے یہ خیال کیا کہ گھوڑا پہاڑ تک تو کار آمد ہے اور پہاڑ پر چڑھنے کے لیے بے کار، اس کے لیے کسی اور انتظام کی ضرورت ہے۔ یہی سوچ اور طرزِ عمل صحیح ہے۔

ٹھیک یہی حال عقل کا ہے، کہ عقل سے بالکل کام نہ لینا بھی حماقت ہے، اور اخیر تک کام لینا بھی غلطی ہے۔ (خطبات حکیم الامت: ۳/ ۸۵، ۸۶)

اسی عقل پرستی کے نتیجے میں آدمی انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کا انکار کرتا ہے تو کبھی ملائکہ کا انکار کرتا ہے، کبھی اسلامی عقائد میں نئی نئی باتیں شامل کرتا ہے، آخرت اور بعث ونشر کا انکار کرتا ہے، معراج جیسے واقعے کا انکار کرتا ہے۔

ایک لطیفہ

ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے پوچھا کہ پانی میں بے شمار غوطے لگانے کے باوجود مجھے یہ شک ہوتا ہے کہ معلوم نہیں کہ غسل صحیح ہوا بھی ہے یا نہیں، تو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، میں نے کہا جناب! میری رائے یہ ہے کہ جائیں آپ سے تو نماز ہی ساقط ہوگئی ہے، اس نے پوچھا وہ کیسے، میں نے کہا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین شخص مرفوع القلم ہیں۔ مجنون حتی کہ صحت یاب ہوجائے۔ سویا ہوا حتی کہ بیدار ہوجائے اور بچہ حتی کہ بالغ ہوجائے۔ (أبو داود: أول کتاب الحدود/ باب في المجنون یسرق أو یصیب حداً/ رقم الحدیث ۴۳۹۸)

جو شخص پانی میں بار بار غوطہ لگانے کے باوجود یہ شک کرے کہ معلوم نہیں اس کے جسم کو پانی لگا ہے یا نہیں تو وہ مجنون ہے اور مجنون مرفوع القلم ہے اور اس سے نماز اور دیگر تمام فرائض وواجبات ساقط ہیں۔(إغاثه اللهفان من مصايد الشيطان: ۱/۱۳۴)

پانچواں سبب

غلو کا پانچواں سبب ہے آباواجداد کی اندھی تقلید۔ایک جانب قرآن وسنت کا حکم ہے تو دوسری جانب آباواجداد کا عمل ہے۔خصوصاً غمی یا خوشی کے مواقع میں ہم قرآن وسنت کی تعلیم کوملحوظ رکھنے کے بجائے خاندانی رسم ورواج اور طور طریق کوملحوظ رکھتے ہیں۔

شیطان کی چال

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان بڑا عیار ہے اور اس کی ایک بہت عجیب تدبیر یہ ہے کہ وہ انسانی نفوس کوٹٹول کر یہ جائزہ لے لیتا ہے کہ کس کی طبیعت افراط کی طرف مائل ہے اور کس کی تفریط کی طرف اور پھر جس کی طرف کسی کی طبیعت کا میلان ہوتا ہے وہ اپنی دسیسہ کاریوں سے اسے اسی طرف لگا دیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت یا تو وادی تقصیر میں سرگرداں ہوتی ہے یا وادیٔ مبالغہ وغلو میں حیران یعنی یا تو وہ احکام شریعت پر عمل کرنے میں کوتاہی اور کم ہمتی کا ثبوت دیتے ہیں، یا اس قدر مبالغہ اور غلو سے کام لیتے ہیں کہ حد اعتدال سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں۔جب کہ بہت قلیل سعادت مند ہی ایسے ہوتے ہیں جو صراط مستقیم پر رہتے ہیں، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعین فرمایا ہے اور بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل اور طریقہ ہی راہِ اعتدال ہے۔(إغاثه اللهفان من مصايد الشيطان: ۱/۱۱۶)

غلو کی اقسام

غلو کے بارے میں وارد آیات واحادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں غلو کی کئی قسمیں ہیں۔ان میں سے چند اقسام کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

پہلی قسم: عقائد میں غلو

عقائد میں غلو سے مراد یہ ہے کہ قرآن وسنت میں ہمیں جن عقائد کی تعلیم دی گئی ہے ان کو چھوڑ کر ہم خودساختہ عقائد کو اختیار کرلیں۔خودساختہ یا انسانوں کے بنائے ہوئے عقائد پر کتنا ہی خوشنما لیبل کیوں نہ لگا دیا جائے، دین وشریعت کے نقطہ نظر سے وہ عقائد بہر حال باطل قرار پائیں گے۔جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا یا تین خداؤں میں سے ایک مانا۔

دوسری قسم: قرآن مجید میں غلو

قرآن مجید میں غلو سے بڑی سختی کے ساتھ منع کیا گیا تھا مگر افسوس کہ قرآن مجید کے بہت سے ماننے والوں نے خود قرآن مجید ہی میں غلو سے کام لینا شروع کر دیا۔قرآن مجید میں کئی طرح سے غلو سے کام لیا گیا۔مثلاً:

(۱) غلو کی ایک صورت تو یہ اختیار کی گئی کہ بعض لوگوں نے یہ شوشہ چھوڑا کہ اس کا ترجمہ کرنا گناہ ہے، بلکہ اسے کفر قرار دیا گیا اور اس سے درحقیقت وہ اپنی ان خرافات اور بدعات پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں جسے انھوں نے دین کے نام سے ایجاد کر رکھا ہے۔جب کہ دین میں اس کا نہ صرف یہ کہ قطعاً کوئی حکم نہیں بلکہ قرآن وسنت میں ان سے سختی سے منع فرمایا گیا ہے۔

(۲) قرآن مجید میں غلو کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنی مرضی ومشیئت کے مطابق اس کی تفسیر بیان کی جائے۔پہلے سے تصورات ونظریات قائم کر لیے جائیں اور پھر قرآنی آیات کو توڑ

مروڑ کران کی تائید میں پیش کیا جائے۔قرآن مجید نے اس بیماری کا نام تحریف رکھا ہے اور یہودیوں اور عیسائیوں کی یہ مخصوص بیماری تھی کہ انھوں نے اپنی کتاب کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا۔

(۳) ہمارے ان بہت سے قرا کا قرآن مجید کی قرأت وتلاوت کا انداز بھی غلو ہی کے ضمن میں آئے گا، جو قرأت و تجوید کے اصولوں سے تجاوز کرتے ہوئے بے حد تطویل، تکلف اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں اور خوش الحانی کے مظاہرے میں قواعد وضوابط کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

(۴) اسی طرح کچھ لوگ قرآن مجید پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے بجائے پانچ سات ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر اسے اتنا اونچا رکھ دیتے ہیں کہ اس تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچنے پائے۔ یہ اور اس طرح کی دیگر بہت سی صورتیں ہیں جو ہم نے قرآن مجید میں غلو کے باب میں اختیار کر رکھی ہیں۔

غلو کے نقصانات

غلو کی وجہ سے انسان کو بہت کچھ نقصان بھگتنا پڑتا ہے۔

(۱) غلو عبادات سے محرومی کا ذریعہ ہے۔انسان غلو کے نتیجے میں بسا اوقات اپنے عمل کو ہمیشہ جاری نہیں رکھ سکتا، بلکہ تنگ آ کر چھوڑ بھی دیتا ہے۔

(۲) غلو باعث ہلاکت ہے، جیسا کہ ماقبل کی روایت میں گذرا۔

(۳) غلو شرک تک بھی پہونچا دیتا ہے۔

(۴) غلو انسان کو شیطانی وسوسوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔غلو اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے

بندے پر شیطان نے تسلط جمالیا ہے۔

(۵) غلو کرنے والے کا دل تنگ ہو جاتا ہے اور وہ حزن وملال میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو دین عطا فرمایا ہے وہ بہت سہل اور آسان ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بے شک دین آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیادہ تفصیل کے ساتھ فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں انھیں ضائع نہ کرو کچھ حدود مقرر کر دیے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو کچھ چیزوں کو حرام قرار دے دیا ہے ان کے قریب نہ جاؤ اور کچھ چیزوں کو بھولے بغیر ترک کر دیا ہے ان کے بارے میں کرید نہ کرو۔ (مشکوۃ المصابیح /ص: ۳۲)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں جو بات مقرر کر دی گئی ہے اس پر اپنی طرف سے اضافہ کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندہ اگر از خود اپنے آپ پر سختی کا سبب بنے گا مثلاً جو لوگ وضو یا غسل کے مسئلہ میں وسوسوں کا شکار رہتے ہیں اور اس سلسلے میں بے پناہ تکلیف اٹھاتے ہیں اور وضو وغسل میں اس طرح مبالغہ سے کام لیتے ہیں کہ ان کا وضو اور غسل کبھی مکمل ہوتا ہی نہیں۔ شرعی طور پر سختی کی مثال انسان کا کسی کام کے لیے نذر ماننا ہے، نذر مان کر انسان خود اپنے آپ ہی کو سختی میں مبتلا کر لیتا ہے کہ شرعاً نذر کا پورا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ (إغاثه اللهفان من مصايد الشيطان: ۱/ ۱۳۲)

اسلام دین جمال وکمال ہے، یہ راہ اعتدال ہے، جس میں کوئی افراط وتفریط نہیں۔
امام جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے کہ ارض وسماء میں اللہ کا دین ایک ہی ہے اور وہ ہے دین اسلام، جو غلو وتقصیر، تشبیہ وتعطیل، جبر وقدر اور امن ومایوسی (امید وخوف) کے درمیان ہے۔(شرح العقیدۃ الطحاویۃ: ۲/۷۸۶)

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم دین معتدل یعنی دین اسلام اور پاکیزہ تعلیمات کو اپنائیں اور بلاکم وکاست اُن پر عمل کریں، ان ہی پر ہماری دنیا وآخرت کی فوز وفلاح کا راز مضمر ہے، اور اِن تعلیمات میں افراط وتفریط ہی غلو ہے، جو کہ باعث ہلاک ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں غلو سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔(آمین)

وصلى الله على النبي الكريم

مضمون:(۷)

گھریلو ماحول سنوارنے کے اصول

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا‌ ؕ لَا نَسۡـئَلُكَ رِزۡقًا‌ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكَ‌ ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلتَّقۡوٰى ○﴾ [طٰہٰ: ۱۳۲]

تمہید

انسان کی فطرت میں بنیادی طور پر خیر کا غلبہ ہے۔اسی وجہ سے ہر آدمی سچائی، امانت ودیانت، مروت وانسانیت پاک دامنی، شرم وحیا کو قابل تعریف سمجھتا ہے۔اس کے برخلاف جھوٹ، ظلم، چوری، خیانت وغیرہ کو ناپسند کرتا ہے۔بعض مرتبہ انسان جھوٹ کو سچ بتانے کی کوشش کرتا ہے یا بے حیائی کے کام کو پورا کرنے کے بعد اس پر پردہ ڈالتا ہے۔یہ دراصل فطرت کی آواز ہے۔یہی وہ فطرت ہے جس کو لے کر ہر بچہ جنم لیتا ہے۔اسی کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه (بخاری: کتاب الجنائز/ باب ما قیل فی أولاد المشرکین/ رقم الحدیث: ۱۳۸۵۔ مسلم: کتاب القدر/باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ/رقم الحدیث: ۴۷۱۴)

ہر بچہ فطرت پر جنم لیتا ہے مگر اس کے ماں باپ اُسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

حالات کا فطرت پر اثر

خارجی حالات کی وجہ سے، بری صحبت کی وجہ سے، شیطان کے ورغلانے کی وجہ سے، نفس کی شرارت کی وجہ سے کبھی کبھار انسان فطرت سے ہٹ جاتا ہے۔ پھر اس کو جھوٹ بول کر، ظلم کر کے، خیانت کر کے، بے حیائی اور بے شرمی کر کے ہی تسلی ملتی ہیں۔ دوسروں کو حقیر کر کے انسان اطمینان پاتا ہے، مگر یاد رہے کہ یہ چیز فطرت نہیں، بلکہ اس کے خلاف ہے، جو صحیح تربیت و پرورش نہ ملنے کی وجہ سے اور برے ماحول کی وجہ سے اس کے اندر پیدا ہوئی ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنے ماحول کو سنوارنے کی کوشش کریں تاکہ ہماری فطرت سلامت و برقرار رہے اور ہمیں نیکیوں پر ابھارتی رہے۔

اسی فطرت کو برقرار رکھنے کی اور ماحول کو سنوارنے کی تعلیم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے اوراق کو ٹٹولنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماحول کو سنوارنے پر کس قدر زور دیا ہے۔

پہلا واقعہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے گیارھویں سال خزرج کے کچھ لوگ مکہ مکرمہ حج کے لیے آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور انھیں اسلام کی دعوت دی، قرآن پاک کی آیتیں ان کو سنائی۔ ان لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے واللہ! یہ وہی نبی ہیں جن کا یہود ہم سے ذکر کیا کرتے تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس فضیلت اور سعادت میں وہ ہم سے سبقت لے جائیں۔ چناں چہ تمام افراد مجلس سے اٹھنے سے پہلے ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔ یہ چھ افراد تھے۔

جب دوسرا سال آیا جو نبوت کا بارھواں سال تھا تو بارہ حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی ملاقات کے لیے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے۔ان میں سے پانچ تو ان چھ ہی میں سے تھے جو پچھلے سال آئے تھے اور سات ان کے علاوہ تھے۔ان تمام حضرات نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر رات کے وقت منیٰ میں عقبہ کے قریب آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ انصار مدینہ کی پہلی بیعت تھی جس کو بیعت عقبہ اولیٰ کہتے ہیں۔

جب یہ لوگ بیعت کر کے مدینہ منورہ واپس ہونے لگے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو قرآن پاک کی تعلیم دینے اور احکام اسلام سکھانے کے لیے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ کیا۔ان دونوں حضرات نے مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام کیا۔حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور مسلمانان مدینہ کو نماز پڑھاتے۔حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تبلیغ کی برکت سے مدینہ منورہ کے دونوں قبیلہ اوس اور خزرج میں سے بڑی تعداد میں لوگ ایمان لے آئے۔ چنانچہ اس کے اگلے سال جو نبوت کا تیرہواں سال تھا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ایک گروہ کو لے کر مکہ مکرمہ حج کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوئے۔جن کی تعداد بعض ارباب سیر نے پچھتر اور محقق علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھاسی بتلائی ہیں۔

(سیرت المصطفیٰ: ۱/ ۳۱۹)

دوسرا واقعہ

اسی طرح سنہ آٹھ ہجری میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کی تعلیم و تربیت کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو وہیں چھوڑا تھا اور خود آگے اپنے اصحاب کے ساتھ حنین اور طائف کے غزوات کے لیے تشریف لے گئے

تھے۔(معارف الحدیث:۸/ ۴۲۲)

تیسرا واقعہ

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی جانب حاکم بنا کر روانہ فرمایا تھا اس شان کے ساتھ کہ آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو گھوڑے پر سوار کیا اور خود پیادہ چلے اور ان کے بار بار عرض کرنے پر بھی آپ نے ان کو نیچے اترنے کی اجازت نہیں دی اور چلتے چلتے آپ نے متعدد نصیحتیں ارشاد فرمائیں۔(مشکوۃ المصابیح/ص:۴۴۵)

آخر ایسا کیوں؟

ان تمام واقعات پر غور ڈالنے کے بعد ایک سوال پیدا ہوگا کہ آخر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسا کیوں فرمایا؟ اس سوال کے جواب میں ایک ہی بات کہی جائے گی کہ یہ تمام اقدامات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ماحول کو سنوارنے اور درست کرنے کے لیے اٹھائے تھے، بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ منورہ میں رہ کر ان لوگوں کی جو شراب اور جوئے کے عادی تھے، ظلم وستم اور قتل وغارت گری میں مبتلا تھے، بے شرمی اور بے حیائی میں مشہور تھے، ان کی ایسی شاندار تربیت فرمائی اور ایسا شاندار ماحول قائم کیا جو قیامت تک کے لیے بہترین مثال اور نمونہ بن گیا۔ جو ماحول اور معاشرہ کسی زمانے میں جاہلیت کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اب وہ معاشرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کی برکت سے پاکیزہ صاف ستھرے معاشرے میں تبدیل ہوگیا اور اُسے نبوی مدنی معاشرے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اندرونی ماحول کی اصلاح کی فکر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا جس طرح آپ نے

گھر کے باہر کے ماحول کو سنوارا ہے تو دوسری جانب آپ نے اندرونی ماحول کو مہذب بنانے کی اور سنوارنے کی بھرپور کوشش فرمائی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں گھریلو ماحول کو سنوارنے کے تمام اصول وضوابط موجود ہیں۔

پہلا اصول

گھریلو ماحول کو سنوارنے کے لیے پہلا ضابطہ یہ ہے کہ نیک سیرت رفیقۂ حیات کا انتخاب کیا جائے۔ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تنكح المرأة لأربع : لمالها، ولحسبها، وجمالها، ولدينها، فاظفر بذات الدين تربت يداك (بخاری: کتاب النکاح/باب الإکفاء فی الدین/رقم الحدیث: ۵۰۹۰۔ مسلم: کتاب الرضاع/باب استحباب نکاح ذات الدین/رقم الحدیث: ۱۴۶۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سے نکاح چار چیزوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے اس کے مال کی وجہ سے اور اس کے خاندانی شرف کی وجہ سے اور اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے اور تو دیندار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کر، اگر ایسا نہ کرے تو تیرے ہاتھوں کو مٹی لگے گی (یعنی اخیر میں تجھ کو ندامت ہوگی)

میرے والد محترم ایک بات ہمیشہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ آج کل شادی بیاہ کے موقع پر جمال وخوبصورتی کو دیکھا جاتا ہے، مگر دینداری کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا، گویا ہماری ساری توجہ ظاہری پیکنگ کی طرف ہوتی ہے چاہے اندر مال کتنا ہی گھٹیا ہو۔ اور یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ ماں کی گود بچہ کے لیے پہلی درسگاہ ہے۔ اس لیے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے گھر کا

ماحول سنور جائے اور درست ہو جائے اس کا پہلا اصول یہ ہے کہ نیک سیرت رفیقۂ حیات کو منتخب کیا جائے، تاکہ اپنی آنے والی نسل میں اس کی نیک سیرتی کے اثرات مرتب ہوں۔

دوسرا اصول

گھریلو ماحول کو سنوارنے کا دوسرا اصول یہ ہے کہ اپنے گھر میں ہمیشہ حلال مال کا اہتمام کیا جائے، حرام اور مشکوک سے پرہیز کیا جائے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ پیداوار اچھی ہو تو اس کے لیے زمین بھی عمدہ ہونی چاہیے اور بیج بھی عمدہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ انسان جیسا مال استعمال کرتا ہے ویسے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ حلال مال نیکیوں کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور حرام مال گناہوں کا۔ متعدد روایات میں حلال کی فضیلت اور حرام پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

بد اخلاق شیخ زادہ

ایک شخص کسی اللہ والے کی زیارت کے لیے چلا۔ جب ان کی قیام گاہ پہونچا تو اندر سے ایک نوجوان متکبرانہ ہیئت میں باہر نکلا۔ اس نے اس نوجوان کو سلام کیا، مگر اس نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ اس کو بڑا تعجب ہوا۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون نوجوان ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ یہ اسی شیخ کا لڑکا ہے جن کی تم زیارت وملاقات کے لیے آئے ہو۔

جب شیخ باہر تشریف لائے تو اس آنے والے کو شیخ صاحب کی عاجزی اور حسنِ اخلاق سے بڑا تعجب ہوا۔ دل میں کہنے لگا کہ ایسے بزرگ کا بیٹا ایسا؟ اس سے رہا نہ گیا تو اس نے شیخ سے ہی ان کے بد اخلاق بیٹے کے بارے میں پوچھ لیا۔ شیخ نے فرمایا حیران مت ہو، وہ میرا ہی بیٹا ہے۔

بات اصل یہ ہے کہ میں کئی دنوں سے بھوکا تھا۔ میرے پڑوسی کو اطلاع ملی جو بادشاہ

کے مقرب لوگوں میں سے تھا۔ اس نے وہ کھانا جو بادشاہ کے یہاں سے آیا تھا میرے لیے پیش کر دیا۔ وہ کھانا میں نے کھالیا، کھاتے ہی میرے دل میں صحبت کی شدید خواہش ہوئی تو میں نے اپنی بیوی سے صحبت کی اور اسی سے یہ پیدا ہوا۔ (رزق حلال کی برکت اور حرام کی نحوست / ص:۵۱)

تیسرا اصول

گھریلو ماحول کو سنوارنے کا تیسرا اصول یہ ہے کہ اپنے گھر والوں کی اصلاح کرنا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مجھے حضور اقدس نے دس باتوں کی وصیت فرمائی۔ (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا چاہے قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے (۲) والدین کی نافرمانی مت کرنا چاہے وہ بیوی کو چھوڑنے یا سارا مال خرچ کرنے کا حکم دیں (۳) فرض نماز مت چھوڑنا اس سے اللہ کا ذمہ بری ہو جاتا ہے (۴) شراب نہ پینا اس لیے کہ یہ ہر برائی کی جڑ ہے (۵) اللہ کی نافرمانی مت کرنا اس سے اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے (٦) لڑائی میں مت بھاگنا چاہے سب ساتھی مر جائے (۷) اگر کسی جگہ وبا پھیلی ہو تو وہاں سے مت بھاگنا (۸) اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا (۹) تنبیہ کے واسطے لکڑی نہ ہٹانا (۱۰) اللہ کے عذاب سے انھیں ڈراتے رہنا۔ (مسند أحمد: مسند الأنصار / حديث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ / رقم الحديث: ۲۲۰۷۵)

اسی لیے ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته (بخاری: کتاب الجمعة / باب الجمعة فی القرى و المدن / رقم الحديث: ۸۹۳)

تم سب کے سب نگران ہو اور تم سے اپنی نگرانی کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔

چوتھا اصول

گھریلو ماحول کو سنوارنے کا چوتھا اصول یہ ہے کہ گھر والوں کو نماز کی طرف متوجہ کرنا۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ گھر والوں کو نماز کی طرف کیسے متوجہ کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی تین شکلیں ہیں، یعنی تین طرح سے اپنے گھر والوں کو نماز کی طرف متوجہ کیا جا سکتا ہے۔

پہلی شکل

ایک شکل یہ ہے بندہ خود اپنے گھر کو نماز سے آباد رکھے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صلوا فی بیوتکم ولاتتخذوها قبوراً (مسلم: کتاب صلوۃ المسافرین و قصرها/ باب استحباب صلوۃ النافلۃ فی بیتہ وجوازها فی المسجد/ رقم الحدیث: ۷۷۷)

کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، اس میں نماز پڑھا کرو۔ معلوم ہوا جس گھر میں نماز نہیں ہوتی وہ قبرستان کی طرح ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فصلوا أيها الناس فی بیوتکم فإن أفضل صلوۃ المرء فی بیته إلا المکتوبه

اے لوگو اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو بندے کی بہترین نماز گھر کی ہے فرض نماز

کے سوا۔(بخاری: کتاب الأذان/باب صلوۃ اللیل/رقم الحدیث: ۷۳۱)

دوسری شکل

دوسری شکل یہ ہے کہ بندہ اپنے گھر والوں کو یعنی اپنے اہل وعیال کو نماز کی طرف متوجہ کرے۔ مسلم شریف میں روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت نماز پڑھتے جب وتر پڑھ لیتے تو فرماتے عائشہ اٹھو اور وتر پڑھو۔(بخاری: کتاب الوتر/باب إیقاظ النبی صلی اللہ علیہ وسلم أھلہ بالوتر/رقم الحدیث: ۹۹۷)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے رحمت کی دعا فرمائی اس شخص کے لیے جو آدھی رات کو اٹھ کر نماز ادا کرتا ہے پھر بیوی کو نماز کے لیے بیدار کرتا ہے۔ متعدد روایات میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں کمر کس لیتے اور گھر والوں کو بیدار فرماتے۔(بخاری: کتاب الصوم/باب العمل فی العشر الأواخر من رمضان/رقم الحدیث: ۲۰۲۴)

تیسری شکل

تیسری شکل یہ کہ اپنی اولاد کو نمازی بنایا جائے، چناں چہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی ہے کہ بچہ جب سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا حکم دو اور دس سال کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر پٹائی کرو۔(أبو داود: کتاب الصلوۃ/متی یؤمر الغلام بالصلوۃ/رقم الحدیث: ۴۹۵)

جامع صغیر کی روایت ہے کہ اولاد کو تنبیہ کرنا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔(جامع صغیر/ص: ۲۲۶ بحوالہ فضائل اعمال)

چوتھی شکل

چوتھی شکل یہ ہے کہ اپنے گھر میں نماز کے لیے کوئی جگہ متعین کی جائے۔آج کل ہم عالیشان مکانات بناتے ہیں، جن میں بیٹھنے کا کمرہ الگ، کھانے کا کمرہ الگ، سونے کا کمرہ الگ، بیت الخلا اور غسل خانہ تو ایک سے زیادہ بنواتے ہیں، مگر نماز کے لیے کوئی مخصوص کونہ یا جگہ منتخب نہیں کرتے ، یہ ہماری کوتاہی ہے اور دینی امور سے عدم دلچسپی و بے رُخی کی دلیل ہے۔ گھر میں ایک کونہ یا کمرہ نماز کے لیے مخصوص کرنا چاہیے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرائض کے علاوہ بقیہ نمازیں سنن، نوافل وغیرہ گھر میں ادا فرماتے تھے۔حضرات صحابہٴ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز بھی یہی تھا۔

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ جو اپنی قوم بنی سالم کے امام تھے اور غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میری نظر کمزور ہوگئی ہے اور جب سیلاب آتا ہے تو وہ میرے اور میری قوم کی مسجد کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، اُسے پار کرنا میرے لیے مشکل ہوتا ہے، اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے گھر تشریف لائیں اور گھر کے کسی حصے میں نماز پڑھ دیں، تاکہ میں اُس کو اپنے لیے نماز کی جگہ بنا لوں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ٹھیک ہے، میں ایسا کروں گا۔اگلے روز جب دن چڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے مکان تشریف لے گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ان حضرات نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، میں نے اجازت دے دی۔ابھی بیٹھے بھی نہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

کہ تم اپنے گھر کے کس حصے کو پسند کرتے ہو کہ میں تمھارے لیے وہاں نماز پڑھ دوں؟ میں جہاں نماز پڑھنا چاہتا تھا اُس طرف اشارہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے، ہم نے آپ کے پیچھے صف بندی کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔ (إبن ماجة: کتاب المساجد و الجماعات/باب المساجد فی الدور/رقم الحدیث: ۷۵۴)

پانچواں اصول

گھریلو ماحول کو سنوارنے کا پانچواں اصول یہ ہے کہ اپنے گھر کو تلاوت کلام سے آباد کیا جائے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تجعلوا بیوتکم مقابر إن الشیطان ینفر من بیت الذی یقرء فیه سورة البقرة (مسلم: کتاب صلوۃ المسافرین و قصرھا/باب استحباب صلوۃ النافلة فی بیته و جوازھا فی المسجد/رقم الحدیث: ۷۸۰)

تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، بلا شبہ شیطان اس گھر سے راہ فرار اختیار کرتا ہے جس میں سورہ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔

آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم رات بھر دیر تک گانے سننے میں مصروف رہتے ہیں، فضولیات اور لغویات میں ہماری رات گذر جاتی ہے اور صبح کی نماز بستر کی نذر ہو جاتی ہے۔ ایک دور وہ تھا کہ جب ہم فجر کی نماز پڑھ کر اپنے گھروں کی جانب روانہ ہوتے تو ہر گھر سے کلام پاک کی تلاوت کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔ اور آج یہ ماحول بن چکا ہے کہ ہر گھر سے دیر رات تک گانے کی آوازیں آتی ہیں۔

عبد اللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ ان کی وفات کے موقع پر ان کی لڑکی رونے لگی، انھوں نے تسلی دی کہ مت رو، تمھارا والد اس گھر میں چار ہزار دفعہ قرآن مجید کی تلاوت کر چکا ہے۔(صفۃ الصفوۃ ۲/۹۸)

ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو ان کی بہن رونے لگی۔ آپ نے ان کی جانب دیکھ کر فرمایا کیوں روتی ہو؟ دیکھو گھر کے اس حصے کو! جس میں تمھارے بھائی نے بارہ ہزار دفعہ قرآن کریم کی تلاوت کی ہے۔ اسی طرح ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فرزند کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ تمھارے باپ کو ضائع نہیں کرے گا، جس نے چالیس سال سے ہر رات قرآن ختم کیا ہے۔ اور چالیس سال تک پشت کو زمین سے نہیں لگایا، چالیس سال تک روزانہ ایک ختم کرتے، اسّی رمضان کے روزے رکھے، وفات چھیانوے سال میں ہوئی۔(فصل الخطاب فی الزھد والرقائق الآداب: ۲/۵۲)

چھٹا اصول

گھریلو ماحول کو سنوارنے کا چھٹا اصول یہ ہے کہ اپنے گھر کو ذکر اللہ سے آباد کیا جائے۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس گھر کی مثال جس گھر میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر نہیں ہوتا ہے زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔(مسلم: کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا/باب استحباب صلوۃ النافلۃ فی بیتہ وجوازھا فی المسجد/رقم الحدیث: ۷۷۹)

کیا وہ بندے تھے!

دہلی میں دو شخص تھے۔ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی تھے۔ دونوں میں سے ایک بیعت تھا حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور دوسرا بیعت تھا قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لے گئے، کھانے کے لیے حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیٹھے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ پر تبلیغ کے غلبہ کا حال یہ تھا نوالہ ہاتھ میں لیتے ہوئے بھی ایک دو منٹ تبلیغ کی باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اب جو شخص حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھا وہ اپنے خالہ زاد بھائی سے جو کہ بیعت تھا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگا کہ دیکھ تیرے پیر صاحب تو کھانے میں لگے ہیں اور میرے پیر صاحب کھاتے ہوئے بھی تبلیغ کی باتیں کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھ لیا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کھانے سے فارغ ہوئے اور ہاتھ دھونے کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت مولانا الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید سے خطاب کرنے لگے کہ ارے! تم کیا جانتے ہو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو، میں نے تو ان کے حجرے کی دیواروں کو بھی ذکر کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اللہ اکبر! کیا وہ بندے تھے کہ جن کے حجرے کی دیواریں بھی ذکر کیا کرتی تھیں اور کیا وہ بندے تھے جن کی آنکھیں اس کا مشاہدہ کرلیا کرتی تھیں۔ (خطبات محمود ۳/۷۹، ۸۰)

ساتواں اصول

گھریلو ماحول کو سنوارنے کا ساتواں اصول یہ ہے کہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت کی

جائے اوران کو دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا جائیں۔ آج ہماری ساری توجہ عصری و دنیاوی تعلیم پر مرکوز ہو چکی ہے۔ عصری تعلیم کے مہلک نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ آج برادران وطن کی پوری کوشش جاری ہے اس بات پر کہ اہل ایمان کو زعفرانی رنگ میں رنگ دیا جائے۔ زعفرانی رنگ میں رنگنے کے لیے انھوں نے دو میدان تجویز کیے ہیں۔ ایک اسکول کی تعلیم اور دوسرا غربا کی غربت کا ناجائز فائدہ اٹھانا۔ ان دونوں میدانوں کے ذریعے وہ ایک حد تک کامیاب ہوتے جارہے ہیں، اور ایسے واقعات سامنے آتے ہیں کہ روح کانپ اٹھتی ہے۔ کتنی لڑکیاں دولت ایمان سے ہاتھ دھو کر مرتد ہو چکی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة ؛ إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له (مسلم: كتاب الوصيايا/ ما يلحق للإنسان من الثواب بعد وفاته/ رقم الحديث: ۱۶۳۱)

جب انسان کا انتقال ہو جاتا ہے تو عمل کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے۔ صدقۂ جاریہ، ایسا علم جس سے لوگ نفع اٹھائیں اور نیک لڑکا جو اس کے لیے دعا کرے۔

تھوڑا سا بے دین ہو گیا

شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ہمارے ایک جاننے والے اچھے خاصے پڑھے لکھے تھے، دیندار تھے، تہجد گزار تھے۔ ان کے لڑکے نے جدید انگریزی تعلیم حاصل کی تھی، جس کے نتیجے میں اس کو کہیں اچھی ملازمت مل گئی تھی۔ ایک دن وہ بڑی خوشی کے ساتھ کہنے لگے کہ ماشاء اللہ! ہمارے بیٹے نے اتنا پڑھ لیا کہ اس کو

اچھی ملازمت مل گئی اور معاشرے میں اس کو بڑا مقام حاصل ہوگیا، البتہ تھوڑا سا بے دین ہوگیا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۹۴)

اب اندازہ لگائیں کہ ان کے نزدیک معاشرے میں مقام ملنے کی تو قدر ہے، لیکن دین کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ گویا تھوڑا سا بے دین ہونا اُن کے نزدیک معمولی بات تھی۔

آٹھواں اصول

گھریلو ماحول کو سنوارنے کا آٹھواں اصول یہ ہے کہ اپنے گھروں سے ایسی چیزیں نکال دی جائیں جو گھر والوں کے خصوصاً بچوں کے بگاڑ کا سبب ہو، ان کے دینی مزاج کو برباد کرنے والی ہوں۔ مثلاً اپنے گھروں میں ٹی وی، مختلف قسم کی گیم وغیرہ نہ لائی جائیں اور ان چیزوں سے اور موبائل سے بچوں کو دور رکھا جائیں۔ آج کل بچے مختلف قسم کے کارٹونوں کو دیکھنے میں وقت ضائع کرتے ہیں حالانکہ ان چیزوں کا بچوں کی زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو بچوں میں نافرمانی پیدا کرتی ہیں اور بچوں کے عقائد کے لیے زہر قاتل ہوتی ہیں۔ اپنے گھر کی خادمہ اور نوکرانی بھی ایسی نہ ہو جو بچے کے ذہن کو اور عقائد کو بگاڑنے والی ہو۔

نواں اصول

گھریلو ماحول کو سنوارنے کا نواں اصول یہ ہے کہ آپسی اختلافات کا ذکر بچوں کے سامنے نہ کیا جائیں۔ بعض مرتبہ گھروں میں چچا، چچی، ماموں، ممانی، خالہ، خالو، پھوپھی، پھوپھا وغیرہ سے نوک جھونک ہوجاتی ہے، مگر یہ اختلافی باتیں ہرگز بچوں کے سامنے نہ کی جائیں ورنہ بچے ان کی عظمت اور مقام و مرتبت کا لحاظ نہیں رکھیں گے اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہمارا بچہ بڑوں کے

سامنے بے ادبی کرنے والا بنے گا۔

دسواں اصول

گھریلو ماحول کو سنوارنے کا دسواں اصول یہ ہے کہ اپنے گھروں میں سب کو جمع کر کے دینی کتاب کی تعلیم دی جائیں، خصوصاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ، صحابہ اور صحابیات کے احوال کی، مرنے کے بعد کیا ہوگا وغیرہ کتابوں کی تعلیم کی جائیں، تاکہ ایمان و اخلاص سے لبریز حضرات کے احوال ہمارے کانوں میں پڑتے رہیں اور ہمارے لیے مشعل راہ کا کام انجام دیتے رہیں۔

گیارھواں اصول

گھریلو ماحول سنوارنے کا گیارھواں اصول یہ ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اور گھر سے نکلتے وقت کی مسنون دعاؤں کا اہتمام کیا جائیں۔ جب گھر میں داخل ہو تو ابوداود شریف کی روایت میں یہ دعا بتلائی گئی ہے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ، وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ، بِاسْمِ اللَّهِ وَلَجْنَا، وَبِاسْمِ اللَّهِ خَرَجْنَا، وَعَلَى اللَّهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں بہترین داخلے کا اور بہترین نکلنے کا، اللہ ہی کے نام سے ہم اندر جاتے ہیں اور اللہ ہی کے نام سے ہم باہر نکلتے ہیں، اور بھروسہ کیا ہم نے اپنے رب اللہ پر۔ (أبوداود: أول كتاب الأدب/باب مايقول إذا خرج من بيته/رقم الحديث: ٥٠٩٦)

جب گھر سے باہر نکلے تو یہ دعا پڑھی جائے:

بِاسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

اللہ ہی کے نام سے نکلتا ہوں، اللہ ہی پر بھروسہ کیا اور نہیں ہے کوئی طاقت اور قوت مگر اللہ ہی کی طرف سے۔ (أبو داود: أول كتاب الأدب/باب ما يقول إذا خرج من بيته/رقم الحديث: ۵۰۹۵)

بارھواں اصول

گھریلو ماحول سنوارنے کا بارہواں اصول یہ ہے کہ گھر کے افراد کا باہمی ربط اور ایک دوسرے کے حال کا احساس ہو۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے یہی بات واضح ہوتی ہے۔ ہم اس کی تین مثالیں پیش کرتے ہیں۔

پہلی مثال

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تو اُن کا ایک بیٹا جو کافروں کے ساتھ تھا، وہ غرق ہو گیا، حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے اُس بیٹے کی بھی فکر ہوئی، اگرچہ وہ کافر تھا اور مستحق عذاب تھا، چناں چہ آپ نے دعا کی:

﴿وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝﴾ [هود: ۴۵]

اور پکارا نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو، پس کہا اے میرے پروردگار! یقیناً میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور بیشک تیرا وعدہ برحق ہے اور تو احکم الحاکمین ہے۔

دوسری مثال

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا باپ کافر ہے، مگر آپ کو اپنے والد کی جب فکر

لاحق ہوئی تو میٹھے انداز میں انھیں سمجھاتے ہیں:

﴿ يَاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ۝﴾

[مریم: ۴۲]

اے میرے پیارے والد! آپ ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہے اور نہ دیکھتی ہے اور نہ آپ کے کسی کام آتی ہے؟

تیسری مثال

جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی بستی تباہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فوراً فکر لاحق ہوئی، پس آپ نے فرمایا:

﴿قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا﴾ [العنکبوت: ۳۲]

آپ نے فرمایا کہ اُس بستی میں تو لوط ہے۔

تیرھواں اصول

گھریلو ماحول سنوارنے کا تیرہواں اصول یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو فطرتاً وعقلاً ناقص بنایا ہے، مگر کبھی کبھی اُن سے مشورے لیتے رہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا جائزہ لینے سے بھی یہی بات سامنے آتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کرنا

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صلح نامہ لکھا گیا اور آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو بال منڈوانے اور قربانی کرنے کا حکم دیا تو کوئی کھڑا نہ ہوا۔ سب کے دل ٹوٹے ہوئے تھے، ان کے خواب چکنا چور ہو گئے تھے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمے میں تشریف لائے اور حضرت ام سلمہ

رضی اللہ عنہا جو اس سفر میں ساتھ تھیں، اُن سے یہ بات پیش کی تو انھوں نے شاندار مشورہ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر عمل بھی کیا۔ ان کا مشورہ یہی تھا کہ آپ اپنے اصحاب کو کچھ نہ کہیے، بلکہ خود اپنی قربانی کر کے حلق کر لیجیے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل کو دیکھ کر سب نے قربانی اور حلق کر لیا۔ (بخاری: کتاب الشروط فی الجهاد و المصالحة عم اهل الحرب/ رقم الحدیث: ۲۷۳۲)

چودھواں اصول

گھریلو ماحول سنوارنے کا چودھواں اصول یہ ہے کہ بیوی کو چاہیے کہ شوہر کی حیثیت سے بڑھ کر فرمائش نہ کرے، اس کی خوشیوں میں شریک ہو، پریشانی میں اس کی ڈھارس بندھائے، اس کی طرف سے تکلیف پہونچنے کی صورت میں صبر کرے اور خاموش رہے، بات بات پر منہ نہ پُھلائے، برتن نہ پچھاڑیے، شوہر کا غصّہ بچوں پر نہ اتارے، کہ اس سے حالات مزید بگڑیں گے۔ اسے دوسروں سے حقیر ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں، اس پر اپنے اِحسانات نہ جتائیں، کھانے پینے، صفائی ستھرائی اور لباس وغیرہ میں اس کی پسند کو اہمیت دیں ،الغرض اسے راضی رکھنے کی کوشش کرے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو وہ جنت میں داخل ہوگی۔ (ترمذی: ابواب الرضاع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة/ رقم الحدیث: ۱۱۶۱)

پندرھواں اصول

گھریلو ماحول سنوارنے کا پندرھواں اصول یہ ہے کہ اپنے لیے، اپنی اولاد اور گھر

والوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے خیر اور سکون کی دعا مانگتے رہیں۔ احقر کی ناقص رائے کے مطابق اِن دو دعاؤں کا اہتمام کریں۔

﴿رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعۡيُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِيۡنَ اِمَامًا۝﴾ [الفرقان:۷۴]

﴿رَبِّ اَوۡزِعۡنِىۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰٮهُ وَاَصۡلِحۡ لِىۡ فِىۡ ذُرِّيَّتِىۡ ۚ اِنِّىۡ تُبۡتُ اِلَيۡكَ وَاِنِّىۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ۝﴾ [الأحقاف:۱۵]

خلاصہ یہ ہے کہ مسائل و پریشانیاں تو ہر گھر کا مسئلہ ہے، جس کی وجہ سے گھروں میں سکون نہ ہونے کے ساتھ ساتھ بے برکتی بھی پیدا ہوتی ہے۔ مگر ماقبل میں جو پندرہ اصول بیان کیے گئے، اگر اِن کی رعایت کی جائے تو گھروں میں چین، سکون اور اطمینان قائم ہوگا اور گھر کا ماحول خوشگوار ہوگا۔

اللہ رب العزت ہمارے گھریلو ماحول کو سنوار دیں اور ہر اُس چیز سے جو گھریلو ماحول پر مضر اثرات لانے والی ہو، اُن سے ہم سب کی حفاظت فرمائیں (آمین)

وصلى الله على النبي الكريم

مضمون:(۸)

حقوق مسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝﴾ [الحجرات:۱۰]

تمہید

یہ سورۂ حجرات کی دسویں نمبر کی آیت ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے۔جب سارے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں،تو اب ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے مسلمان کے ساتھ بھائی جیسا سلوک کریں۔مسلمان مسلمان کا بھائی اُسی وقت ہوسکتا ہے اور اچھا سلوک اُسی وقت کرسکتا ہے جب کہ وہ اپنے بھائی کے حقوق کو ادا کرنے والا ہو۔لہٰذا آج کی مجلس میں ہم سمجھیں گے کہ ایک مسلمان کے دوسر مسلمان پر حقوق کیا کیا ہیں؟

مسلمان کے حقوق کے سلسلے میں مختلف روایات ہیں،جن میں الگ الگ حقوق بیان فرمائے گئے ہیں۔اُن میں سے ایک روایت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا مسلمان پر مسلمان کے چھ حقوق ہیں جو حسن سلوک سے متعلق ہیں۔(۱) جب کوئی مسلمان ملے تو اس کو سلام کرنا۔(۲) جب کوئی مسلمان کھانے کے لیے یا کسی اور غرض سے بلائے تو اس کو قبول کرنا۔(۳) جب کوئی مسلمان چھینکے تو اس پر یرحمک اللّٰہ کہنا۔(۴) جب کوئی مسلمان بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا۔(۵) جب کسی مسلمان کا انتقال ہوجائے

تو اس کے جنازے کے ساتھ جانا۔ (۶) مسلمان کے لیے اس چیز کو پسند کرنا جس کو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (مسلم: کتاب السلام/باب من حق المسلم للمسلم رد السلام/رقم الحدیث: ۲۱۶۲)

پہلا حق

حدیث مذکور میں مسلمان کے چھ حقوق بیان فرمائے گئے ہیں، جن میں پہلا حق یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی سے جب ملے تو سلام کرے۔ متعدد روایات میں سلام کی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چناں چہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے انور کو دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ چہرہ اقدس کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد جو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا وہ یہ تھا کہ لوگو! سلام کو ظاہر کرو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، رشتے داروں سے حسن سلوک کرو، نیز رات میں اس وقت تہجد کی نماز پڑھو جب کہ لوگ سوتے ہو۔ (اگر یہ کروں گے) تو جنت میں سلامتی کے ساتھ (یعنی بغیر عذاب کے) داخل ہو جاؤں گے۔ (ترمذی: أبواب صفة القيامة والرقائق والورع/رقم الحدیث: ۲۴۸۵)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اہل اسلام کی کون سی خصلت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کھانا کھلانا اور ہر شناسا و ناشناسا کو سلام کرنا۔ (بخاری: کتاب الإيمان/باب إطعام الطعام من الإسلام/رقم الحدیث:

(۱۲

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم جب تک کہ ایمان نہ لاؤ جنت میں داخل نہیں ہوسکوں گے، اور تمھارا ایمان اس وقت کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ تم اللہ کی رضا خوشنودی کے لیے آپس میں تعلق و دوستی قائم نہ کرو۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور کیا میں تمھیں ایک ایسا ذریعہ نہ بتادوں جس کو تم اختیار کرو تو آپس میں دوستی کا تعلق قائم ہوجائے اور وہ ذریعہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کا چلن عام کرو یعنی آشنا و نا آشنا سب کو سلام کرو۔ (مسلم: کتاب الإیمان/باب لا یدخل الجنة إلا المؤمنون/رقم الحدیث: ۵۴)

حضرت شیخ الادب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عمل

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور تھا کہ سلام کرنے میں کوئی ان سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ ایک صاحب ایک مرتبہ حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ کو آتا دیکھ کر چھپ گئے اور جیسے ہی وہ قریب آئے ان کو سلام کر دیا۔ پھر اپنے اس عمل کو فخر سے بیان فرماتے تھے کہ میں حضرت شیخ الادب کو سلام کرنے میں آگے بڑھ گیا۔ (حدیث کے اصلاحی مضامین: ۱۰/۲۱۶)

بعض روایات میں سلام کرنے کے بجائے سلام کا جواب دینا وارد ہوا ہے۔ سلام کا جواب دینا واجب ہے اور سلام میں پہل کرنا سنت ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا واجب ہے تو پھر سلام میں پہل کرنے والا افضل کیوں ہے؟

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جواب دینے والے پر جو سلام کا جواب واجب ہوا،

یہ سلام کرنے والے کے عمل کے سبب سے ہی ہوا ہے، تو گویا جواب دینے والے کو جو فضیلت حاصل ہوئی اس کا سبب بھی سلام کرنے والا ہی بنا ہے، اس لیے سلام میں پہل کرنے والے کا ثواب زیادہ ہے۔ اس کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی بیان کیا گیا کہ سلام کرنے والا سامنے والے پر پہلے احسان کرتا ہے اور جواب دینے والا تو بعد میں جواب دے کر احسان کا بدلہ چکاتا ہے، اس لیے جو پہلے احسان کر رہا ہے، وہی افضل ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور سنت کے مطابق باہر سے اجازت طلب کرنے کے لیے سلام کیا السلام علیکم۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب تو دیا مگر آہستہ کہ حضور نہ سنیں، آپ نے دوبارہ پھر سہ بارہ سلام کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سنتے اور آہستہ جواب دیتے رہے۔ تین مرتبہ ایسا کرنے کے بعد آپ لوٹ گئے جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اب آواز نہیں آرہی تو گھر سے نکل کر پیچھے دوڑے اور یہ عذر پیش کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے ہر مرتبہ آپ کی آواز سنی اور جواب بھی دیا مگر آہستہ دیا تاکہ زبان مبارک سے زیادہ سے زیادہ سلام کے الفاظ میرے بارے میں نکلیں وہ میرے لیے موجب برکت ہوگا (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو طریقہ سنت بتلا دیا کہ تین مرتبہ جواب نہ آنے پر لوٹ جانا چاہیے) اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر ساتھ لے گئے انھوں نے کچھ مہمانی کی آپ نے اس کو قبول فرمایا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ عمل غلبہ عشق و محبت کا اثر تھا کہ اس وقت ذہن اس طرف نہ گیا

کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازے پر تشریف فرما ہیں مجھے فوراً جا کر ان کے قدم چوم لینے چاہیے، بلکہ ذہن اس طرف متوجہ ہو گیا کہ آپ کی زبان مبارک سے السلام علیکم جتنی مرتبہ زیادہ نکلے گا میرے لیے زیادہ مفید ہوگا۔ (المصنف لعبد الرزاق: ۱۰/۳۸۲، رقم: ۱۹۴۲۵)

دوسرا حق

حدیث مذکور میں مسلمان کا دوسرا حق یہ بتایا گیا کہ اُس کی دعوت قبول کی جائے۔ دعوت قبول کرنے کا مقصد مسلمان کی دل داری اور اُس کی حوصلہ افزائی ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت زیاد بن انعم الافریقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سمندر کا سفر کر رہے تھے کہ ہماری کشتی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی کشتی سے جا ملی۔ جب ہمارا دوپہر کا کھانا آ گیا تو ہم نے انھیں بھی کھانے کے لیے بلا بھیجا۔ اِس پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم نے مجھے بلایا ہے، لیکن میں روزے سے ہوں، مگر پھر بھی میں تمھاری دعوت ضرور قبول کروں گا، کیوں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسلمان کے اپنے بھائی پر چھ حق واجب ہیں، اگر اُن میں سے ایک بھی کام چھوڑے گا تو وہ اپنے بھائی کا حقِ واجب چھوڑنے والا ہوگا۔ اُن میں سے ایک ہے کہ جب وہ اُسے کھانے کی دعوت دے تو وہ ضرور اُسے قبول کرے۔ (الأدب المفرد/ص: ۳۲۴، رقم ۹۲۲)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے اپنی شادی کے موقع پر حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ کو ولیمے کی دعوت دی۔ اُس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین تھے، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ولیمہ کھانے کے لیے تشریف لائے تو فرمایا کہ میرا تو روزہ تھا، لیکن میں نے چاہا کہ آپ کی دعوت قبول کرلوں، اور آپ کے لیے برکت کی دُعا کردوں، یعنی آنا ضروری ہے کھانا ضروری نہیں۔ (الزھد لأحمد بن حنبل / ص: ۱۵۶، رقم الحدیث: ٦٨٩)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک طالب علم نے دعوت کی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شرط سے منظور ہے کہ خود کچھ مت پکانا، گھروں میں جو تمھاری روٹیاں مقرر ہیں، وہی ہم کو کھلا دینا۔ اُس نے منظور کرلیا۔ جو کھانا آیا وہی حضرت کے سامنے رکھ دیا اور حضرت نے تناول فرمالیا۔ (حکایات اسلاف دیوبند: ص: ٦٨)

تیسرا حق

حدیث مذکور میں مسلمان کا تیسرا حق یہ بتایا گیا کہ جب کوئی مسلمان چھینکے تو اس پر یرحمک اللّٰہ کہا جائے۔ اِس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اُس کے حق میں اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کیا جاتا ہے اور دوسرے اِس سے باہمی اُلفت و محبت اور بھائی چارے کی بنیاد پڑتی ہے، اور اسلامی تعلیمات کا معاشرے میں فروغ ہوتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کوئی چھینک مارے اور ''الحمد للّٰہ'' کہے تو تم اسے دعا دو۔ اور اگر وہ ''الحمد للّٰہ'' نہ کہے تو تم اس کے لیے دعا نہ کرو۔ (مسلم: کتاب الزھد و الرقائق / باب تسمیت العاطس / رقم الحدیث: ۲۹۹۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، دو آدمیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چھینک ماری تو آپ نے ان میں سے ایک کو چھینک کا جواب دیا، جب کہ دوسرے کو نہ کہا۔ تو اس شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی جب کہ میرے لیے دعا نہیں فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس لیے کہ اس نے ''الحمدللہ'' کہا، جب کہ تم نے ''الحمدللہ'' نہیں کہا۔ (بخاری: کتاب الأدب/باب الحمد للعاطس/رقم الحدیث: ۶۲۲۱)

حضرت امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا اتباعِ سنت کا عجیب واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ دریا کے کنارے کھڑے تھے، دریا میں آدھے فرلانگ پر بڑے پانی میں جہاز کھڑا تھا۔ اس جہاز میں ایک شخص کو چھینک آئی اور آواز امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کے کان میں پڑی۔ آپ نے تین درہم میں کشتی کرائے پر لی، اس میں بیٹھ کر جہاز تک پہنچے اور وہاں جا کر اسے ''یرحمک اللہ'' کہا، حالانکہ شرعاً وجوبِ جواب کے لیے مجلس کی قید ہے اور یہاں مجلس نہیں تھی۔ غیب سے آواز آئی، اے ابوداود! آج تین درہم میں تم نے جنت خرید لی۔ (زبدۃ المقصود فی حل قال ابوداود/ص: ۳۶)

چوتھا حق

حدیث مذکور میں مسلمان کا چوتھا حق یہ بتایا گیا کہ جب کوئی مسلمان بیمار ہو تو اس کی عیادت کی جائے۔ مریض کی عیادت اور اُس کی بیمار پرسی کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اُس کے حق میں دُعا ہو جائے، اُس کی حوصلہ افزائی ہو جائے، وہ خوش ہو جائے اور اِس سے اُس کا مرض

خفیف اور ہلکا ہو جائے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عیادت فرمانا

کتب احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بیمار ہو گیا، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیدل چل کر میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ میں اُس وقت بے ہوش تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا، اور اپنے وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا، جس سے مجھے افاقہ ہو گیا، میں ہوش میں آیا تو دیکھا کہ حضور اقدس تشریف فرما ہیں۔ (بخاری: کتاب المرضیٰ/باب عیادۃ المغمیٰ علیہ/رقم الحدیث: ۵۶۵۱)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بیمار دیہاتی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کسی بیمار کے پاس عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو اُس کو یوں دُعا دیتے کہ کوئی ڈر کی بات نہیں، ان شاء اللہ! یہ بیماری گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے۔ (بخاری: کتاب المناقب/باب علامات النبوۃ فی الإسلام/رقم الحدیث: ۳۶۱۶)

پانچواں حق

حدیث مذکور میں مسلمان کا پانچواں حق یہ بتایا گیا کہ جب کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے، جس طرح زندگی میں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے ذمے کچھ حقوق ادا کرنا ضروری ہوتے ہیں، اسی طرح اُس کے مرجانے کے بعد

بھی مسلمانوں پر اُس کا یہ حق ضروری اور فرضِ کفایہ ہوتا ہے کہ اُس کے جنازے کے پیچھے چل کر اُس کی نماز جنازہ ادا کی جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جنازے کے ساتھ چلا اور اس پر نماز پڑھی تو اس کو ایک قیراط کے برابر ثواب ملے گا اور جو شخص میت کی تدفین تک جنازے کے ساتھ رہا تو اس کو دو قیراط کے برابر ثواب ملے گا اور یہ قیراط ایسے ہیں کہ ان میں سے چھوٹا قیراط بھی احد پہاڑ جیسا ہے۔(بخاری: کتاب الجنائز/باب من إنتظر حتی تدفن/رقم الحدیث: ۱۳۲۵)

چھٹا حق

حدیث مذکور میں مسلمان کا چھٹا حق یہ بتایا گیا کہ مسلمان کے لیے اس چیز کو پسند کرے جس کو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔حضرت امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی منتخبہ چار روایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے، جو اپنے لیے کرتا ہے۔(بخاری: کتاب الإیمان/باب من الإیمان أن یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ/رقم الحدیث: ۱۳)

ایک عجیب واقعہ

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم کے اندر ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ کسی کے گھر میں چوہوں کی کثرت ہوگئی تو کسی نے بلی پالنے کا مشورہ دیا کہ اس طرح چوہے تمھارے گھر سے فرار ہوجائیں گے۔تو گھر والے نے کہا کہ مجھے اس بات کا خطرہ ہے

کہ بلی کی آواز سن کر چوہے میرے گھر سے نکل کر میرے پڑوس کے گھر میں چلے جائیں گے اور میں جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہی چیز اپنے پڑوسی کے لیے پسند کرنے لگوں؟ (احیاء العلوم مترجم: ۲/ ۳۴۳)

ان چھ حقوق کے علاوہ اور بھی حقوق ہیں، جن کو ہم مختصراً سمجھتے ہیں۔

ساتواں حق

مسلمان کا ساتواں حق یہ ہے کہ جب بھی اپنے بھائی سے ملے تو خندہ پیشانی سے، ہنستے چہرے کے ساتھ ملے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے پاس آنے سے کبھی منع نہیں فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی مجھے دیکھتے تو ہنس پڑتے۔ (بخاری: کتاب الجهاد والسير/ باب من لا يثبت على الخيل/ رقم الحديث: ۳۰۳۵)

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو نصیحتیں فرمائی تھی، اُن میں ایک یہ بھی تھی کہ جب تم اپنے کسی بھائی سے ملاقات کرو تو خندہ پیشانی اختیار کرو یعنی جب تم کسی سے ملو، تو اس سے تواضع اور خوش کلامی سے پیش آؤ تاکہ تمھارے اس حسن خلق کی وجہ سے اس کا دل خوش ہو، کیونکہ یہ بھی ایک نیکی ہے۔ (أبو داود: كتاب اللباس/ باب ماجاء في إسبال الإزار/ رقم الحديث: ۴۰۸۴)

آٹھواں حق

مسلمان کا آٹھواں حق یہ ہے کہ جب وہ مہمان بن کر آئے تو اُس کی مہمان نوازی کی

جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے، جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے، تو وہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے اور جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے، وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ (بخاری: كتاب الأدب/ باب إكرام الضيف وخدمتة إياه بنفسه/ رقم الحديث: ٦١٣٥)

حضرت ابوالاحوص جشمی رضی اللہ عنہ اپنے والد کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ انھوں نے نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر کسی کے پاس میرا گذر ہوا اور وہ میری ضیافت اور مہمانی کا حق ادا نہ کرے اور پھر کچھ دنوں کے بعد اس کا گذر میرے پاس ہو تو کیا میں اس کی مہمانی کا حق ادا کروں؟ یا اس کی بے مروّتی اور بے رخی کا بدلہ اسے چکھاؤں؟ یہ سن کر نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ تم ہر حال میں اس کی مہمانی کا حق ادا کرو۔ (ترمذی: أبواب البر و الصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/ باب ما جاء في الإحسان و العفو/ رقم الحديث: ٢٠٠٦)

مہمان نوازی کا عجیب واقعہ

ایک مرتبہ ایک مہمان دربار نبوی میں آیا۔ چونکہ اس وقت کے لحاظ سے ایک شخص کی مہمان نوازی بھی آسان نہ تھی۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو تحریک فرمائی اور فرمایا کہ جو شخص اس کی مہمان نوازی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحم کی امید پر اپنے گھر میں موجود سامان خورد و نوش کا جائزہ لیے بغیر حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں اس مہمان کو اپنے ساتھ گھر لے جاتا ہوں۔

چناں چہ اسے ساتھ لے گئے۔

گھر پہنچے تو بیوی سے معلوم ہوا کہ کھانے کو کچھ نہیں۔ صرف اتنا ہی کھانا ہے جو بچوں کے لیے بمشکل کفایت کر سکے گا، لیکن بیوی کی طرف سے مایوس کن اطلاع کے باوجود انھیں کوئی تشویش نہ ہوئی۔ اور جذبہ مہمان نوازی میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ نے بیوی سے کہا کہ زیادہ فکر تو بچوں کا ہی ہے، لیکن ان کو پیار دلاسا دے کر بھوکا ہی سلا دو۔ مگر ایک مشکل ابھی بھی باقی تھی اور وہ یہ کہ اس وقت کے رسم و رواج کے مطابق مہمان گھر والوں کو ساتھ شریک کرنے پر اصرار کرے گا۔

غالباً اُس وقت تک پردہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ اور اس کا حل یہ سوچا گیا کہ جب شوہر مہمان کے ساتھ کھانے پر بیٹھے تو بیوی روشنی ٹھیک کرنے کے بہانے سے چراغ گل کر دے اور پھر دونوں ساتھ بیٹھ کر یونہی منہ مارتے رہیں کہ گویا کھانا کھا رہے ہیں، لیکن دراصل کچھ نہ کھائیں اور اس طرح مہمان سیر ہو کر کھانا کھا لے۔

چناں چہ اس ایثار پیشہ خاندان نے ایسا ہی کیا۔ بچوں کو فاقے سے بہلا کر سلا دیا گیا۔ بیوی نے روشنی بجھا دی اور میاں بیوی ساتھ بیٹھ کر یونہی مچا کے مارتے رہے کہ گویا بڑے مزے سے کھانا کھا رہے ہیں۔ اس طرح گھر کے سب لوگ تو فاقہ سے رہے اور مہمان نے سیر ہو کر کھانا کھا لیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے اس کی خبر دی۔

جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ہنستے ہوئے فرمایا کہ رات تم نے مہمان کے ساتھ کیا کیا؟ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا کیا؟

آپ ﷺ نے فرمایا جو کچھ تم نے کیا اُسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ عرش پر ہنسا اور اس لیے میں بھی ہنسا ہوں۔(بخاری: کتاب مناقب الأنصار/باب ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة/ رقم الحدیث: ۳۷۹۸)

مہمان نوازی کا دوسرا واقعہ

ایک دفعہ قبیلہ قیس کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے انصار کو ان کی مہمان نوازی کا ارشاد فرمایا۔ چناں چہ انصار ان مہمانوں کو لے گئے۔ صبح وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمھارے میز بانوں نے تمھاری کیسی خدمت کی؟ انھوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! بڑے اچھے لوگ ہیں۔ ہمارے لیے نرم بستر بچھائے، عمدہ کھانے کھلائے اور پھر رات بھر کتاب وسنت کی تعلیم دیتے رہے۔(مسند أحمد: مسند المکیین/بقیة حدیث وفد عبد القیس/رقم الحدیث: ۱۵۵۵۹)

نواں حق

مسلمان کا نواں حق یہ ہے کہ مسلمان کی حاجت پوری کرنے کی حتی الامکان کوشش کریں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کی کسی دنیوی پریشانی کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی اخروی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کو دور فرمائے گا اور جو کسی محتاج کے لیے آسانی فراہم کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرت میں آسانی فراہم کرے گا اور جو کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ اس وقت بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔(ترمذی: أبواب الحدود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب ما

جاء فی الستر علی المسلم/رقم الحدیث: ۱۴۲۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا عجیب واقعہ

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مسجد میں معتکف تھے۔ ایک شخص نے آ کر کہا کہ مجھے ایک حاجت ہے، مجھ پر فلاں کا حق ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ ان کی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں مجھ پر اتنا بڑا حق ہے کہ میں ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں فلاں سے تمھاری سفارش کروں جس کا تم پر حق ہے؟ اس نے کہا جیسی آپ کی مرضی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی جوتی لی اور مسجد سے باہر نکلے، اس نے یاد دلایا کہ حضرت! آپ تو معتکف ہیں، اعتکاف کی حالت میں باہر کیوں نکلے؟ کیا آپ کو اعتکاف یاد نہیں رہا؟ فرمایا مجھے اپنا اعتکاف خوب یاد ہے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اور ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ میں نے یہ حدیث اپنے کانوں سے سنی ہے، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی حاجت پورا کرنے کے لیے چلے کہ میں اس کی حاجت پورا کردوں گا، تو یہ دس برس کے اعتکاف سے بہتر ہے۔ اور جس نے اعتکاف کیا ایک دن کا اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل فرمائیں گے، اور ان میں سے ہر خندق اتنی بڑی ہے جیسے آسمان وزمین کی مسافت۔ جب ایک دن کے اعتکاف کی یہ فضیلت ہے تو دس برس کے اعتکاف کی فضیلت کیا ہوگی؟ اور دس برس کے اعتکاف سے بڑھ کر ہے کسی کی حاجت پورا کرنا، جس پر بزرگان دین نے عمل کر کے بتلایا۔ (المعجم الأوسط للطبرانی: ۱۶۰/۸، رقم الحدیث: ۷۳۲۲)

دسواں حق

مسلمان کا دسواں حق ہے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرنا۔ ابھی حدیث گذری کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ اُس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

پردہ پوشی کی عجیب فضیلت

ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے منشی حضرت دُخین ابو الہیثم کہتے ہیں میں نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے کہا ہمارے چند پڑوسی شراب پیتے ہیں، میں اُن کے لیے پولیس کو بلانا چاہتا ہوں تاکہ وہ ان کو پکڑ لیں۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا ایسے نہ کرو، بلکہ ان کو وعظ و نصیحت کرو اور ان کو ڈراؤ! میں نے کہا میں نے ان کو روکا تھا، لیکن وہ رکے نہیں، اس لیے میں تو اب ان کے لیے پولیس کو بلانا چاہتا ہوں تاکہ وہ ان کو پکڑ لیں۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا تمھارا ناس ہو! ایسے نہ کرو! کیوں کہ میں نے حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے کسی مسلمان کے عیب کو چھپایا تو گویا اس نے زندہ درگور لڑکی کو زندہ کیا۔ (أبو داود: کتاب الأدب/باب فی الستر علی المسلم/رقم الحدیث: ۴۸۹۲)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جامع مسجدِ کوفہ کے وضو خانہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک نوجوان کو وُضو بناتے ہوئے دیکھا۔ اس سے وضو میں استعمال شدہ پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے بیٹے! ماں باپ کی نافرمانی سے توبہ کر لے۔ اس نے فوراً عرض کیا کہ میں نے توبہ

کی۔ایک اور شخص کے وضو میں اِستعمال ہونے والے پانی کے قطرے ٹپکتے دیکھے۔آپ نے اُس شخص سے ارشاد فرمایا کہ اے میرے بھائی! تو زنا سے توبہ کرلے۔اس نے عرض کیا کہ میں نے توبہ کی۔ایک اور شخص کے وضو کے قطرات ٹپکتے دیکھے تو اسے فرمایا کہ شراب نوشی اور گانے باجے سُننے سے توبہ کرلے۔اس نے عرض کیا میں نے توبہ کی۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر کشف کے باعث چونکہ لوگوں کے عیوب ظاہر ہوجاتے تھے۔ لٰہذا آپ نے بارگاہِ خداوندی میں اس کشف کے ختم ہوجانے کی دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمالی،جس سے آپ کو وضو کرنے والوں کے گناہ جھڑتے نظر آنا بند ہوگئے۔(المیزان الکبریٰ: ۱/۱۳۰)

گیارھواں حق

مسلمان کا گیارھواں حق یہ ہے کہ مسلمان بھائی کی اپنے ہاتھ، پیر اور زبان کے شر سے حفاظت کی جائے۔

بارھواں حق

مسلمان کا بارھواں حق یہ ہے کہ اُس کی خیر خواہی کی جائے۔حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی شرطوں کے ساتھ بیعت کی تھی۔(بخاری : کتاب الإیمان/باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ/رقم الحدیث:۵۷)

خیر خواہی کا عجیب واقعہ

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ نصیحتوں کو مضبوط تھام لیا تھا۔چناں چہ اُن

کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے ایک گھوڑا تین سو درہم کے عوض خرید کیا، انھوں نے بیچنے والے سے کہا کہ تمھارا یہ گھوڑا تو تین سو درہم سے زیادہ قیمت کا ہے، تم اس کی قیمت چار سو درہم لو گے؟ اس نے کہا کہ اے ابن عبداللہ! تمھاری مرضی پر موقوف ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ گھوڑا تو چار سو درہم سے بھی زیادہ کا معلوم ہوتا ہے، تم کیا اس کی قیمت پانچ سو درہم لینا پسند کرو گے؟ وہ اسی طرح اس کی قیمت سو سو درہم بڑھاتے گئے اور آخر کار انھوں نے اس گھوڑے کی قیمت میں آٹھ سو درہم ادا کیے۔ جب لوگوں نے ان سے گھوڑے کی قیمت بڑھانے کا سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بیعت کی تھی کہ ہر مسلمان سے خیر خواہی کروں گا (چناں چہ جب میں نے دیکھا کہ اس گھوڑے کا مالک وہ قیمت طلب نہیں کر رہا جو حقیقت میں ہونی چاہیے تو میں نے اس کی خیر خواہی کے پیش نظر اس کو زیادہ سے زیادہ قیمت ادا کی۔ (مظاہر حق: ۴/۵۰۰)

تیرھواں حق

مسلمان کا تیرھواں حق یہ ہے کہ اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دعائیں کی جائے۔

حدیث شریف میں ہے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کی اپنے بھائی کے حق میں پیٹھ پیچھے دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کے سر پر ایک فرشتہ متعین ہوتا ہے اور جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے دعائے خیر کرتا ہے تو اس پر یہ متعین کردہ فرشتہ کہتا ہے کہ آمین، اور تیرے لیے بھی اس کی مثل ہو۔ (مسلم: کتاب الذکر والدعاء والإستغفار/ باب فضل الدعاء للمسلمین بظہر الغیب/ رقم الحدیث: ۲۷۳۳)

چودھواں حق

مسلمان کا چودھواں حق یہ ہے کہ اُس کے ساتھ ہدیہ لیتے دیتے رہیں۔ حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے آپس میں ہدیہ لیتے دیتے رہو، اس لیے کہ ہدیہ دل کی کدورت کو دور کرتا ہے، کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے ہدیے کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کے کھر کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ (ترمذی: أبواب الولاء الهبة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/ باب حث النبي صلى الله عليه وسلم على التهادى/ رقم الحديث: ۲۱۳۰)

آپسی ہدیے کی بہترین مثال

آپس میں ہدیہ لینے دینے کی بہترین مثال یہ ہے کہ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ دیہات کے رہنے والے ایک صحابی تھے۔ وہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت آتے تو گاؤں کی چیزیں لا کر آپ ﷺ کو ہدیے میں پیش کیا کرتے تھے۔ دوسری طرف حضور اقدس ﷺ بھی شہر کی چیزیں اُن کو ہدیے میں دیا کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی/ رقم الحديث: ۲۲۶)

میرے کفن میں کام آئے گی

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بنی ہوئی چادر لے کر آئی اور کہنے لگی کہ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے بنا ہے تاکہ میں اسے آپ کو پہناؤں۔ نبی ﷺ نے اسے اپنی ضرورت کی چیز سمجھتے ہوئے لے لیا۔ پھر آپ ﷺ اسے تہ بند کے طور پر باندھ کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ تو ایک صاحب نے کہا کہ یہ تو آپ مجھے دے دیجیے۔ کس قدر خوبصورت ہے یہ چادر! آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا۔ پھر آپ ﷺ مجلس میں بیٹھ گئے۔ پھر واپس گئے اور اس چادر کو لپیٹ کر اس شخص کی طرف بھیج دیا۔ پس لوگوں نے اس سے کہا کہ تو نے اچھا نہیں کیا۔ نبی ﷺ نے یہ چادر اپنی

ضرورت سمجھ کر پہنی تھی، لیکن تم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مانگ لی اور تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کسی سائل کو واپس نہیں کرتے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں نے اسے پہننے کے لیے نہیں مانگی ہے، بلکہ میں نے تو اسے اس لیے مانگا ہے تا کہ یہ میرا کفن بنے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پس یہ چادر اس کے کفن ہی کے کام آئی۔ (بخاری: کتاب البیوع / باب ذکر النساج / رقم الحدیث: ۲۰۹۳)

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سوال کرنے والے صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ (اللہ سے شرم کیجیے/ص: ۱۷۰)

تم فاطمہ کو دے دو

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ''حُلّہ'' (چادروں کا جوڑا) ہدیے کے طور پر پیش کیا گیا جس کا تانا بانا ریشم سے بنا ہوا تھا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ ''حلہ'' میرے پاس بھیج دیا۔ میں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں اسے کیا کروں؟ کیا میں اسے پہن سکتا ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! اس سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اوڑھنیاں بنا کر دے دیجیے۔ (ابن ماجۃ / کتاب اللباس / باب لبس الحریر و الذھب للنساء / رقم الحدیث: ۳۵۹۶)

ایک بزرگ کی خدمت میں عجیب ہدیہ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہدیہ لانے کے لیے پاس کچھ تھا نہیں، راستے میں خشک لکڑیوں کا ایک گٹھا باندھا اور لا کر بہ طور ہدیہ پیش کر دیا۔ اُن بزرگ نے اس کی اتنی قدر کی کہ ان لکڑیوں کو احتیاط

کے ساتھ رکھے رکھا اور وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد غسل کے لیے جو پانی گرم کیا جائے وہ اسی سوختہ سے کیا جائے۔ (حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات/ص:۱۶۷)

پندرھواں حق

مسلمان کا پندرھواں حق یہ ہے کو طلب کرنے پر اُس کو اچھا مشورہ دے کر اُس کی خیر خواہی کی جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی سے مشورہ کیا اور اس نے اسے کوئی ایسا مشورہ دیا جس کے علاوہ میں وہ کامیابی سمجھتا ہو تو اس نے اس کے ساتھ خیانت کی۔ (مسند أحمد: مسند أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ/ رقم الحدیث:۸۷۷۶)

سبق آموز واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بڑا عجیب ہے۔ آپ تھانہ بھون کے رہنے والے تھے۔ تھانہ بھون ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ وہاں آپ کا ایک پڑوسی تھا۔ اور وہ خان صاحب تھا اور ملٹری میں ملازم تھا۔ کریلا اور نیم چڑھا۔ ملٹری بھی کس کی؟ جی حضوری کا دور تھا، انگریزوں کا زمانہ تھا۔ اس زمانے کا حال یہ تھا کہ اگر کوئی ملٹری میں ملازم ہو تو وہ بھی اپنے آپ کو بڑا افسر سمجھتا تھا۔ اس کی جانب سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچتی تھیں۔ لیکن اس کو راہ راست پر کون لائے؟ اور کیسے لائے؟ اردو کی کہاوت ہے ''بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے؟'' اب ایک ہی شکل ہے کہ حضرت کے پڑوس سے اس کو ہٹایا جائے کہ وہ یہاں سے کہیں اور چلا جائے۔ اس پر زبردستی تو نہیں کر سکتے کہ اول تو وہ خان صاحب ہے اور اوپر سے ملٹری میں ہے۔ شکل صرف یہی ہے کہ کسی طرح اس کے مکان کو خرید لیا جائے۔ اسے منہ مانگی رقم دی جائے تاکہ وہ اپنے مکان کو فروخت کرنے پر راضی ہو جائے۔ مگر ذرا اس بات کا ہے کہ

اگر اسے پتہ چل گیا کہ اسے یہاں سے ہٹانا مقصود ہے اس لیے منہ مانگی رقم دی جا رہی ہے تو وہ خان صاحب اکڑ جائیں گے اور مکان فروخت کرنے پر ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ اس لیے بہت دور سے ڈورے ڈالے گئے تاکہ اس کو کسی طرح پتہ ہی نہ چلے۔ دلالوں کو بھیجا اور اس کو کہلوایا کہ کیا بھائی تم اپنا مکان فروخت کرنا چاہتے ہو؟ دلال اس کے مکان پر پہنچنے لگے اور قیمت بڑھانا شروع کیا۔ کسی نے کہا میرے پاس ایک پارٹی ہے جو منہ مانگی قیمت دینے کو تیار ہے۔ دلالوں کی باتیں سن کر وہ خان صاحب بہت خوش ہوئے اور مشورہ کرنے کے لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آ پہنچے۔ حضرت کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میرا مکان فروخت ہو رہا ہے اور منہ مانگی قیمت بھی مجھے مل رہی ہے تو میں کیا کروں؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ بھائی! جب تمھیں منہ مانگی قیمت مل رہی ہے تو پھر اپنا مکان فروخت کر دو۔ یہ سن کر وہ خان صاحب کہنے لگے کہ لیکن پھر تو آپ کے جیسا پڑوس نہیں ملے گا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر بات ایسی ہی ہے تو ہرگز اپنا مکان فروخت نہ کرو۔ اس نے کہا ٹھیک ہے یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اب جب اگلے دن دلال آئے اور بھاؤ بڑھانے لگے تو خان صاحب نے کہا مجھے اپنا مکان ہرگز بیچنا ہی نہیں ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین و متعلقین کو پتہ چلا تو حضرت سے کہا کہ حضرت! اتنی دور سے ڈورے ڈال کر اسے بمشکل تیار کیا تھا، لیکن آپ نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ جب وہ مشورہ کرنے میرے ہی پاس چلا آیا تو میں اس کو غلط مشورہ کیسے دے سکتا تھا۔ غلط مشورہ دینا تو خیانت ہے۔ اور حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے:

المستشار مؤتمن

یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہوا کرتا ہے۔(فیضان عارف:۱/۳۰۴)

خیر! مسلمان کے حقوق اور بھی ہیں اور شریعت نے حقوق مسلم پر بڑا زور دیا ہے۔ مسلمانوں کے باہم ایک دوسرے کے ذمے اِن حقوق وفرائض کی ادائیگی کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنی معاشرتی واجتماعی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ خوب گھل مل کر رہیں، ہر مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی خوشی کو اپنی خوشی اور اُس کے دُکھ کو اپنا دُکھ سمجھے، اور تمام مسلمان باہم شِیر وشکر ہوکر زندگی گذاریں۔

حق تعالیٰ ہمیں حقوق مسلم کی کامل ادائیگی کی توفیق عطا فرمائیں۔(آمین)

وصلی اللّٰہ علی النبي الکریم

مضمون:(۹)

راستے کے حقوق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ. فَقَالُوا : مَا لَنَا بُدٌّ، إِنَّمَا هِيَ مَجَالِسُنَا، نَتَحَدَّثُ فِيهَا. قَالَ : فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجَالِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهَا. قَالُوا : وَمَا حَقُّ الطَّرِيقِ ؟ قَالَ :غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ، وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [بخاری: کتاب المظالم/باب افنیۃ الدور والجلوس فیھا/رقم الحدیث: ۲۴۶۵]

تمہید

روئے زمین پر اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو بجا طور پر مکمل نظامِ حیات کہلانے کا مستحق ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو صرف آخرت کی تیاری کی ہی رہنمائی نہیں کرتا؛ بلکہ ان تمام چیزوں کا درس دیتا ہے جو انسان کو اُخروی زندگی کے ساتھ ساتھ دنیوی زندگی گذارنے کے لیے ضروری اور لابدی ہیں۔ اسلام جہاں نماز و روزہ اور صدقہ و خیرات کا حکم کرتا ہے، وہیں کھانے پینے کا طریقہ، اٹھنے بیٹھنے کا ڈھنگ، بات چیت کرنے کا سلیقہ، چلنے پھرنے اور پیشاب و پاخانہ کے آداب بھی اسلامی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ اگر ایک مسلمان ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے اصول اور سنت نبویہ سمجھ کر ادا کرتا ہے، تو ان اعمال پر دنیوی فلاح و بہبود کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی ثواب ملے گا۔ اسلام کی دی ہوئی ان تعلیمات میں سے

ایک تعلیم راستے کے حقوق کو بجالانا بھی ہے۔

راستے کے حقوق کیا کیا ہیں؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ راستے کے حقوق کیا کیا ہیں؟ ذیل میں ہم راستے کے چند حقوق پیش کرتے ہیں۔

حدیث مذکور میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستے کے چار حقوق بیان فرمائے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم تو وہاں بیٹھنے پر مجبور ہیں۔ وہی ہمارے بیٹھنے کی جگہ ہوتی ہے کہ جہاں ہم باتیں کرتے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہاں بیٹھنے کی مجبوری ہی ہے تو راستے کا حق بھی ادا کرو۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا اور راستے کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نگاہ نیچی رکھنا، کسی کو ایذا دینے سے بچنا، سلام کا جواب دینا، اچھی باتوں کے لیے لوگوں کو حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا۔ [بخاری: کتاب المظالم/باب افنیۃ الدور والجلوس فیھا/رقم الحدیث: ۲۴۶۵]

پہلا حق

راستے کا پہلا حق ہے اپنی نگاہ نیچی رکھنا۔ راستے پر بیٹھنے والا اپنی نظروں کی حفاظت کرے۔ کیوں کہ وہاں سے گذرنے والوں میں خواتین بھی شامل ہوں گی۔ اس لیے آدمی وہاں بیٹھ کر ہر کسی کو گھورتا نہ رہے، خاص طور پر خواتین کو۔ اس لیے کہ یہ شریعت کے مُنافی اور غیر اخلاقی ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجنبی

عورت پر اچانک نظر پڑنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ فوراً اپنی نگاہ ہٹا لو۔(مسلم: کتاب الأدب/باب نظر الفجائة/رقم الحدیث: ۲۱۵۹)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بدنظری شیطان کا زہر آلود تیر ہے۔ جو اس کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اسے ایسا ایمان عطا فرماتے ہیں جس کی حلاوت اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔(مشکوۃ المصابیح/ص:۲۶۸)

اس لیے سب سے پہلا کام اپنی نگاہ کو نیچی رکھنا۔

دوسرا حق

راستے کا دوسرا حق ہے تکلیف دہ چیز کو راستے سے دور رکھنا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی ستر سے کچھ زائد شاخیں ہیں ان میں سب سے افضل یہ کہنا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور سب سے ادنیٰ ہے راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔(بخاری: کتاب الإیمان/باب أمور الإیمان/رقم الحدیث: ۹)

حدیث کے الفاظ میں ''تکلیف دہ چیز'' ایک جامع کلمہ ہے۔ اس میں ہر طرح کی تکلیف دینا شامل ہے، چاہے وہ اپنے عمل کی وجہ سے ہو یا اپنے قول یا اشارے سے، حتیٰ کہ صرف نظروں سے بھی کسی کو تکلیف دینا شامل ہے۔

تکلیف دہ چیزیں کیا کیا ہیں؟

جو چیزیں راستے میں تکلیف کا باعث بنتی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) شامیانے لگا کر راستہ بند کرنا بھی تکلیف دینے میں شامل ہے۔ اس میں ہر طرح کے

پروگرام شامل ہیں، چاہے وہ شادیاں ہوں یا مذہبی نوعیت کے پروگرام۔ البتہ ایسی جگہ پر شامیانے لگانا جہاں لوگوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

(۲) تکلیف دہ چیزوں میں کھانے پینے کی چیزیں مثلاً کیلے کے چھلکے، پانی اور کولڈ ڈرنک کی بوتلیں راستے میں پھینکی جاتی ہے، ایسی تمام چیزیں تکلیف دینے کا باعث ہوتی ہیں، ان سے اجتناب کیا جائے۔

(۳) یہ چیز بھی تکلیف دہ ہے کہ بیچ راستے میں کوئی شخص اپنے مقصد کے لیے گڑھا وغیرہ کھودے اور پھر اس کو صحیح طریقے سے ہموار کر کے بند نہ کرے۔ اس میں انفرادی طور پر بھی لوگ شامل ہیں اور اداراتی سطح پر بھی۔ لہٰذا انھیں چاہیے کہ کام ہوجانے کے بعد لوگوں کو اذیت میں مبتلا نہ کریں، بلکہ اس راستے کو صحیح طور پر بند کریں۔

(۴) گاڑی غلط جگہ پر کھڑی کرنا بھی ایذا دینے میں شامل ہے۔ اس میں ہوتا یہ ہے کہ ایک شخص کسی غلط جگہ گاڑی پارک کرتا ہے تو بعد میں آنے والے اس کی پیروی کرتے ہیں اور گاڑیوں کی لائن لگ جاتی ہے جو آمد و رفت میں پریشانی کا سبب بنتی ہے۔ حتیٰ کہ جہاں گاڑی پارک کرنا ممنوع ہوتا ہے، وہاں پہ بھی گاڑی پارک کرنے سے لوگ نہیں چوکتے اور قانون کی خلاف ورزی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ عمل ہے۔

ابوداود شریف میں روایت ہے حضرت معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فلاں فلاں غزوہ کیا، تو لوگوں نے پڑاؤ کی جگہ کو تنگ کر دیا اور راستے مسدود کر دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک منادی کو بھی کر اعلان کروایا کہ جس نے پڑاؤ کی جگہ تنگ کر دی یا راستہ تنگ کر دیا تو اُس کا جہاد نہیں۔ (أبو داود: کتاب الجهاد / باب ما

یؤمر من انضمام العسکر وسعتہ/رقم الحدیث: ۲۶۲۹)

(۵) تکلیف دہ چیزوں میں ایک چیز جارحانہ انداز میں ڈرائیونگ کرنا ہے۔اگر کوئی دوسرا ڈرائیور مسئلہ پیدا کررہا ہو تو درگذر کریں اور اس سے نہ الجھیں۔اگر آپ کو غصہ آجائے تو گاڑی کھڑی کرلیں اور دل ودماغ کو پرسکون ہونے دیں۔رہائشی علاقوں کی تنگ سڑکوں جن پر گاڑیاں بھی کھڑی ہوتی ہیں وہاں تیز رفتار سے بڑھنا نہیں چاہیے۔

(۶) اپنے گھر کی حدود سے بڑھ کر زمین پر قبضہ کرنا، دکان کے آگے قبضہ کرنا۔ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی نے ایک بالشت بھر زمین بھی ظلم سے لے لی، تو سات زمینوں کا طوق اس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔

(بخاری: کتاب المظالم/باب إثم من ظلم شیئا من الأرض/رقم الحدیث: ۲۴۵۴)

(۷) راستے میں کوئی چیز بیچنے کے لیے کھڑے ہوجانا بھی تکلیف پہونچانے میں داخل ہے۔ اس کی وجہ سے راستہ تنگ ہوجاتا ہے۔کچھ دکاندار اپنی دکان کے آگے کسی اور کو اپنا سامان بیچنے کیلئے کھڑا کردیتے ہیں اور پھر اس سے پیسے بھی لیتے ہیں۔یہ عمل تو اور زیادہ قبیح ہے۔اس لیے کہ ایک تو ایسی زمین پر قبضہ کیا جو اس کی ملکیت نہیں تھی اور پھر برائی کی سرپرستی کی کہ راستہ تنگ ہوگیا، اور اس پر مستزاد یہ کہ پیسے بھی وصول کیے جو اس کا حق نہیں تھا۔

(۸) تکلیف پہونچانے میں ایک چیز بارش میں تیز گاڑی چلا کر کسی پر بارش کے پانی کو اڑا کر دوسرے کے کپڑے وغیرہ کو گندا کرنا بھی داخل ہے۔

(۹) تکلیف پہونچانے میں ایک چیز اپنے آنگن میں کچرا ڈالنا بھی ہے۔بعض لوگ گھر کی صفائی کرکے کچرہ گھر سے باہر گلی میں ڈال دیتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے ممانعت

فرمائی ہے،اور اسے اس زمانے کے یہود کا فعل کہا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھروں کے سامنے والے حصے کی صفائی کیا کرو، یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو، کیونکہ وہ گھر کے سامنے والے حصے کی صفائی نہیں کرتے۔(ترمذی: أبواب الأدب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب ماجاء فی النظافۃ/رقم الحدیث: ۲۷۹۹)

(۱۰) تکلیف پہونچانے میں ایک چیز شور شرابا کرنا بھی ہے۔ جن لوگوں کی دیر رات تک محلوں میں بیٹھ کر باتیں کرنے کی عادت ہوتی ہے ان میں یہ خرابی زیادہ پائی جاتی ہے۔ اتنی زور سے گفتگو ہوتی ہے جس سے مریضوں کو، ضعیفوں کو، سونے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ انھیں تو صبح میں بیدار ہونا ہے نماز کے لیے، مگر جن کی نمازیں بستر کی نذر ہو جاتی ہے انھیں کہاں دوسروں کا خیال؟ اسی طرح شادی بیاہ کے موقع پر زور زور سے گانے وغیرہ دیر رات تک بجا کر لوگوں کو تکلیف پہونچائی جاتی ہے۔ اسی طرح گاڑی کا ہارن زور زور سے بجا کر دوسروں کو تکلیف دی جاتی ہے۔

(۱۱) تکلیف دہ چیزوں میں ایک ہے راستے میں قضائے حاجت کرنا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لعنت کے دو کاموں سے بچو، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! لعنت کے کام کرنے والے کون ہیں؟ فرمایا کہ جو لوگوں کے راستے یا ان کے سائے کی جگہ میں قضاے حاجت کرے۔(مسلم: کتاب الطھارۃ/باب النھی عن التخلی فی الطرق الظلال/رقم الحدیث: ۲۶۹)

(۱۲) تکلیف دہ چیزوں میں ایک راستے میں بیٹھ کر لڑکیوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا بھی ہے۔ یہ بھی اسلامی معاشرے میں تیزی سے پھیلنے والی ایک بیماری ہے۔ ایک مسلمان کی یہ شان نہیں

کہ وہ ایسی حرکت کرے۔

(۱۳) راستے کے تکلیف دہ امور میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ اپنے گھر کا پرنالہ باہر سڑک پر گرائیں۔ اس کی وجہ سے سڑک پر پانی اور پھر کیچڑ جمع ہوتا ہے اور لوگوں کو آنے جانے میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ چیز بھی ممنوع ہے۔ اسی طرح گھر کا صحن وغیرہ دھو کر پانی سڑک یا گلی میں بہا دینا، جس سے آنے جانے والوں کو تکلیف ہو، یہ بھی مناسب نہیں۔

مذکورہ تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ راستے کا بنیادی حق ہے تکلیف دہ تمام چیزوں سے بچنا۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹانا اجر کا کام ہے اور اس میں ضروری نہیں کہ کوئی بہت بڑی چیز آپ دُور کریں، حتیٰ کہ تکلیف دینے والا ایک کانٹا، اینٹ کا کوئی ٹکڑا بھی اگر کسی نے ہٹایا تو اس پر بھی اس کو اجر ملے گا۔

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ آپ کے قول و فعل یا کسی بھی عمل سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، چاہے وہ جسمانی تکلیف ہو یا روحانی، وقتی ہو یا دائمی، بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ۔ ہمیشہ آپ کی ذات سے دوسروں کو نفع پہنچے۔

کانٹے دار ٹہنی اٹھانے پر مغفرت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص راستے پر چل رہا تھا کہ اس نے وہاں کانٹے دار ڈالی دیکھی۔ اس نے اسے اٹھالیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عمل قبول کیا اور اس کی مغفرت کردی۔ (مسلم: کتاب البر والصلة والآداب/ باب فضل إزالة الأذى عن الطريق/ رقم الحديث: ۱۹۱۴)

تیسرا حق

اسلام کی بنیادی پہچان امن وسلامتی ہے۔اس کے اظہار کے لیے اپنے ماننے والوں سے اس کا مطالبہ ہے کہ سلام پھیلاؤ۔راستے میں مختلف طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔کوئی پیدل ہوتا ہے تو کوئی گاڑی میں سوار،کوئی بیٹھا ہوتا ہے تو کوئی گذرنے والا۔

اب اس میں مختلف احکامات ہیں کہ کون کسے سلام کرے؟ اس کے احکامات بھی ہمیں اسلام کی تعلیمات میں ملتے ہیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سوار، پیدل چلنے والے کو سلام کرے، پیدل گذرنے والا بیٹھے ہوئے کو، اور کم لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔

(بخاری: کتاب الإستیذان/ باب تسلیم الراکب علی الماشی/ رقم الحدیث: ۶۲۳۲)

راستے کا تیسرا حق سلام کرنا ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر مسلمان کے چھ حقوق ہیں جو حسن سلوک سے متعلق ہیں۔(۱) جب کوئی مسلمان ملے تو اس کو سلام کرنا۔(۲) جب کوئی مسلمان کھانے کے لیے یا کسی اور غرض سے بلائے تو اس کو قبول کرنا۔(۳) جب کوئی مسلمان چھینکے تو اس پر یرحمک اللہ کہنا۔(۴) جب کوئی مسلمان بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا۔(۵) جب کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جانا۔ (۶) مسلمان کے لیے اس چیز کو پسند کرنا جس کو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔(مسلم: کتاب السلام/ باب من حق المسلم للمسلم رد السلام/ رقم الحدیث: ۲۱۶۲)

چوتھا حق

راستے کا چوتھا حق ہے نیکی کی دعوت اور دین کا بول بولنے کا کام یہاں بھی جاری رکھا جائے اور کسی کو کوئی برا کام کرتے ہوئے دیکھے تو اس کو اس سے منع کیا جائے! یہ ادب اس شخص

کے لیے ہے جس کو یہ اندازہ ہو کہ لوگ اس کی دعوت کا اثر لیں گے اور اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ مثلاً: جس پر آپ کا بس چلتا ہے جو آپ کے ماتحت شمار ہوتے ہیں ان کو دعوت دیں گے اور برائی سے منع کریں گے تو اس سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔ ایسے لوگوں کو برائی سے نہ روکا تو قیامت میں ہماری پکڑ ہوگی، لیکن اللہ معاف فرمائے کسی اور کو آج برائی سے روکنا اپنی موت کو اور اپنی بے عزتی کو دعوت دینا ہے۔ تو ایسے حالات میں اور ایسے موقع پر جہاں برائی سے روکنے کی صورت میں اپنی جان اور عزت کا خطرہ ہو تو برائی سے نہ روکنا جائز ہے اس کو اس مجبوری کی وجہ سے کوئی گناہ نہ ہوگا، لیکن جہاں ایسا خطرہ نہ ہو تو وہاں منع کرنا ضروری ہے۔

مسلم شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اُسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے بدل دے، اور اگر طاقت نہیں تو زبان سے بدل دے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اُسے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ (مسلم: کتاب الإیمان/باب النھی عن المنکر من الإیمان/رقم الحدیث: ۴۹)

پانچواں حق

راستے کا پانچواں حق کسی بھولے ہوئے کو صحیح راستہ بتانا ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ تفریح کے لیے بالقصد غلط راستہ بتایا جاتا ہے، یاد رکھیں اگر راستہ پوچھنے والا غیر مسلم ہے تو ہماری اس حرکت سے وہ ہمارے مذہب کے متعلق بہت غلط اثر لے کر جائے گا اور بدظن ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ راستہ

بتلانا بھی صدقہ ہے۔(بخاری: کتاب الجهاد والسير/باب فضل من حمل متاع صاحبه في السفر/رقم الحديث: ۲۸۹۱)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارا اپنے مسلمان بھائی سے مسکرا کر پیش آنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا تمھارے لیے صدقہ ہے، بھٹکے ہوئے کو سیدھا راستہ بتانا تمھارے لیے صدقہ ہے۔ کسی اندھے کو راستہ دکھانا صدقہ ہے۔ راستے سے پتھر، کانٹا اور ہڈی (وغیرہ) ہٹانا تمھارے لیے صدقہ ہے۔ اپنے ڈول سے دوسرے بھائی کے ڈول میں پانی ڈالنا (بھی) تمھارے لیے صدقہ ہے۔(ترمذی: أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/باب ماجاء في صنائع المعروف/رقم الحديث: ۱۹۵۶)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے دودھ کا عطیہ دیا یا چاندی قرض دی، یا کسی کو راستہ بتایا، اسے غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔ (ترمذی: أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/باب ماجاء في المنحة/رقم الحديث: ۱۹۵۷)

چھٹا حق

راستے کا چھٹا حق ہے کسی کمزور اور ضعیف کی، مظلوم کی، مصیبت زدہ کی، حیران و پریشان کی مدد کرنا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کی کسی دنیوی پریشانی کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی اخروی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کو دور فرمائے گا اور جو کسی محتاج کے لیے آسانی فراہم کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے

دنیاوآخرات میں آسانی فراہم کرے گا اور جو کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ اس وقت بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔ (ترمذی: أبواب الحدود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ باب ماجاء فی الستر علی المسلم/ رقم الحدیث: ۱۴۲۵)

حضرت مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی اکابر دیوبند میں ہے۔ ان کے علم وفضل کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بلاواسطہ شاگرد اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق ہیں۔ وہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لیے جارہا تھا، بوجھ زیادہ تھا وہ بمشکل چل رہا تھا۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حال دیکھا تو اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں وہ پہنچا دیا۔ اس بوڑھے نے اس سے پوچھا! اجی تم کہاں رہتے ہو؟ انھوں نے کہا: بھائی! میں کاندھلہ میں رہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ وہاں مولوی مظفر حسین ولی ہیں اور یہ کہہ کر ان کی بڑی تعریفیں کی، مگر حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے، ہاں نماز تو پڑھ لیتا ہے۔ اس نے کہا واہ میاں! تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو؟ مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ٹھیک کہتا ہوں۔ وہ بوڑھا ان کے سر پر ہو گیا، اتنے میں ایک اور شخص آگیا جو مولانا کو جانتا تھا، اس نے بوڑھے سے کہا بھلے مانس! مولوی مظفر حسین یہی ہے اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا۔ (ارواح ثلاثہ/ص: ۱۵۵)

ساتواں حق

راستے کا ساتواں حق ہے نرمی سے گفتگو کرنا یعنی کوئی شخص کچھ سوال کرے یا راستے کے متعلق دریافت کرے تو اُس کے ساتھ نرم گفتگو سے پیش آنا، ترش روئی و ترش کلامی سے بچنا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے، نرمی کو پسند فرماتا ہے، اور وہ جس قدر نرمی پر عطا کرتا ہے، وہ سختی پر عطا نہیں کرتا نہ اس کے علاوہ کسی اور چیز پر عطا کرتا ہے۔ (مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب / باب فضل الرفق / رقم الحدیث: ۲۵۹۳)

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ نرمی اختیار کرو، سختی اور بدزبانی سے اجتناب کرو، بے شک جس چیز میں نرمی ہوتی ہے تو وہ اس (چیز) کو مزین کردیتی ہے اور جس چیز سے اسے نکال لیا جاتا ہے تو وہ اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔ (مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب / باب فضل الرفق / رقم الحدیث: ۲۵۹۴)

آٹھواں حق

راستے کا آٹھواں حق ہے چھینکنے والے کو جواب دینا۔ جب راستے سے مختلف قسم کے لوگ گذرتے ہیں تو کسی کو چھینک آسکتی ہے، ایسی صورت میں جب وہ الحمدللہ کہے تو گذرنے والے کو چاہیے کہ وہ جواب میں یرحمک اللہ کہے۔

حضرت امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے بڑے امام گذرے ہیں۔ اُن کی کتاب

ابوداود شریف دورۂ حدیث میں پڑھائی جاتی ہے۔ ایک بڑا دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ بڑی کشتی سے دریا کا سفر کر رہے تھے، جب کشتی بیچ دریا میں پہنچی، تو کنارے پر ایک شخص تھا، اسے چھینک آئی، اس نے الحمد للّٰہ کہا، اب سنت طریقہ تو یہی ہے کہ جب کسی کو چھینک آئے، تو جواب میں یرحمک اللّٰہ کہنا چاہیے، امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے چھینکنے کی آواز تو سنی، مگر آپ بیچ دریا میں پہنچ چکے تھے، وہاں سے اس کی چھینک کا جواب دینا بہت مشکل تھا؛ کیوں کہ وہاں تک آواز نہیں پہنچ سکتی تھی؛ اس لیے آپ نے صرف اس کا جواب دینے کے لیے ایک چھوٹی کشتی ایک درہم میں کرایہ پر لی اور دریا کے کنارے آکر اس کی چھینک کا جواب دیا اور کہا: یرحمک اللّٰہ

کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ صرف چھینک کا جواب دینے کے لیے آپ دریا کے کنارے آئے اور وہ بھی کرایہ کی کشتی لے کر۔ تو اس پر انھوں نے کہا کہ ارے بھائی! بات دراصل یہ ہے کہ میں نے سوچا کہ جب میں اس کو یرحمک اللّٰہ کہوں گا، تو اس کے جواب میں وہ مجھے یقیناً یھدیکم اللّٰہ کہے گا، یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں ہدایت دے، ہوسکتا ہے کہ وہ شخص اللہ کا نیک بندہ ہو اور اللہ اس کی دعا کو میرے حق میں قبول کر لے، پھر تو میرا بیڑا پار ہو جائے گا؛ اسی وجہ سے میں دریا کے کنارے آیا ہوں۔ پھر جب سارے لوگ سو گئے، تو ایک غیبی آواز لگانے والے نے آواز لگائی کہ اے کشتی والو! ابوداود نے اللہ تعالیٰ سے صرف ایک درہم میں جنت خرید لی۔ (زبدۃ المقصود فی حل قال أبو داود/ص: ۳۶)

ہم اپنا جائزہ لیں

ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم کہاں تک راستے کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ اگر

راستے میں جاتے ہوئے کوئی ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھ کر اس پر عمل کرے تو یقیناً اس کی اپنی زندگی بھی خوشگوار ہوگی اور وہ لوگ بھی خوش وخرم ہوں گے، جن کو اس شخص کی نیکی کی وجہ سے پریشانی سے نجات مل جائے گی۔ اس طرح ایک دوسرے کا خیال رکھنے کا جذبہ پیدا ہوگا اور معاشرے میں سکون واطمینان اور محبت واخوت کی فضا قائم ہوگی۔

اللہ رب العزت ہمیں مذکورہ نبوی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(آمین)

وصلى الله على النبي الكريم

مضمون: (۱۰)

باقیاتِ صالحات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿ وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ اَمَلًا ۝ ﴾ [الکھف:۴۶]

تمہید

یہ سورۂ کہف کی آیت نمبر ۴۶ کا ایک ٹکڑا ہے۔ پوری آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جن چیزوں پر تم مَفتون ہوتے ہو یعنی مال و دولت اور اولاد یہ تو دنیا کی زندگی کی رونق اور چمک دمک ہے، اور باقیاتِ صالحات یعنی باقی رہنے والی نیکیاں وہ تمھارے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہت بہتر ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ باقیاتِ صالحات سے مراد کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات مفسرین کرام نے باقیاتِ صالحات کی مختلف تفسیریں بیان فرمائی ہیں۔

پہلی تفسیر

باقیاتِ صالحات کی پہلی تفسیر حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد صلوٰۃ خمسہ یعنی پنج وقتہ نمازیں ہیں۔ (تفسیر بغوی مترجم: ۳/۴۲۶، تفسیر قرطبی مترجم: ۵/۸۵۲، معارف القرآن: ۵/۵۹۵)

پنج وقتہ نمازوں کی فضیلت

(۱) ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ نمازیں، ان گناہوں کو جو ان نمازوں کے درمیان ہوئے، مٹا دیتی ہیں اور اسی طرح ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک کے گناہوں

کومٹا دیتا ہے، جب کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا گیا ہو۔(مسلم: کتاب الطھارۃ/باب المکفرات لمابینھن ما اجتنبت الکبائر/رقم الحدیث: ۲۳۳)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ اگر کسی کے دروازے پر کوئی نہر ہو جس سے وہ ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، کیا اس کے جسم پر کچھ بھی میل باقی رہے گا؟ لوگوں نے کہا کہ کچھ بھی میل باقی نہیں رہے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو اسی طرح پانچوں نمازوں کی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔(بخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ/باب الصلوات الخمس کفارۃ/رقم الحدیث: ۵۲۸)

(۳) حضرت سلیم بن عامر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرتِ ابوامامہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈرو جو کہ تمھارا رب ہے، اور پانچ وقت کی نمازیں ادا کرو، اور رمضان المبارک کے روزے رکھو، اور اپنے اموال کی زکٰوۃ ادا کرو، اور اپنے حاکم کی (کتاب وسنت کے مطابق) اطاعت کرو۔ تو تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نے کتنے عرصے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے؟ تو انھوں نے کہا جب میں نے یہ حدیث سنی تو میں اس وقت تیس سال کا تھا۔(ترمذی: أبواب السفر/باب منہ/رقم الحدیث: ۶۱۶)

(۴) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو شخص انھیں ادا کرے اور حقیر سمجھ کر ان میں سے کسی کو ضائع نہ کرے، اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ وعدہ ہے کہ وہ اسے جنت میں

داخل کرے گا اور جو انھیں ادا نہ کرے، اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ وعدہ نہیں ہے، چاہے گا تو اُسے عذاب سے دو چار کرے گا اور چاہے تو اسے جنت میں داخل کر دے گا۔(أبو داود: کتاب الصلاۃ/باب تفریع أبواب الوتر/باب فیمن لم یوتر/رقم الحدیث: ۱۴۲۰)

(۵) حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ انھوں نے اس کی ایک خشک ٹہنی پکڑی اور اسے اس قدر ہلایا کہ اس کے تمام پتے گر گئے۔ پھر کہنے لگے کہ اے ابو عثمان! تم نے مجھ سے پوچھا کیوں نہیں کہ میں نے ایسے کیوں کیا؟ میں نے کہا کہ آپ نے ایسے کیوں کیا ہے؟ کہنے لگے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح اس کی ایک خشک ٹہنی پکڑی اور اسے ہلایا، یہاں تک کہ اس کے تمام پتے گر گئے۔ پھر فرمایا کہ اے سلمان! تم مجھ سے پوچھتے کیوں نہیں کہ میں نے ایسے کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا کہ آپ نے ایسے کیوں کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے: ایک مسلمان جب اچھی طرح وضو کرے اور پانچ نمازیں ادا کرے تو اس کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے یہ پتے جھڑ رہے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝﴾ [هود: ۱۱۴]

اور دن کے دونوں سروں (یعنی صبح و شام کے اوقات میں) اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں نماز پڑھا کرو، کچھ شک نہیں کہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ ان کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں۔(مسند أحمد: مسند الأنصار/حدیث سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۲۳۷۰۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور نماز کا شغف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اخیر زمانے میں خنجر مارا گیا، جس کی وجہ سے ان کا انتقال ہوا تھا اور ہر وقت خون بہتا تھا اور اکثر غفلت بھی ہو جاتی تھی، لیکن اس حالت میں بھی جب نماز کے لیے متنبہ کیے جاتے تو اسی حالت میں نماز ادا کرتے اور ارشاد فرماتے کہ اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جو نماز چھوڑ دے۔(الإستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار و علماء الأقطار: ۲/۲۷۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نماز کا شغف

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب نماز کا وقت آ جاتا تو بدن میں کپکپی طاری ہو جاتی اور چہرہ زرد ہو جاتا۔ کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے فرمایا کہ اس امانت کا وقت ہے جس کو اللہ جل شانہ نے آسمان و زمین اور پہاڑوں پر اُتارا تو وہ اس کے تحمل سے عاجز ہو گئے اور میں نے اس کا تحمل کیا ہے۔(فضائل اعمال/ص: ۷۳)

حضرت والد صاحب رضی اللہ عنہ کا حال

احقر نے اپنے والد ماجد رضی اللہ عنہ کو بغور دیکھا کہ کئی مرتبہ شدید بخار ہوتا کہ نماز کے لیے بھی تشریف نہیں لا سکتے تھے، لیکن نماز کی ادائیگی کا اس قدر اہتمام تھا کہ جب بخار کی شدت کم ہوتی اور کچھ افاقہ ہوتا تو وضو کر کے نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور برادرم مفتی شاہد حسن صاحب عثمانی سلمہ سے فرماتے کہ دیکھ میں نماز پڑھ رہا ہوں، اور بخار کافی ہے، لیکن جب تجھے ایسا لگے کہ میں گر رہا ہوں تو مجھے تھام لینا، اس حالت میں نماز کا اہتمام اور وہ بھی کھڑے ہو کر۔

نماز چھوڑنے کا نقصان

(۱) صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نماز کا چھوڑنا بندہ مومن اور کفر کے درمیان کی دیوار کو گرا دیتا ہے۔(مسلم: کتاب الإیمان/باب کفر من ترک الصلاۃ/رقم الحدیث: ۸۲)

(۲) الترغیب والترہیب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑا پس وہ کافر ہوگیا۔(الترغیب والترھیب: ۱/۲۶۱)

محدثین عظام نے اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا کہ اس نے کافروں جیسا عمل کیا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ کفر کے قریب ہوگیا۔

(۳) ترمذی شریف میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور منافقوں کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے، لہٰذا جس نے نماز چھوڑی وہ کافر ہوگیا۔(ترمذی: أبواب الإیمان عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب ماجاء فی ترک الصلاۃ/رقم الحدیث: ۲۶۲۱)

(۴) ابن ماجہ میں روایت ہے کہ حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دوست محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا خواہ تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے تمھیں جلا کیوں نہ دیا جائے اور جان بوجھ کر فرض نماز نہ چھوڑنا، جس نے قصداً نماز چھوڑ دی تو اس سے ذمہ بری ہوگیا، نیز کبھی شراب نہ پینا کیونکہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے۔(ابن ماجۃ: کتاب الفتن/باب الصبر علی البلاء/رقم الحدیث: ۴۰۳۴)

(۵) نسائی شریف میں حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ جس کی عصر کی نماز بھی فوت ہوئی گویا اس کا گھر بار اور لوٹ لیا گیا ہو۔(نسائی : کتاب الصلاۃ/باب صلاۃ العصر فی السفر/رقم الحدیث: ۴۷۸)

دوسری تفسیر

باقیاتِ صالحات کی دوسری تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اس سے عمل صالح مراد ہے۔(تفسیر بغوی مترجم: ۳/ ۴۲۶، تفسیر قرطبی مترجم: ۵/ ۸۵۲، معارف القرآن:۵/ ۵۹۵)

عمل صالح کی تعریف

جلالین ثانی کے سبق میں حضرت اقدس والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے طلبہ سے پوچھا کہ بتاؤ عمل صالح کا کیا مطلب؟ پوری کلاس خاموش تھی۔ پھر فرمایا کہ عمل صالح کی جامع تعریف یہ ہے:

ما وافق السنة بإخلاص النية

کہ جو کام سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواق ہو اور اخلاص نیت کے ساتھ ہو، وہ عمل صالح ہے۔

امام بغوی نے رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عمل صالح کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ عمل صالح چار چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔(۱) علم (۲) نیت (۳) صبر (۴) خلاص۔(تفسیر بغوی مترجم:۱/ ۶۰)

عمل ساتھ جائے گا

یہ مال و دولت جس کے پیچھے انسان مرتا ہے وہ ساتھ جانے والا نہیں ہے، بلکہ انسان

کا عمل ساتھ جانے والا ہے۔ اسی لیے ایک حدیث ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، دو واپس آجاتی ہیں اور ایک ساتھ رہ جاتی ہے۔ میت کے ساتھ اس کے اہل وعیال، اس کا مال اور اس کے اعمال جاتے ہیں۔ اہل وعیال اور مال واپس آجاتے ہیں اور عمل باقی رہتا ہے۔ (بخاری: کتاب الرقاق/ باب سکرات الموت/ رقم الحدیث: ۶۵۱۴)

عمل صالح کو معمولی نہ سمجھیں

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم عمل صالح کی قدر پہچانیں اور اس کا خوب ذخیرہ جمع کریں چاہے عمل چھوٹا ہو یا بڑا۔ کسی چھوٹی نیکی کو چھوٹی اور معمولی سمجھ کہ چھوڑ نہ دیں، ہم اس کی طاقت کو نہیں جانتے، وہی نیک عمل بسا اوقات نجات اور مغفرت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

حضرت ابو الدردا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ بات یقینی طور پر طے ہوجائے کہ میری ایک نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہوگئی تو میرے لیے وہ ساری دنیا اور اس کی نعمتوں سے زیادہ ہے۔ (معارف القرآن: ۳/ ۱۱۳، ۱۱۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تقویٰ کے ساتھ کوئی چھوٹا سا عمل بھی چھوٹا نہیں ہے، اور جو عمل مقبول ہوجائے وہ چھوٹا کیسے کہا جاسکتا ہے۔ (معارف القرآن: ۳/ ۱۱۴)

صدقۂ جاریہ

عمل صالح میں صدقۂ جاریہ بہترین چیز ہے۔ مسلم شریف کی روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان کا انتقال ہوجاتا ہے تو عمل کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے۔ صدقۂ جاریہ، ایسا علم جس سے لوگ

نفع اٹھائیں اور نیک لڑکا جو اس کے لیے دعا کرے۔(مسلم: کتاب الوصیۃ/باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد وفاتہ/رقم الحدیث: ۱۶۳۱)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اپنا باغ صدقہ کرنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انصار میں سب سے زیادہ کھجور کے باغات کے مالک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ان کو اپنے کھجوروں کے باغات میں سب سے زیادہ محبوب باغ ''بیرحا'' تھا اور وہ بالکل مسجد نبوی کے سامنے تھا۔ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے تھے اور اس کا میٹھا پانی نوش فرماتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ﴾ [آل عمران: ۹۲]

کہ تم کامل نیکی نہیں پا سکتے جب تک اپنی پسندیدہ اور محبوب ترین چیز خرچ نہ کر دو۔ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قرآن پاک میں آپ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے، اور میرے اموال میں میرا سب سے زیادہ محبوب ''بیرحا'' ہے۔ لہٰذا یہ باغ میری طرف سے اللہ کے راستے میں صدقہ ہے۔ میں اس پر اللہ تعالیٰ سے نیکی اور ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ اس لیے آپ اس کو جہاں چاہیں صرف کریں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا واہ! واہ! یہ تو بڑا عمدہ اور نفع بخش مال ہے یہ تو بڑا عمدہ اور نفع بخش مال ہے۔ اور تم نے جو بات کہی وہ میں نے سن لی۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ تمھارے رشتے داروں میں جو غریب و محتاج ہیں آپ ان کو دے دیجیے۔ چناں چہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر عرض کیا اے اللہ کے رسول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اسی طرح کروں گا۔ اس کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس باغ کو اپنے چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔ (بخاری: کتاب التفسیر/سورۃ آل عمران/باب لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون/رقم الحدیث: ۴۵۴)

حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کا واقعہ

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً﴾ [البقرۃ: ۲۴۵]

کون ہے جو اللہ کے راستے میں نہایت عمدہ اور اچھے طریقہ سے قرض دے؟ اللہ تعالیٰ اس قرض کو بڑھائیں گے اور مزید عطا کریں گے۔ یہاں قرض سے مراد انفاق فی سبیل اللہ یعنی راہ خدا میں دینا ہے۔

حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا حق تعالیٰ ہم سے قرض مانگتے ہیں جب کہ وہ اس سے بے نیاز ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جی ہاں! تاکہ وہ اس کے بدل تمھیں جنت میں داخل کر دیں۔ حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا تو عرض کیا کہ میرے پاس کھجور کے دو باغ ہیں، اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے، میں یہ دونوں اللہ کے راستے میں قرض دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک اللہ کے راستے میں وقف کر دو اور دوسرا اپنے اہل وعیال کی ضرورت کے لیے باقی رکھو۔ عرض کیا کہ ان دو میں سے جو بہترین باغ ہے جس میں چھ سو

درخت ہیں میں اسے اللہ کے راستے میں وقف کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے جنت عطا فرمائیں گے۔ گھر آئے اور بیوی کو بتلایا آخروہ بھی صحابیہ تھیں یہ سن کر بہت خوش ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شمار کھجوروں سے لبریز درخت اور کشادہ محلات کس قدر مشتاق ہیں ابو الدحداح کے۔ (مسند أحمد: مسند أنس بن مالک رضی اللہ عنه/ رقم الحديث: ۱۲۴۸۲)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا واقعہ

مدینہ طیبہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے پینے کے پانی کا مسئلہ بن گیا، کیونکہ وہاں میٹھے پانی کا واحد کنواں بئر رومہ کا مالک بنوغفار کا ایک آدمی تھا وہ بہت مہنگا پانی فروخت کرتا تھا، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے بئر رومہ کو اپنے مال سے خرید کر لوگوں کے لیے وقف کیا، مگر آج تم مجھے روزہ افطار کرنے کے لیے پانی نہیں لینے دیتے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے لیے جنت کی بشارت دی جو بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کردے، تو میں نے وہ کنواں کو کھودہ تھا، کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جیش عسرت یعنی تنگی والا غزوہ (غزوۂ وتبوک) کو جو شخص ساز وسامان سے لیس کردے گا تو اُسے جنت کی بشارت ہے، تو میں نے اُس مسلح کیا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ سب نے آپ کی ان باتوں کی تصدیق کی۔ (بخاری: کتاب الوصايا/ باب إذا وقف أرضا واشترط لنفسه/ رقم الحديث: ۲۷۷۸)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں زمین کا ایک ٹکڑا ملا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں

مشورہ کے لیے حاضر ہوئے اور اس کے متعلق خبر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر چاہو تو اسے صدقہ کردو۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اس طرح وقف کیا کہ اسکی آمدنی فی سبیل اللہ ،غلاموں کو آزاد کرانے، محتاجوں اور مہمانوں کی خدمت اور مسافروں اور قرابت داروں پر صرف کی جانے لگی۔ (بخاری: کتاب الشروط/باب الشروط فی الوقف/رقم الحدیث: ۲۷۳۷)

تیسری تفسیر

بعض علما کی رائے یہ ہے کہ باقیاتِ صالحات سے مراد بیٹیاں ہیں۔ (تفسیر قرطبی مترجم: ۵/ ۸۵۳، معارف القرآن: ۵/۵۹۶)

حضور اقدس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے پورا عرب معاشرہ خباثت میں مبتلا تھا اور جو برائیاں میں عام تھیں، ان میں ایک برائی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا بھی تھا۔ پیدا ہوتے ہی اس کو زیر زمین کیا کرتے تھے اس کی آواز سننا بھی گوارا نہ کرتے۔ کئی لڑکیاں اسی طرح زیر زمین کردی گئی۔ لڑکیوں کے وجود کو عیب سمجھا جاتا تھا۔

ایک دردناک واقعہ

ایک مرتبہ ایک قبیلہ کے سردار نے آکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنا قصہ سنایا کہ میری بیوی حمل سے تھی۔ اتفاق سے مجھے جانا ہوا سفر میں۔ میرے سفر میں جانے کے بعد بیوی کو ولادت ہوئی اور لڑکی پیدا ہوئی۔ ماں نے سوچا کہ باپ اس کو مار دے گا اس لیے اپنی لڑکی کو اپنی بہن کے یہاں بھیج دیا۔ جب میں سفر سے واپس آیا تو میں نے پوچھا۔ بیوی نے بتایا کہ ایک مردہ بچہ پیدا ہوا تھا۔ جب میں کہیں باہر جاتا تو ماں اس بچی کو اپنی بہن کے پاس

سے بلواتی اور سے محبت اور پیار کرتی۔ اس طرح بچی بڑی ہوگئی۔ ایک مرتبہ میں کہیں باہر گیا ہوا تھا اس نے بچی کو اپنے پاس بلا رکھا تھا اور واپس جانے سے پہلے میں پہونچ گیا۔ میں نے بچی کو دیکھا تو وہ مجھے اچھی لگی اور میں نے بھی اس بچی کے ساتھ محبت کا معاملہ کیا۔ میں نے پوچھا یہ کس کی بچی ہے؟ ماں نے جب مجھے اس کے ساتھ محبت و پیار کا برتاو کرتے ہوئے دیکھا تو گمان کیا کہ شاید خون کا اثر دکھائی دے رہا ہے۔ اس لیے اس نے حقیقت ظاہر کرنے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا اور کہا یہ آپ ہی کی بچی ہے، اور پورا قصہ سنایا۔

میں نے اس بچی کو کچھ روز اپنے پاس رہنے دیا اور کچھ بھی نہیں کہا۔ ان صحابی نے اپنا قصہ بتاتے ہوئے کہا کہ میرے یہاں یہ بڑی ہوئی۔ وہ بچی مجھ سے بہت پیار کرتی تھی میں بھی اس سے محبت کرتا تھا، لیکن ایک روز مجھ پر جاہلانہ بھوت سوار ہوا کہ میرے گھر کی لڑکی ہے۔ میں اس کو اپنے ساتھ لے کر جنگل گیا۔ پہلے سے کوئی تیاری بھی نہیں کی تھی۔ وہاں جا کر میں نے اس کے لیے گڑھا کھودنا شروع کیا۔ جب میں گھڑا کھود رہا تھا، اس کی وجہ سے میرے کپڑوں کے اوپر مٹی گر رہی تھی تو بچی میرے کپڑوں سے مٹی صاف کر رہی تھی، لیکن میرے اوپر جاہلیت والا بھوت ایسا سوار تھا کہ اس کے پیار سے پر جملوں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے اُسے اٹھا کر اس میں ڈال دیا وہ اندر سے چلا رہی تھی کہ ابا جان! کیا کر رہے ہو؟ لیکن میں نے اس پر مٹی ڈالنا شروع کیا وہ ابا ابا پکارتی رہی یہاں تک کہ اس کی آواز آنا بند ہوگئی۔

جب اس نے یہ قصہ سنایا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مبارک آنسووں سے تر ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تو بڑی سخت دلی کی بات ہے جو آدمی کسی کے ساتھ رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا

جاتا۔(مسند الدارمی:المقدمۃ/باب ما کان علیہ الناس قبل مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم/رقم الحدیث:۲)

حضرت صعصعہ بن ناجیہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت صعصعہ بن ناجیہ رضی اللہ عنہ سلیم الفطرت تھے۔دور جاہلیت میں ان کی دو اونٹنیاں گم ہوگئیں،تو اس کو تلاش کرنے کے لیے آپ نے ایک اونٹ پر سوار ہوکر نکلے۔جب رات کی تاریکی چھا گئی،تو انھوں نے دور ایک جگہ آگ بھڑکتی ہوئی دیکھی۔جب اس کے پاس گئے تو دیکھا وہاں دردزہ میں مبتلا ایک عورت اور ایک بوڑھا شخص ہے۔وہ بوڑھا کہہ رہا ہے کہ خدا کی قسم!اگر لڑکا پیدا ہوا تو میں نہیں جانتا میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کروں گا لیکن اگر لڑکی پیدا ہوئی تو میں اسے زمین میں گاڑھ دوں گا اور اس کی آواز بھی نہیں سنوں گا۔اتفاق سے لڑکی پیدا ہوئی۔حضرت صعصعہ رضی اللہ عنہ نے بوڑھے سے پوچھا کہ میری دو اونٹنیاں گم ہوئی ہیں،کیا تم نے دیکھا ہے؟بوڑھے نے جواب دیا کہ ہاں مجھے ملی ہے۔تو حضرت صعصعہ رضی اللہ عنہ نے اس بوڑھے سے کہا کہ وہ دو اونٹنیاں اور یہ اونٹ جس پر میں سوار ہوکر آیا ہوں یہ لے لو اور لڑکی مجھے دے دو۔بوڑھا اس پر راضی ہوگیا۔چنانچہ حضرت صعصعہ رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی کو اپنی تربیت اور پرورش میں لے لیا۔اس کے بعد حضرت صعصعہ رضی اللہ عنہ نے اپنا معمول بنالیا کہ جب کبھی انھیں پتا چلتا کہ فلاں کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے،تو اُس کے پاس جاتے اور دو اونٹنیاں اور ایک اونٹ کے بدلے خرید لیتے۔اس طرح اسلام آیا تو انھوں نے تین سو لڑکیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچالیا۔(المعجم الکبیر للطبرانی/رقم الحدیث:۷۴۱۲)

بیٹیوں کے متعلق احادیث

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹیوں کی ولادت، تعلیم وتربیت پر بڑی بشارتیں سنائی ہیں۔

(۱) ایک حدیث شریف میں ہے کہ جس کے یہاں بیٹی پیدا ہو اور وہ اسے ایذا نہ دے اور نہ ہی برا جانے اور نہ بیٹے کو بیٹی پر فضیلت دے تو اللہ پاک اس شخص کو جنت میں داخل فرمائے گا۔(مسند أحمد: مسند عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما/ رقم الحدیث: ۱۹۵۷)

(۲) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لڑکیوں کی پرورش سے دو چار ہو، پھر ان کی پرورش سے آنے والی مصیبتوں پر صبر کرے تو یہ سب لڑکیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ بنیں گی۔(ترمذی: أبواب البر والصلة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ باب ما جاء فی النفقة علی البنات والأخوات/ رقم الحدیث: ۱۹۱۳)

(۳) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے پاس تین لڑکیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو جنت میں ضرور داخل ہوگا۔(ترمذی: أبواب البر والصلة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ باب ما جاء فی النفقة علی البنات والأخوات/ رقم الحدیث: ۱۹۱۲)

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے دو لڑکیوں کی کفالت کی تو میں اور وہ جنت میں اس طرح داخل ہوں گے، اور آپ نے کیفیت بتانے کے لیے اپنی دونوں انگلیوں (شہادت اور درمیانی) سے اشارہ کیا۔(مسلم: کتاب البر والصلة والآداب/ باب فضل الإحسان إلی البنات/ رقم الحدیث: ۲۶۳۱)

(۵) ایک عورت اپنی دو بیٹیوں کو ساتھ لے کر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں

آئی، تو انھوں نے اس عورت کو تین کھجوریں دیں، اس عورت نے ایک ایک کھجور دونوں بیٹیوں کو دی، اور تیسری کھجور کے (بھی) دو ٹکڑے کر کے دونوں بیٹیوں کے درمیان تقسیم کر دی، عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس کے بعد نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تمھیں تعجب کیوں ہے؟ وہ تو اس کام کی وجہ سے جنت میں داخل ہوگئی۔ (مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب/ باب فضل الإحسان إلی البنات/ رقم الحدیث: ۲۶۳۰)

چوتھی تفسیر

اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ باقیاتِ صالحات سے مراد یہ الفاظ ہیں:

سبحان اللّٰہ و الحمد للّٰہ ولا إلہ إلا اللّٰہ و اللّٰہ أکبر ولا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ (تفسیر بغوی مترجم: ۳/ ۴۲۶، تفسیر قرطبی مترجم: ۵/ ۵۹۵، معارف القرآن: ۵/ ۸۵۲)

اسی لیے متعدد روایات میں ان الفاظ وکلمات کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔

تسبیح اور تحمید کے چند فضائل

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ دو کلمات زبان پر ہلکے پھلکے ہیں، ترازو میں وزنی ہیں، رحمٰن کو بہت پیارے ہیں۔

سبحان اللّٰہ و بحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم (بخاری: کتاب التوحید/ باب قول اللہ عز وجل ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ/ رقم الحدیث: ۷۵۶۳)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے

سبحان اللّٰہ العظیم و بحمدہ

کہا تو جنت میں اس کے لیے درخت لگا یا جائے گا۔(ترمذی: أبواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم / رقم الحدیث: ۳۴۶۴)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ

حضرت جویریہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں، اُن سے منقول ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کے وقت نماز فجر کے لیے ان کے پاس سے نکلے اور وہ اپنے مصلی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاشت کے وقت واپس تشریف لائے وہ اپنی جگہ یعنی مصلی پر بدستور بیٹھی ہوئی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ جس حالت میں تمھیں چھوڑ کر گیا تھا اسی طرح مسلسل بیٹھی ہوئی ہو؟ یعنی صبح کے وقت سے اب تک کہ چاشت کا وقت آ گیا ہے مصلی پر بیٹھی ہوئی اسی طرح ذکر الٰہی میں مشغول ہو) انھوں نے کہا کہ جی ہاں! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے تمھارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمے تین مرتبہ کہے ہیں وہ چار کلمے ایسے ہیں کہ اگر ان کو اس چیز سے تولا جائے جس کے کہنے میں تم ابتدائے دن سے اب تک مشغول رہی ہو (یعنی ذکر میں تو یقیناً چار کلمے اس چیز پر بھاری رہیں گے (یعنی ان چار کلموں کا ثواب اس پورے وقت ذکر الٰہی میں تمھاری مشغولیت کے ثواب سے زیادہ ہوگا۔ اور وہ چار کلمے یہ ہیں:

سبحان اللّٰہ وبحمدہ عدد خلقہ و رضا نفسہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ

میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور اس کی تعریف کرتا ہوں اس کی مخلوقات کی تعداد

کے بقدر اور اس کی ذات کی مرضی کے موافق اور اس کے عرش کے وزن کے مطابق اور اس کے کلموں کی مقدار کے مانند ہے۔ (مسلم: کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والإستغفار / باب التسبیح أول النھار وعند النوم / رقم الحدیث: ۲۷۲۶)

تسبیح کی برکت

تسبیح کی برکت سے جلیل القدر پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کو نجات ملی۔ جب مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ آپ کو لے کر سمندر کی تہہ میں اور تاریکی میں پہونچی تو آپ نے اپنے رب کی رب کی تسبیح ان الفاظ میں بیان کی:

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [الأنبیاء: ۸۷]

اس تسبیح کی برکت سے حق تعالیٰ نے ان کو نجات دی اور فرمایا:

﴿فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ۝ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ [الصافات: ۱۴۳، ۱۴۴]

اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو مچھلی کے پیٹ میں قیامت قائم ہونے تک رہتے۔ معلوم ہوا کہ تسبیح میں یہ برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ مشکلات سے نجات عطا فرماتے ہیں۔

تہلیل کے چند فضائل

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ایمان کی تجدید کرو۔ عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم اپنے ایمان کی کیسے تجدید کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ’’ لاإلہ إلا اللہ ‘‘ زیادہ سے زیادہ کہو۔ (مسند أحمد: مسند أبی

ھریرۃ رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۸۷۱۰)

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھے ایسا کلمہ سکھا جس کے ذریعے میں تجھے یاد کروں اور تجھ سے دعا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہو" لاإله إلا الله "(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں)۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! بے شک تیرے سوا کوئی معبود نہیں لیکن میں ایسا کلمہ چاہتا ہوں جو خاص میرے لیے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور ان کے ساتھ میرے علاوہ ان کو آباد کرنے والے اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں ہوں اور" لاإله إلا الله" دوسرے پلڑے میں ہو تو" لاإله إلا الله" اُن سے بھاری ہو جائے گا۔ (مشکوۃ المصابیح/ص: ۲۰۱)

(۳) ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو دو باتوں کی وصیت فرمائی، ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ میں تجھے لاإله إلا الله کا حکم دیتا ہوں۔ پھر اس کی درج ذیل فضیلت بیان فرمائی کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اگر ایک پلڑے میں اور لاإله إلا الله دوسرے پلڑے میں رکھا جائے، تو یہ دوسرا پلڑا اس کلمے کی وجہ سے بھاری ہو جائے گا اور اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک بند حلقے ہوں تو لاإله إلا الله ان کو توڑ دے گا۔ (مسند أحمد: مسند عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ٦٥٨٣)

چاروں کے فضائل

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چار کلمات اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہیں کوئی حرج

نہیں کہ کہیں سے بھی ان کی ابتدا کرلو۔

سبحان اللّٰہ و الحمد للّٰہ ولا إلہ إلا اللّٰہ و اللّٰہ أکبر ۔(مسلم: کتاب الآداب/باب کراهة التسمیة بالأسماء القبیحة/رقم الحدیث: ۲۱۳۷)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسے درخت کے پاس سے گذرے جس کی پتیاں سوکھ گئی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اپنی چھڑی ماری تو پتیاں جھڑ پڑیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الحمد للّٰہ وسبحان اللّٰہ ولا إلہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر

کہنے سے بندے کے گناہ ایسے ہی جھڑ جاتے ہیں جیسے اس درخت کی پتیاں جھڑ گئیں۔(ترمذی: ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/رقم الحدیث: ۳۵۳۳)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی، اس رات میں ابراہیم علیہ السلام سے ملا، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہہ دینا اور انھیں بتادینا کہ جنت کی مٹی بہت اچھی (زرخیز) ہے، اس کا پانی بہت میٹھا ہے، اور وہ چٹیل میدان کی طرح (خالی) ہے اور اس کی باغبانی:

سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إلہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر

پڑھنے سے ہوتی ہے۔(ترمذی: ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/رقم الحدیث: ۳۴۶۲)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک دن درخت لگا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گذرے اور فرمایا کہ اے ابوہریرہ! تم کیا لگا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں اپنے لیے درخت لگا رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں اس سے بہتر درخت نہ بتاؤں؟

انھوں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں؟ آپ ضرور بتلایئے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم:

سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر

کہا کرو، تو ہر ایک کلمہ کے بدلے تمھارے لیے جنت میں ایک درخت لگایا جائے گا۔ (ابن ماجہ: کتاب الأدب/باب فضل التسبیح/رقم الحدیث: ۳۸۰۷)

حوقلہ کے فضائل

(۱) حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰه کثرت سے پڑھا کرو، کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ (ترمذی: أبواب الدعرات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب ماجاء أن للہ ملائکۃ سیاحین فی الأرض/رقم الحدیث: ۳۶۰۱)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰه ننانوے (دنیاوی اور اخروی) بیماریوں کی دوا ہے جس میں سے ادنیٰ بیماری (دنیاوی و اخروی) غم ہے۔ (مشکوۃ المصابیح/ص: ۲۰۲)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تمھیں ایک ایسا کلمہ نہ بتادوں جو عرش کے نیچے سے بہشت کے خزانے سے اترا ہے؟ اور وہ کلمہ ہے: لاحول ولاقوۃ الا باللّٰه جب کوئی بندہ یہ کلمہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ تابعدار اور بہت فرمانبردار ہوا۔ (مسند أحمد: مسند أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۷۹۶۶)

خلاصہ یہ ہے کہ باقیاتِ صالحات ایک عام لفظ ہے، جو مذکورہ تمام معانی کو، اور ان

کے علاوہ اُن اعمال کو جن سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، سب کو شامل ہیں۔ اس لیے کہ یہ اعمال دنیا کی زینت کی طرح ختم ہونے والے نہیں ہے، بلکہ یہ چیزیں کرنے والے کے لیے باقی رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں باقیاتِ صالحات کے ان تمام معنوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

(آمین)

وصلی اللہ علی النبي الکریم

مضمون: (۱۱)

نیک کام میں تعاون کیجیے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿وَ تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی﴾ [المائدۃ:۲]

تمہید

یہ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۲ کا ایک ٹکڑا ہے۔ یہ جملہ انتہائی جامع ہے، نیکی اور تقوے میں ان کی تمام اَنواع واَقسام داخل ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں تمام مخلوق کے لیے حکم ہے کہ بھلائی اور پرہیزگاری کے کام میں ایک دوسرے سے تعاون کریں یعنی ایک دوسرے کی مدد کریں۔

نظامِ عالم کی روح

اس جملے میں قرآن حکیم نے ایک ایسے اصولی اور بنیادی مسئلے کے متعلق ایک حکیمانہ فیصلہ دیا ہے جو پورے نظام عالم کی روح ہے۔ اور جس پر انسان کی ہر اصلاح وفلاح بلکہ خود اس کی زندگی اور بقا موقوف ہے وہ مسئلہ ہے باہمی تعاون وتناصر کا۔ ہر ذی ہوش انسان جانتا ہے کہ اس دنیا کا پورا انتظام انسانوں کے باہمی تعاون وتناصر پر قائم ہے۔ اگر ایک انسان دوسرے انسان کی مدد نہ کرے تو کوئی اکیلا انسان خواہ وہ کتنا ہی عقلمند یا کتنا ہی زورآور یا مالدار ہو، اپنی ضرورت زندگی کو تنہا حاصل نہیں کرسکتا۔ (معارف القرآن: ۳/۲۰)

اکیلا انسان نہ اپنی غذا کے لیے غلہ اگانے سے لے کر کھانے کے قابل بنانے تک کے تمام مراحل کو طے کرسکتا ہے۔ نہ لباس وغیرہ کے لیے روئی کی کاشت سے لے کر اپنے بدن

کے موافق کپڑا تیار کرنے تک بیشمار مسائل کا حل کر سکتا ہے اور نہ اپنے بوجھ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکتا ہے۔ غرض ہر انسان اپنی زندگی کے ہر شعبے میں دوسرے ہزاروں، لاکھوں انسانوں کا محتاج ہے۔ ان کے باہمی تعاون وتناصر سے ہی سارا دنیا کا نظام چلتا ہے۔ اور اگر غور کیا جائے تو یہ تعاون دنیوی زندگی ہی میں ضروری نہیں۔ مرنے سے لے کر قبر میں دفن ہونے تک کے سارے مراحل بھی اسی تعاون کے محتاج ہیں۔ بلکہ اس کے بعد بھی اپنے پیچھے رہنے والوں کی دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا محتاج رہتا ہے۔ (معارف القرآن: ۲۰/۳)

حق جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے اس جہان کا ایسا محکم نظام بنایا ہے کہ ہر انسان کو دوسرے کا محتاج بنادیا۔ غریب آدمی پیسوں کے لیے مالدار کا محتاج ہے تو بڑے سے بڑا مالدار بھی محنت ومشقت کے لیے غریب مزدور کا محتاج ہے۔ سوداگر گاہکوں کا محتاج ہے۔ اور گاہک سوداگروں کے۔ مکان بنانے والا معمار، لوہار، بڑھئی کا محتاج ہے اور یہ سب اس کے محتاج ہیں۔ اگر یہ ہمہ گیر احتیاج نہ ہوتی اور تعاون محض اخلاقی برتری پر رہ جاتا تو کون کس کا کام کرتا۔ (معارف القرآن: ۲۰/۳)

خلاصہ یہ ہے کہ ساری دنیا کا نظام باہمی تعلق اور تعاون پر قائم ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ نیک کام میں تعاون کیسے کیا جائے؟ اس کی کیا کیا صورتیں ہو سکتی ہیں؟

پہلی صورت

نیکی اور بھلائی پر تعاون کی پہلی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے قول سے یعنی اپنی زبان سے دوسرے کا تعاون کرے۔ زبان سے بھلائی کا جملہ نکالے ورنہ خاموش رہے۔ حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے، ورنہ خاموش رہے۔(بخاری: کتاب الأدب/باب من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذی جارہ/رقم الحدیث: ۶۰۱۸)

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔(مسلم: کتاب الإیمان/باب بیان تفاضل الإسلام/رقم الحدیث: ۴۱)

معلوم ہوا کہ زبان سے بھلی بات کہنے میں ہی بھلائی ہے۔

انسان کا کلام چار طرح کا

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی پتے کی بات بیان کی ہے۔انسان جو کلام کرتا ہے وہ چار طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) جس میں سراسر فائدہ اور نفع ہو۔

(۲) جس میں سراسر مضرت اور نقصان ہو۔

(۳) جس میں کچھ فائدہ ہو اور کچھ نقصان ہو۔

(۴) جس میں کچھ فائدہ بھی نہ ہو اور نقصان بھی نہ ہو۔

اب انسان کو چاہیے کہ ایسا کلام جس میں نقصان ہی نقصان ہو تو ایسا کلام انسان کیوں کرے؟ پچیس فیصد کلام کم ہو جائے گا۔ایسا کلام جس میں فائدہ بھی ہو اور نقصان بھی ہو تو دیکھا جائے کہ فائدہ کم ہے اور نقصان زیادہ ہے یا نقصان کم ہے اور فائدہ زیادہ؟ اگر فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے تو ایسا کلام بھی کیوں کیا جائے؟ پچیس فیصد کلام اور کم ہو جائے گا۔اور

اگر ایسا کلام ہے کہ جس میں نہ فائدہ ہو اور نہ نقصان ہو تو ایسا کلام بھی کیوں کرے؟ پچیس فیصد کلام اور کم ہو جائے گا۔ اب بچا وہ کلام جس میں فائدہ ہی فائدہ ہو تو ایسا کلام کیا جائے۔ معلوم ہوا کہ انسان کے کلام میں پچھتر فیصد کلام لایعنی اور فضول ہے۔ اجازت صرف پچیس فیصد کلام کی ہے۔ (احیاء العلوم مترجم: ۱۸۰/۳)

اب بھلی بات میں یہ بھی شامل ہے کہ ہم اپنی زبان سے کسی کی بھلائی کے کام پر رہبری کرے۔ جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا، میری سواری ہلاک ہوگئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے سوار کردیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پاس تو کوئی سواری نہیں ہے۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس کی اس آدمی کی طرف راہنمائی کرتا ہوں جو اسے سواری دے دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے کسی کی نیکی پر راہنمائی کی تو اس کے لیے اس عمل کرنے والے کی مثل اجر و ثواب ہوگا۔ (مسلم: کتاب الأمارۃ/باب فضل إعانۃ الغازی فی سبیل اللہ/رقم الحدیث: ۱۸۹۳)

نیز بھلی بات میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی غم زدہ اور پریشان حال کو تسلی کے کلمات کہے جائیں۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ مقیم تھے۔ ایک غیر مسلم ان کے پاس آیا، اس نے کہا میرا کھیت جس میں میں نے برسوں محنت کی، اور وہاں سے سنگریزے نکال نکال کر دور سے مٹی لاکر ڈالی، برسوں کی محنت کے بعد میں نے کھیت تیار کیا، یہاں کا جو

مسلم حاکم ہے اس نے میرے کھیت پر جبراً قبضہ کرلیا، تو اگر آپ دہلی کے بادشاہ کو لکھ دیں، اس لیے کہ دہلی کا بادشاہ آپ کے مرید کا بھی مرید ہے۔ وہ یہاں کے حاکم کو لکھ دیگا تو میرا کھیت چھوٹ جائے گا۔ حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سر جھکا کر بیٹھ گئے، سوچتے رہے، فرمایا کل آنا ساتھ چلیں گے، کہاں اجمیر اور کہاں دہلی! اس زمانے میں کوئی سواری نہیں تھی، پیدل سفر کرنا ہے، اور کتنے معمولات سفر میں چھوٹ جایا کرتے ہیں، یہ بہت خوش ہوا اس کو توقع بھی نہیں تھی۔ دوسرے روز تیاری کر کے آ گیا، حضرت نے اس کو ساتھ لیا اور دونوں ساتھ چلے، جب دہلی کے قریب پہونچے تو بادشاہ وقت کو معلوم ہوا کہ میرے شیخ کے شیخ تشریف لا رہے ہیں۔ استقبال کے لیے وزرا، امرا اور لشکر لے کر نکلا اور حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ برجستہ فرمایا کہ یہ غریب آدمی ہے میرے ساتھ آیا ہے، اجمیر کے مسلم حاکم نے اس کے کھیت پر جبراً قبضہ کرلیا ہے، اگر آپ لکھ دیں تو وہاں کا حاکم چھوڑ دے گا۔ اس نے کہا بس اتنی بات ہے، فوراً لکھ دیا، یہ واپس آ گئے، خط لا کر اجمیر کے حاکم کو دے دیا تو حاکم نے فوراً کھیت چھوڑ دیا۔ لیکن اس غیر مسلم پر اتنا اثر ہوا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ (فیضان عارف: ۱/ ۳۰۵)

دوسری صورت

نیکی اور بھلائی پر تعاون کی دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے فعل اور عمل سے کسی کی مدد کی جائے۔ مثلاً کسی کو نماز پڑھنی نہیں آتی، ہم نے عملاً اُس کو نماز کا طریقہ بتلا دیا۔ ذیل میں ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ کا واقعہ

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اس کے بعد ایک اور شخص آیا۔ اس نے نماز پڑھی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ واپس جا اور پھر نماز پڑھ، کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ شخص واپس گیا اور پہلے کی طرح نماز پڑھی اور پھر آکر سلام کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مرتبہ بھی یہی فرمایا کہ واپس جا اور دوبارہ نماز پڑھ، کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح تین مرتبہ کیا۔ آخر اس شخص نے کہا کہ اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں اس کے علاوہ اور کوئی اچھا طریقہ نہیں جانتا، اس لیے آپ مجھے نماز سکھا دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو پہلے تکبیر تحریمہ کہہ۔ پھر آسانی کے ساتھ جتنا قرآن تجھ کو یاد ہو اس کی تلاوت کر۔ اس کے بعد رکوع کر، اچھی طرح سے رکوع ہولے تو پھر سر اٹھا کر پوری طرح کھڑا ہو جا۔ اس کے بعد سجدہ کر پورے اطمینان کے ساتھ۔ پھر سر اٹھا اور اچھی طرح بیٹھ جا۔ اسی طرح اپنی تمام نماز پوری کر۔ (بخاری: کتاب الأذان/ باب وجوب القراءة للإمام والمأموم/ رقم الحدیث: ۷۵۷)

مسجد نبوی کی تعمیر

مسجد نبوی کی تعمیر کے کام میں تمام مہاجرین اور انصار صحابہ نے حصہ لیا، یہاں تک کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے ہاتھوں سے کام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی چادر میں اینٹیں بھر بھر کر لاتے یہاں تک کہ سینہ مبارک غبار آلود ہو جاتا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اینٹیں اٹھاتے دیکھا تو وہ اور زیادہ جانفشانی سے اینٹیں ڈھونے لگے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بہت نفیس اور صفائی پسند تھے۔ وہ بھی مسجد کی تعمیر کے لیے پتھر ڈھو رہے تھے۔ پتھر اٹھا کر چلتے تو اس کو اپنے کپڑوں سے دور رکھتے تاکہ کپڑے خراب نہ ہوں۔ اگر مٹی لگ جاتی تو فوراً چٹکی سے اس کو جھاڑنے لگ جاتے۔ دوسرے صحابہ دیکھ کر مسکرا دیتے کہ آج کے دن کا غبار بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۱/۴۱۱)

خندق کی کھدائی

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سازش کا علم ہوا کہ ابوسفیان بڑا لشکر لے کر مدینہ منورہ پر حملے کا ارادہ کر رہے ہیں، تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک دفاعی خندق کھودنے کا مشورہ دیا جو عربوں کے لیے ایک نئی بات تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مشورہ پسند آیا چنانچہ خندق کی کھدائی شروع ہوگئی۔ مدینہ منورہ کے اردگرد پہاڑ تھے اور گھر ایک دوسرے سے متصل تھے جو ایک قدرتی دفاعی فصیل کا کام کرتے تھے۔ ایک جگہ کا خندق کھودنے کے لیے انتخاب کیا گیا۔ اس کی کھدائی میں حضو اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمیت سب لوگ شریک ہوئے۔

اس دوران حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نہایت جوش وخروش سے کام کرتے رہے اور اس وجہ سے انصار کہنے لگے کہ سلمان ہم میں سے ہیں اور مہاجرین کہنے لگے کہ سلمان ہم میں سے ہیں۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان میرے اہلِ بیت سے ہیں۔ کھدائی کے دوران میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بڑا سفید پتھر آ گیا جو ان سے اور دوسرے ساتھیوں سے نہ ٹوٹا۔ آخر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تشریف لائے اور کلہاڑی کی ضرب

لگائی۔ ایک بجلی سی چمکی اور پتھر کا ایک ٹکرا ٹوٹ کر الگ ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر بلند کی۔ دوسری اور تیسری ضرب پر بھی ایسا ہی ہوا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ ہر دفعہ بجلی سی چمکنے کے بعد آپ تکبیر کیوں بلند کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ جب پہلی دفعہ بجلی چمکی تو میں نے یمن اور صنعا کے محلوں کو کھلتے دیکھا۔ دوسری مرتبہ بجلی چمکنے پر میں نے شام و مغرب کے کاخہائے سرخ کو فتح ہوتے دیکھا اور جب تیسری بار بجلی چمکی تو میں نے دیکھا کہ کاخہائے کسریٰ میری امت کے ہاتھوں مسخر ہو جائیں گے۔ (معارف القرآن: ۳/ ۱۰۵)

حضرت مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی اکابر دیوبند میں ہے۔ ان کے علم وفضل کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بلا واسطہ شاگرد اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق ہیں۔ وہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لیے جا رہا تھا، بوجھ زیادہ تھا وہ بمشکل چل رہا تھا۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حال دیکھا تو اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں وہ پہنچا دیا۔ اس بوڑھے نے اس سے پوچھا! اجی تم کہاں رہتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ بھائی! میں کاندھلہ میں رہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ وہاں مولوی مظفر حسین ولی ہیں اور یہ کہہ کر ان کی بڑی تعریفیں کی، مگر حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے، ہاں نماز تو پڑھ لیتا ہے۔ اس نے کہا واہ میاں! تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو؟ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں ٹھیک کہتا ہوں۔ وہ

بوڑھا ان کے سر پر ہو گیا، اتنے میں ایک اور شخص آ گیا جو مولانا کو جانتا تھا، اس نے بوڑھے سے کہا بھلے مانس! مولوی مظفر حسین یہی ہیں، اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا۔ (ارواح ثلاثہ/ص:۱۵۵)

تیسری صورت

نیکی اور بھلائی پر تعاون کی تیسری صورت یہ ہے کہ اشارے سے کسی کی مدد کی جائے۔ مثلاً راستے میں کسی نے پوچھ لیا کہ مسجد، مدرسہ یا اجتماع گاہ کس طرف ہے؟ تو اس کو اشارے سے بتا دینا کہ جی، اس طرف ہے۔ یہ اشارے سے نیکی کے کام میں تعاون کرنا ہے۔

راستے کا حق

اسی لیے راستے کے حقوق میں ایک حق یہ بھی ہے کہ کوئی شخص راستہ بھول جائے تو اسے صحیح راستے کی طرف رہنمائی کرنا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ راستہ بتلانا بھی صدقہ ہے۔ (بخاری: کتاب الجهاد والسير/باب فضل من من حمل متاع صاحبه فى السفر/رقم الحديث: ۲۸۹۱)

اشارے سے باندی آزاد کرنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق منقول ہے کہ ایک مرتبہ نماز میں تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر گذرے:

﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ [آل عمران:۹۲]

کہ تم ہرگز نیکی نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنی محبوب چیز اللہ کے راستے میں خرچ نہ کر

دو۔تو نماز ہی کی حالت میں اپنی ایک باندی کو اشارے سے آزاد کر دیا۔(حدیث کے اصلاحی مضامین:۵/۲۹۸)

اشارے سے سلام کا جواب دینا

ویسے تو اشارے سے سلام کرنا شریعت اسلامیہ میں پسندیدہ نہیں ہے، اس لیے کہ یہ یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے۔یہود انگلیوں کے اشارے سے سلام کرتے ہیں اور عیسائی ہتھیلیوں کے اشارے سے۔(مشکوۃ المصابیح/ص:۳۹۹)

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی حالت میں اشارے سے سلام کا جواب دیا ہے۔(ترمذی:أبواب الصلاۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب ماجاء فی الإشارۃ فی الصلاۃ/رقم الحدیث:۳۶۸)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص دوری پر ہو تب بھی اشاے سے سلام کیا جا سکتا ہے؛لیکن صرف اشارہ کافی نہیں،زبان سے بھی سلام کے الفاظ کہنے چاہیے۔

ہتھیار سے اشارہ نہ کرے

اشارے سے مدد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار وغیرہ سے اشارہ نہ کرے، حدیث پاک میں اِس کی ممانعت آئی ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، اس لیے کہ اس کو نہیں معلوم کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار کھینچ لے اور اس کی وجہ سے وہ ہتھیار کا مالک دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے۔(بخاری:کتاب الفتن/باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حمل علینا السلاح/

رقم الحدیث: ۷۰۷۲)

چوتھی صورت

نیکی اور بھلائی پر تعاون کی چوتھی صورت ہے کہ لکھ کر نیکی کے کام میں تعاون کیا جائے۔ اس کی مثال جیسے کسی کو کسی جگہ جانا ہے، لیکن اس کو مکمل پتا معلوم نہیں ہے کسی نے اس کو کاغذ پر پورا پتا لکھ کر دے دیا۔ یہ لکھ کر نیکی کے کام میں معاونت ہوئی۔ یا پھر کسی نے دوسرے بندے کو نیکیوں والے کوئی اعمال لکھ کر دیے کہ تم بھی اس پر عمل کرو تو یہ بھی لکھائی کے ذریعے تعاون ہے۔

بخاری شریف کی مقبولیت

قرآن کریم کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے امام بخاری کی الجامع الصحیح۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی محنت، جفاکشی اور حسن نیت واخلاص کا یہ ثمرہ تھا کہ حق جل شانہ نے اُن کی کتاب کو غیر معمولی مقبولیت عطا فرمائی۔ شیخ جمال الدین اپنے استاذ شیخ اصیل الدین سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں ۱۲۰ مرتبہ مشکلات کے وقت اس کے ختم کا اہتمام کیا، اللہ تعالیٰ نے ہر مشکل آسان کر دی۔ (ظفر المحصلین باحوال المصنفین ص:۱۲۶)

ابوزید مروزی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ابوزید مروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوزید! امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا درس کب تک دو گے؟ میری کتاب کا درس نہیں دیتے؟ میں نے عرض کیا حضور! آپ کی کون سی کتاب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ محمد بن اسماعیل کی

الجامع الصحیح۔ (ظفرالمحصلین باحوال المصنفین ،ص:۱۲٦)

فضائل اعمال کی مقبولیت

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق تصنیف فضائل اعمال کو اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا میں مقبولیت عطا فرمائی ہے اور یہ پوری دنیا میں کثرت کے ساتھ پڑھی اور سنی جانے والی اور دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہونے والی کتاب ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا نہیں گذرتا جس میں یہ کتاب فضائل اعمال کی دنیا میں پڑھی اور سنی نہ جاتی ہو، اور اس کو اللہ نے لوگوں کے لیے نقصان پہچاننے اور نیکی پر چلنے کا راستہ بنایا ہے۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات

محقق علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری پہلی تصنیف اس وقت ہوئی ہے جب میری عمر تقریباً تیرہ برس کی تھی۔ آپ کے پوتے ابوالمظفر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا سے آخری عمر میں برسرمنبر یہ کہتے سنا ہے کہ میری ان انگلیوں نے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں۔ میرے ہاتھ پر ایک لاکھ آدمیوں نے توبہ کی ہے اور بیس ہزار یہود و نصاریٰ مسلمان ہوئے ہیں، علامہ موصوف کی تصانیف کو دیکھ کر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ کسی عالم نے ایسی تصنیفات کی جیسی آپ نے کی، جن قلموں سے شیخ نے حدیث شریف کی کتابیں لکھی تھی، ان کا تراشہ جمع کرتے گئے تھے۔ جب وہ وفات پانے لگے تو وصیت کی کہ میرے غسل کا پانی اسی تراشے سے گرم کیا جائے، چناں چہ جس پانی سے ان کو غسل دیا گیا اس کے نیچے وہی پاک ایندھن جلایا گیا تھا۔ (فضائل اعمال ،ص:۱۱۷)

غرض! یہ تمام اسلاف کے قلمی کارنامے ہی ہیں، جن کے ذریعے انھوں نے لوگوں کا تعاون کیا ہے۔

پانچویں صورت

نیکی اور بھلائی پر تعاون کی پانچویں صورت ہے اپنے مال کے ذریعے کسی کا تعاون کرنا۔ مثلاً دین اسلام کی شاعت کے لیے اپنا مال لگانا، کسی مسجد یا مدرسے کی تعمیر میں اپنا مال صرف کرنا، کسی غریب طالب علم کی اپنے مال سے کفالت کرنا وغیرہ۔

مرنے کے بعد باقی رہنے والی تین چیزیں

مسلم شریف کی روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان کا انتقال ہوجاتا ہے تو عمل کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے۔ صدقۂ جاریہ، ایسا علم جس سے لوگ نفع اٹھائیں اور نیک لڑکا جو اس کے لیے دعا کرے۔ (مسلم: کتاب الوصیۃ/باب مایلحق الإنسان من الثواب بعد وفاتہ/رقم الحدیث: ۱۶۳۱)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مالی تعاون

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ پاکباز خاتون ہے جن کا مال لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوسری مرتبہ ملک شام بغرض تجارت تشریف لے گئے تھے، جس میں امید سے بڑھ کر نفع حاصل ہوا اور وہ بھی قلیل مدت میں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اِس کثیر نفع کے ساتھ واپس تشریف لائے تو اس کو دیکھ کر نیز دوسرے کچھ آثار و علامات دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر بڑا اثر ہوا۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نکاح کی پیش کش کی اور نکاح ہوگیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سارا مال

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں رکھ دیا۔ یہ ہے اُن کا نیکی کے کام میں مالی تعاون، اور اسی کو سورۂ ضحیٰ میں بیان فرمایا:

﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغۡنَىٰ ۝﴾ [الضحیٰ:۸]

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے آپ کو تنگ دست پایا، سو ہم نے آپ کو غنی کر دیا۔ (تفسیر عزیزی مترجم: ۴/۴۲۲، معارف القرآن: ۸/۷۶۷)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی سخاوت

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا تھا۔ جس میں پالان اور کجاوے سمیت دوسو اونٹ تھے اور دوسو اوقیہ (تقریباً ساڑھے انتیس کلو) چاندی تھی۔ آپ نے یہ سب صدقہ کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت صدقہ کیے۔ اس کے بعد ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے) لے آئے اور انھیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش میں بکھیر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں الٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ آج کے بعد عثمان جو بھی کریں انھیں ضرر نہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر صدقہ کیا، اور صدقہ کیا، یہاں تک کہ ان کے صدقے کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔ (ترمذی: أبواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب/رقم الحدیث: ۳۷۰۰)

سفیروں کا تعاون کرنا

مالی تعاون کی ایک صورت ہے سفیروں کی مدد کی جائے، اُن کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کیا جائے۔ بہت سی مساجد میں منتظمین کی طرف سے سفیروں پر اعلان کی پابندی لگائی

جاتی ہے، مسجدوں میں قیام کی پابندی لگائی جاتی ہے، اُن کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہے، یہ سب تعلیمات نبویہ کے خلاف ہے۔ مسجد میں چندے کا ثبوت خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، اسی طرح مسجد میں قیام کا بھی ثبوت ہے۔ ہمارا سفیروں کے ساتھ غلط رویہ اور اُن کی تذلیل کرنا ہمیں عذابِ آخرت کا مستحق بنا سکتا ہے۔

چھٹی صورت

نیکی اور بھلائی پر تعاون کی چھٹی صورت یہ ہے کہ دین اسلام کی دعوت اور تعلیمات اسلامیہ کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہونچانے کے لیے ایک دوسرے کا تعاون کرنا، تاکہ اسلامی معاشرہ خوشگوار ہو اور گھر گھر میں نبوی تعلیمات کا چراغ روشن ہو۔

دعوت وتبلیغ

آج جو دعوت وتبلیغ کی محنت ہو رہی ہے وہ بھی نیکی میں تعاون کی ایک صورت ہے۔ نکلنے والوں کا مقصد اولاً اپنی اصلاح اور ثانیاً یہ کہ گھر گھر میں نبوی تعلیمات روشن ہوں، ہر مسلمان نمازی بن جائے، ہر ایک میں دین داری آجائے، ہر ایک اخلاق نبوی سے مالا مال ہو جائے، ہر ایک شریعت پر چلنے والا بن جائے، یہی ہے نیکی میں تعاون۔

ساتویں صورت

نیکی اور بھلائی پر تعاون کی ساتویں صورت یہ ہے کہ سفر میں ایک دوسرے کا تعاون کیا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعاون کے عملی نمونے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رمضان

میں سفر کرتے تو نہ آپ روزہ رکھنے والے کے روزہ رکھنے پر نکیر کرتے اور نہ ہی روزہ نہ رکھنے والے کے روزہ نہ رکھنے پر۔(ترمذی:أبواب الصوم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب ما جاء فی الرخصۃ فی السفر/رقم الحدیث:۷۱۲)

جیسا کہ فتح مکہ کے سفر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مقام پر پہنچ کر رفقا کے خیال سے روزہ توڑ دیا تھا، حالانکہ رمضان کا مہینہ تھا۔(بخاری:کتاب الصوم/باب من أفطر فی السفر لیراہ الناس/رقم الحدیث:۱۹۴۸)

اس سے اندازہ لگائیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھیوں کا کتنا خیال فرماتے تھے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رخصت کرنے کا واقعہ

جب اہل یمن نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ آپ ایک ایسا آدمی بھیج دیجیے جو صرف امیر ہی نہ ہو، بلکہ معلم بھی ہو، تو اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر مبارک معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر پڑی، چناں چہ آپ نے ان کو اشارہ کر کے بلایا اور کہا کہ اے معاذ! تم یمن چلے جاؤ تمھاری وہاں ضرورت ہے، پھر آپ نے تبلیغ سے متعلق کچھ نصیحتیں فرمائی اور ان کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا اور کہا کہ اے معاذ! واپسی میں شاید تم مجھ سے نہ مل سکوگے، یہ سننا تھا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے آنسو بہہ پڑے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی آنسو شدت محبت کی وجہ سے بہہ پڑے، پھر جب روانہ ہونے لگے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدل چل رہے تھے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سواری پر تھے۔(معارف الحدیث:۸/۴۲۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور غلام کا واقعہ

ہجرت کے پندرھویں سال حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کے قائدین

حضرتِ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو مقدس سرزمین کے حکمرانوں کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ شہر کی کنجیاں ان قائدین کے سپرد کر دیں، لیکن حکمران پادری جعفرو ینوس نے شہر کی کنجیاں ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ ہم نے اپنی مذہبی کتاب میں وہ اوصاف پڑھے ہیں جن کا حامل شخص اس شہر کی کنجیوں کا مالک بنے گا، لیکن ہم وہ اوصاف تمھارے اندر نہیں پا رہے، اس لیے شہر کی کنجیاں تمھارے حوالے نہیں کی جاسکتیں۔

یہ جواب سن کر عمائدین اسلام نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام بھیجا کہ اے امیر المومنین! آپ خود تشریف لائیں، کیوں کہ سرزمینِ مقدس کے حکمران نے شہر کی کنجیاں ہمارے حوالے کرنے سے انکار کر دیا ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ آپ کا اجازت نامہ ملے بغیر اس سے کسی قسم کی نوک جھونک کریں۔

حالات سے واقفیت کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے غلام کے ہمراہ سفر پر روانہ ہو گئے۔ راستے میں باری باری کبھی خود سوار ہوتے اور کبھی غلام کو سواری کے جانور پر بٹھاتے، اور کبھی دونوں پیدل چلنے لگتے تاکہ سواری کا جانور تھکاوٹ سے آرام پالے۔

دورانِ سفر شام کی سرحد کے قریب پہنچے تو راستے میں دور دور تک کیچڑ تھا۔ اُن کے پاس کوئی چارہ نہ تھا کہ اس کیچڑ کو پیدل عبور کرتے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ملک شام کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر حضرتِ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے جو کیچڑ نما سمندری راہ پر امیر المومنین کے استقبال کے لیے تشریف لائے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ جب یہ کیچڑ نما سمندری راہ حائل ہوئی تو اونٹنی سے اُترے اپنے جوتے نکال کے کندھے

پر رکھے اور اونٹنی کی لگام اپنے ہاتھ میں تھامی، پھر اونٹنی کو پکڑے ہوئے کیچڑ نما سمندری راستے پر خود کو ڈال دیا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر عرض کیا کہ امیر المومنین! کیا آپ یہ کام کر رہے ہیں؟ جوتے کندھے پر، زمامِ سواری ہاتھ میں اور اونٹنی کے ساتھ اس کیچڑ نُما زمین میں؟ مجھے اچھا نہیں لگ رہا، کیونکہ ملک شام کے باشندگان سے آپ کا سامنا ہونے والا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ آہ! اے ابوعبیدہ! اگر آپ کے علاوہ کسی اور نے ایسا کہا ہوتا تو میں اُسے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نشانِ عبرت بنا دیتا! ہم ذلیل و خوار لوگ تھے تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے ہمیں عزت وشان سے نوازا، اب اگر ہم اسلام کو چھوڑ کر کسی اور ذریعے سے عزت وشان کے متلاشی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں پھر ذلیل وخوار کر دے گا۔

پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سواری پر بیٹھے اور تھوڑی دور جا کر اپنی باری ختم ہوتے ہی اُتر گئے اور غلام سوار ہو گئے۔ لشکرِ اسلامی کی خواہش تھی کہ جب وہ فلسطین کے حکمران کے پاس پہنچیں تو اس وقت سواری کی باری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہو، لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا اور سفر کے آخری حصے میں سواری کی باری غلام کی آپڑی، چنانچہ غلام نے سوار ہو کر اور امیر المومنین نے پیدل چل کر آخری منزل طے کی۔

جب یہ مبارک قافلہ مقدس سرزمین فلسطین کے حاکم کے دربار میں جلوہ افروز ہوا تو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کپڑے بڑے غور سے دیکھے اور نہایت اطمینان سے شہر کی کنجیاں ان کے حوالے کر دی۔ (المستدرک علی الصحیحین: ۱/۲۳۶، ۲۳۷)

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کے ان اساتذہ میں سے ہیں جن کے عشّاق اب بھی شاید لاکھوں سے کم نہ ہوں، ان کے رُعب اور دبدبے کا یہ عالم تھا کہ طلبہ ان کے نام سے تھراتے تھے حالانکہ مارنے پیٹنے کا کوئی معمول نہ تھا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اُن کے شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے ساتھ ہم چند آدمی سفر پر روانہ ہوئے، سفر کے آغاز میں مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی کو اپنا امیر بنالو۔ ہم نے عرض کیا کہ امیر تو متعین ہے۔ مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے امیر بنانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے، لیکن امیر کی اطاعت کرنی ہوگی۔ ہم نے عرض کیا ان شاء اللہ ضرور! اب جو روانگی ہوئی تو مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا اور ساتھیوں کا سامان خود اُٹھالیا۔ ہم نے دوڑ کر سامان لینا چاہا تو فرمایا نہیں! امیر کی اطاعت ضروری ہے، پھر سفر کے ہر مرحلے میں مشقت کا ہر کام خود کرنے کے لیے آگے بڑھتے اور کوئی کچھ بولتا تو اطاعت امیر کا حکم سناتے۔ (اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص:۱۶)

آٹھویں صورت

نیکی اور بھلائی پر تعاون کی آٹھویں صورت ہے اپنے وقت کو دوسرے کے لیے فارغ کرے۔ مگر ایک بات ذہن نشین کرلیں کہ جب ہمیں کوئی اپنا وقت فارغ کر کے دے تو اُس کے وقت کی قدر بھی کریں، ایسا نہ ہو کہ جم کر بیٹھ جائیں۔

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے علم حاصل کیا اور سب سے زیادہ اسے انصار سے حاصل کیا۔ میں کسی صحابی کے ہاں آتا تھا، تو ان کے

بارے میں دریافت کرتا، اگر مجھے بتایا جاتا کہ وہ سورہے ہیں، تو میں اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتا یہاں تک کہ ظہر کی نماز کے لیے وہ خود باہر تشریف لاتے تو دریافت کرتے اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی! آپ کب سے یہاں ہیں؟ میں جواب دیتا کافی دیر ہوگئی ہے تو وہ کہتے کہ آپ نے میرے انتظار کی زحمت اٹھا کر اچھا نہیں کیا۔آپ نے مجھے اطلاع کیوں نہیں کی تا کہ میں خود آپ کے پاس حاضر ہو جاتا؟ تو میں جواب دیتا کہ میری خواہش تھی کہ آپ میری طرف اس وقت تشریف لائیں جب آپ اپنی ضرورت سے فارغ ہو جائیں۔(المستدرک علی الصحیحین: ۱/۳۰۴، رقم الحدیث: ۳۷۰)

حق تعالیٰ ہمیں نیکی اور بھلائی کے کام پر ایک دوسرے کا تعاون کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔(آمین)

وصلی اللہ علی النبي الکریم

مضمون: (۱۲)

نیکیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ‌ؕ ذٰلِكَ ذِكۡرٰى لِلذّٰكِرِيۡنَ‌ۚ﴾ [هود: ۱۱۴]

تمہید

یہ سورۂ ہود کی ۱۱۴ نمبر کی آیت کا ٹکڑا ہے۔ اِس آیت کریمہ میں حق جل شانہ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں، یہ ایک نصیحت ہے اُن لوگوں کے لیے جو نصیحت مانیں۔

اصل تو یہ ہے کہ بندے سے کوئی برائی سرزد نہ ہو، مگر کبھی بشریت کے تقاضے سے کوئی گناہ ہو جائے، تو فوراً نیک کام کر لینا چاہیے۔ نیک کام میں توبہ بھی داخل ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ جو برائی کی اسی کی جنس سے کوئی نیک کام کر لے، مثلاً شراب پی تو لوگوں کو کوئی حلال چیز پلائے وغیرہ۔

آیت مذکورہ کا شان نزول

مذکورہ آیت کے شان نزول کے سلسلے میں متعدد واقعات نقل کیے گئے ہیں۔

حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا، تو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر اس کا تذکرہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پس یہ آیت نازل ہو گئی:

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكۡرٰى لِلذّٰكِرِيۡنَ ۝﴾ [ھود:۱۱۴]

دن کے دونوں سروں میں نماز قائم رکھو، اور رات کی کئی ساعتوں میں، یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لیے۔

پس اس آدمی نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا یہ آیت صرف میرے لیے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے ہر اس شخص کے لیے ہے جو اس پر عمل کرے۔

(بخاری: کتاب التفسیر/سورۃ ھود/باب قولہ: وأقم الصلاۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل/رقم الحدیث: ۴۶۸۷)

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں مدینے کے دور کے کنارے (یعنی کہ بیرونی آبادی) میں ایک عورت سے ملا ہوں، اور سوائے جماع کے میں نے اس سے سب کچھ کیا ہے۔ پس میں حاضر ہوں آپ جو چاہیں میرے بارے میں فیصلہ کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کی پردہ پوشی کی تھی، کاش کہ آپ بھی اپنی پردہ پوشی کرتے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا، تو وہ آدمی چلا گیا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے پیچھے ایک آدمی روانہ کیا کہ اس کو بلا لاؤ (جب وہ آدمی گیا تو) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكۡرٰى لِلذّٰكِرِيۡنَ ۝﴾ [ھود:۱۱۴]

دن کے دونوں سروں اور رات کی کئی ساعتوں میں نماز قائم رکھو۔ یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لیے۔

تو لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! (کیا) یہ اس کے لیے خاص ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ بلکہ تمام لوگوں کے لیے ہے۔(مسلم: کتاب التوبۃ/باب قولہ تعالیٰ: إن الحسنات یذھبن السیئات/رقم الحدیث: ۲۷۶۳)

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک آدمی، ایک عورت سے محبت کرتا تھا۔ پس اس آدمی نے کسی کام کے سلسلے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اجازت طلب کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو اجازت دے دی۔ وہ برسات کے دن گیا، تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ عورت پانی کے ایک تالاب پر غسل کر رہی ہے۔ پس جب وہ اس کے پاس ایسے بیٹھا جیسے آدمی عورت کے پاس (فعل کرنے کے لیے) بیٹھتا ہے، تو مردانہ کمزوری کی وجہ سے اس عورت سے برا فعل کرنے پر قادر نہ ہوا۔ پس وہاں سے کھڑا ہو گیا، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آ کر اس کا تذکرہ کیا، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے فرمایا کہ چار رکعت نماز ادا کرو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔(المصنف لعبد الرزاق/رقم الحدیث: ۱۳۸۳۱)

اس لیے انسان کو چاہیے کہ جب اُس سے کوئی برائی سرزد ہو، فوری طور پر کوئی نیک کام کر لے، وہ نیکی اُس بدی کو ختم کر دے گی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی یہی بات نقل کی گئی ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو جہاں کہیں تم ہو، اگر تم سے کوئی برائی سرزد ہو تو اس کے بعد نیکی کر لو تاکہ وہ نیکی برائی کو

مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ معاملہ کرو۔(ترمذی: أبواب البر والصلة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب ماجاء فی معاشرة الناس/رقم الحدیث:۱۹۸۷)

پہلا عمل

برائی مٹانے والا پہلا عمل ہے ایمان۔ مسلم شریف میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کوئی مجھے گناہوں سے زمین بھر کر ملے، اور وہ شرک نہ کرتا ہو، تو میں زمین بھر کر مغفرت کیساتھ اس سے ملوں گا۔(مسلم: کتاب الذکر والدعاء والإستغفار/باب فضل الذکر والدعاء/رقم الحدیث:۲۶۸۷)

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر بندہ عقیدہ توحید اور اللہ کے لیے اخلاص میں کامل ہو جائے، پھر توحید کی شرائط پوری کرنے کے لیے دل، زبان، اور اعضا کو جوت دے، یا مرتے وقت ہی صرف زبان اور دل سے شرائط پوری کرنے کی کوشش کرے، تو یہ عمل اس کے سابقہ سارے گناہ مٹانے کا سبب بن جاتا ہے، اور اسے کلی طور پر جہنم میں جانے نہیں دے گا۔ چناں چہ جس شخص نے کلمہ توحید کو اپنے دل میں سمولیا، اور محبت، تعظیم، جلال، ہیبت، خشیت، امید، اور توکل ہر اعتبار سے غیر اللہ کو دل سے نکال دیا، تو اُس کے سارے کے سارے گناہ جل کر بھسم ہو جائیں گے، چاہے سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں، بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گناہ نیکیوں میں بدل جائیں۔ لہٰذا توحید ہی گناہوں کے لیے اکسیرِ اعظم ہے، اگر گناہوں کے پہاڑوں پر ایک ذرہ بھی توحید کا رکھ دیا جائے تو سب گناہوں کو نیکیوں میں بدل کر رکھ دے۔(جامع العلوم والحکم: ۴۱۷/۲)

تین حضرات کے ایمان لانے کا واقعہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر انعام کا ارادہ فرمایا تو ان کے دل میں اسلام و ایمان کی سوچ پیدا کر دی۔ وہ اس طرح کہ وہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کسی جنگ میں حصہ لینے کے بعد مکہ واپس جاتے تو سوچنے لگتے اور اس نتیجے پر پہنچتے کہ میں صحیح کام نہیں کر رہا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حال میں غالب آئیں گے۔ غزوۂ حدیبیہ میں تو انھیں یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہی ہے کیونکہ جب انھوں نے عسفان کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اچانک حملے کا پروگرام بنایا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے منصوبے سے مطلع فرما دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو صلاۃ خوف پڑھائی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حملے کا موقع نہ مل سکا، پھر جب صلح حدیبیہ طے پا گئی تو وہ بخوبی سمجھ گئے کہ اب ہمارے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں رہا۔ انھوں نے ہرقل یا نجاشی کے پاس چلے جانے کے لیے سوچ بچار شروع کر دی۔ ابھی وہ اسی حیص بیص میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرۂ قضا کے لیے مکہ پہنچ گئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ روپوش ہو گئے، البتہ ان کے بھائی ولید بن ولید اِس عمرے کے دوران میں مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بھی تلاش کرنے کی کوشش کی، مگر وہ نہ مل سکے، پھر انھوں نے ان کے نام خط لکھا جس میں تعجب ظاہر کیا کہ تم جیسا عاقل اور ذہین شخص اسلام سے کیسے دور رہ سکتا ہے؟ انھوں نے خط میں یہ بھی لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تمھاری بابت پوچھا تھا اور فرمایا تھا کہ اس جیسا شخص اسلام سے جاہل نہیں رہ سکتا۔ اور اگر اس نے اپنی جنگی خدمات مسلمانوں کے ساتھ مل کر کافروں کے خلاف انجام دی ہوتیں تو یہ اس کے لیے بہت بہتر ہوتا اور ہم اسے دوسرے لوگوں سے مقدم رکھتے۔ جب انھیں اپنے بھائی کا یہ خط ملا تو ان کے دل میں ہجرت کا

شوق پیدا ہو گیا۔

قبول اسلام کی ترغیب میں ان کا ایک خواب بھی محرک ثابت ہوا۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک تنگ اور بے آب و گیاہ علاقے میں ہوں، پھر میں ایک کھلے سبز و شاداب میدان میں نکل آیا ہوں۔ وہ کہنے لگے یقیناً یہ اہم خواب ہے۔ مدینہ آنے کے بعد انھوں نے یہ خواب ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ تم شرک کی تنگنائے کو چھوڑ کر اسلام کے وسیع سمندر میں پہنچ گئے ہو۔ جب انھوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو وہ چاہتے تھے کہ میرے ساتھ میرے مرتبے کے چند اور لوگ بھی چلیں۔ انھوں نے صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل سے بھی رابطہ کیا، لیکن وہ نہ مانے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ انھیں چھوڑ کر اکیلے ہی چل پڑے۔ عین اسی وقت ان کی ملاقات ان کے ایک دوست حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان سے اپنے دل کی بات کہہ دی تو پتہ چلا کہ خود عثمان بن طلحہ کی خواہش بھی یہی ہے۔ دونوں نے اتفاق کیا کہ کل صبح یأجج کے مقام پر ملیں گے۔ رات کے پچھلے پہر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فجر کے وقت یأجج میں اکٹھے ہو کر چل پڑے۔ جب یہ دونوں ہدّہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں حضرت عمرو بن عاص سے ملاقات ہو گئی۔ اب پتہ چلا کہ ان کا مقصد بھی یہی ہے، پھر تینوں سیدھے مدینہ منورہ پہنچے۔

جب یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پہلے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، پھر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے قریب ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں بیعت کروں گا، لیکن آپ میرے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کر دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عمرو! بیعت کر لو، اسلام اپنے ماقبل کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور

ہجرت بھی اپنے ماقبل کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے چناں چہ میں نے بیعت کی اور بیعت کر کے لوٹ گیا۔ (مسلم: کتاب الإیمان/باب کون الإسلام یھدم ما قبلہ/رقم الحدیث: ۱۲۱)

دوسرا عمل

برائی مٹانے والا دوسرا عمل ہے نماز۔ متعدد روایات سے یہ ثابت ہے کہ نماز گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمھارا کیا خیال ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر نہر بہتی ہو اور وہ روزانہ اس سے پانچ دفعہ نہائے، تو کیا اس کے بدن پر کچھ بھی میل کچیل باقی رہ سکتا ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ نہیں، اس کے جسم پر کچھ بھی میل کچیل باقی نہیں رہے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہی مثال پانچوں وقت کی نمازوں کی ہے کہ اللہ پاک ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (بخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ/باب الصلوات الخمس کفارۃ/رقم الحدیث: ۵۲۸)

اسی طرح ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ گناہوں کو معاف کرتا اور نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ جی ہاں، ضرور بتائیے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دشواری و ناپسندیدگی کے باوجود پورا وضو کرنا، مسجدوں کی جانب دور سے چل کر جانا، اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ (ابن ماجۃ: کتاب الطھارۃ وسننھا/باب ماجاء فی إسباغ الوضوء/رقم الحدیث: ۴۲۷)

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب نصیحت

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب ولایتی رحمۃ اللہ علیہ بڑے پایے کے بزرگ تھے۔ اُن سے ایک گویا بیعت ہوا۔ اُس نے کہا حضرت! مجھے کوئی وظیفہ بتلا دیجیے۔ حضرت نے فرمایا کہ کچھ نہیں، جب اذان کی آواز سنو تو فوراً نماز کے لیے چلے جاؤ، جس کام میں بھی مشغول ہو اُسے چھوڑ کر نماز میں حاضر ہو جاؤ۔ بعض معتقدین نے کہا حضرت! وہ تو گویا ہے، آپ نے اُسے گانے بجانے سے منع کیوں نہیں فرمایا؟ حضرت نے فرمایا کہ دراصل جب اِس نے مجھ سے وظیفہ کی درخواست کی، تو میرے دل میں القا کیا گیا:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ [العنکبوت:۴۵]

بلاشبہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

اُس گویے نے حضرت کی اس نصیحت کو لازم پکڑ لیا۔ جب بھی وہ اذان کی آواز سنتا، فوراً مسجد کی طرف چل دیتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چند ہی دنوں میں وہ اپنی حرکت سے رک گیا اور حضرت کی خدمت میں آپہنچا۔ اسی لیے فرمایا کہ یقیناً نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ (حکایات اسلاف دیوبند، ص: ۲۴، ۲۵)

تیسرا عمل

برائی مٹانے والا تیسرا عمل ہے اپنے اموال کی کامل زکوۃ ادا کرنا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی تمیم کا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں بہت مالدار، اہل وعیال اور خاندان والا

آدمی ہوں، آپ مجھے بتائیے کہ میں کیسے خرچ کروں اور کس کام پر کروں؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے مال کی زکوٰۃ نکالا کرو کہ اس سے تمھارا مال پاکیزہ ہو جائے گا اپنے قریبی رشتے داروں سے صلہ رحمی کیا کرو، سائل، پڑوسی اور مسکینوں کو ان کا حق دیا کرو اور فضول خرچی نہ کیا کرو، وہ کہنے لگا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بس یہ میرے لیے کافی ہے، جب میں اپنے مال کی زکوٰۃ آپ کے قاصد کے حوالے کر دوں تو اللہ اور اس کے رسول کی نگاہوں میں میں بری ہو جاؤں گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! جب تم میرے قاصد کو زکوٰۃ ادا کر دو تو تم اس سے عہدہ برآ ہو گئے اور تمھیں اس کا اجر ملے گا اور گناہ اس کے ذمے ہوگا جو اس میں تبدیلی کر دے۔ (مسند أحمد: مسند أنس بن مالک رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۱۲۳۹۴)

چوتھا عمل

برائی مٹانے والا چوتھا عمل ہے حج۔

ایک روایت میں ہے کہ دو صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حج کے الگ الگ اعمال کا اجر و ثواب پوچھنے کی غرض و نیت سے حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سوال کرنے سے پہلے ہی ان کے سوالات ذکر کر دیے۔ اور پھر ہر ایک کا ترتیب وار جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ:

(۱) جب کوئی حاجی اپنے گھر سے مسجد حرام کے ارادے سے چلتا ہے تو اس کی سواری کے ہر قدم پر ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک ایک غلطی معاف کی جاتی ہے۔

(۲) طواف کے بعد کی دو رکعتوں کا ثواب خاندان بنی اسماعیل کے کسی غلام کو آزاد کرنے کے برابر ہے۔

(۳) اور جب حجاج میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ رب العزت آسمان دنیا پر نزول اجلال فرما کر فرشتوں کے سامنے ان پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرے بندے بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ دنیا کے کونے کونے سے میری جنت کی امید لگا کر میرے پاس آئے ہیں لہٰذا ان کے گناہ اگر چہ ریت کے ذرات، بارش کے قطرات اور سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں، پھر بھی میں انھیں بخش دوں گا، پس اے میرے بندو! جاؤ بخشے بخشائے واپس چلے جاؤ تم بھی بخش دیے گئے، اور جس کے لیے تم نے بخشش کی سفارش کی ان کی بھی مغفرت کر دی گئی۔

(۴) اور شیطان کو کنکری مارنے کا ثواب یہ ہے کہ ہر کنکری کے بدلے میں کسی بڑے گناہ کی مغفرت ہوتی ہے۔

(۵) اور قربانی کرنے کا ثواب آخرت کے ذخیرے میں جمع کر دیا جاتا ہے۔

(۶) اور احرام کے بعد حلق کرایا جاتا ہے تو حال یہ ہوتا ہے کہ ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک برائی مٹائی جاتی ہے۔

(۷) اور جب طواف زیارت کیا جاتا ہے تو حال یہ ہوتا ہے کہ حاجی گناہ سے بالکل پاک اور صاف ہوتا ہے، اور ایک فرشتہ اس کے دونوں شانوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ آئندہ کے لیے از سر نو اعمال کرو تمھارے گذشتہ سارے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں۔ (مجمع الزوائد/ رقم الحدیث: ۵۲۴۸)

پانچواں عمل

برائی کو مٹانے والا پانچواں عمل ہے حجر اسود کا بوسہ لینا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس

رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب حجر اسود جنت سے اترا تو وہ دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا، پھر بنو آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔(ترمذی: أبواب الحج عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/فضل الحجر الأسود والرکن والمقام/رقم الحدیث: ۸۷۷)

لہٰذا جو سنت کی نیت سے حجر اسود کا استلام کرے گا وہ اس کے گناہوں کے مٹنے کا ذریعہ ہوگا۔

چھٹا عمل

برائی کو مٹانے والا چھٹا عمل وضو کرنا ہے۔ وضو کے دوران بندہ جس عضو کو دھو دیتا ہے اُس عضو سے گناہ دھلتے چلے جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ مسلمان یا مؤمن وضو کرتا ہے اور اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے وہ تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں جو اس نے آنکھوں سے کیے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ، جب وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ جو انھوں نے کسی چیز کو پکڑ کر کیے جھڑ جاتے ہیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ، جب وہ اپنے پاؤں کو دھوتا ہے تو پاؤں جن گناہوں کی طرف چل کر گئے وہ تمام گناہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک وصاف ہو کر نکلتا ہے۔(مسلم: کتاب الطھارت/باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء/رقم الحدیث: ۲۴۴)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں خیال کرتا تھا کہ لوگ

گمراہی میں مبتلا ہیں اور وہ کسی راستے پر نہیں ہیں اور وہ سب لوگ بتوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ میں نے ایک آدمی کے بارے میں سنا کہ وہ مکہ میں بہت سی خبریں بیان کرتا ہے تو میں اپنی سواری پر بیٹھا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھپ کر رہ رہے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مسلط تھی پھر میں نے ایک طریقہ اختیار کیا جس کے مطابق میں مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نبی ہوں، میں نے عرض کیا نبی کسے کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے، میں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس چیز کا پیغام دے کر بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ صلہ رحمی کرنا اور بتوں کو توڑنا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا میں نے عرض کیا کہ اس مسئلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آزاد اور ایک غلام راوی نے کہا کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ کیا تم میرا اور لوگوں کا حال نہیں دیکھتے؟ اس وقت تم اپنے گھر جاؤ، پھر جب سنو کہ میں ظاہر (غالب) ہو گیا ہوں تو پھر میرے پاس آنا۔

وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر کی طرف چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں آ گئے، تو میں اپنے گھر والوں میں ہی تھا اور لوگوں سے خبریں لیتا رہتا تھا اور پوچھتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ والوں سے میری طرف کچھ آدمی آئے تو میں نے ان سے کہا کہ اس

طرح کے جو آدمی مدینہ منورہ میں آئے ہیں وہ کیسے ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ لوگ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں، ان کی قوم کے لوگ انھیں قتل کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ تو میں مدینہ منورہ میں آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے پہچانتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! تم تو وہی ہو جس نے مجھ سے مکہ میں ملاقات کی تھی۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔

پھر عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کچھ سکھایا ہے مجھے اس کی خبر دیجیے اور میں اس سے جاہل ہوں مجھے نماز کے بارے میں خبر دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صبح کی نماز پڑھو، پھر نماز سے رکے رہو یہاں تک کہ سورج نکل آئے اور نکل کر بلند ہو جائے، کیونکہ جب سورج نکلتا ہے اور اس وقت کافر لوگ اسے سجدہ کرتے ہیں۔ پھر نماز پڑھو، کیونکہ اس وقت کی نماز کی گواہی فرشتے دیں گے اور حاضر ہوں گے، یہاں تک کہ سایہ نیزے کے برابر ہو جائے۔ پھر نماز سے رکے رہو، کیونکہ اس وقت جہنم جھونکی جاتی ہے۔ پھر جب سایہ آجائے تو نماز پڑھو، کیونکہ اس وقت کی نماز کی فرشتے گواہی دیں گے اور حاضر کیے جائیں گے، یہاں تک کہ تم عصر کی نماز پڑھو۔ پھر سورج کے غروب ہونے تک نماز سے رکے رہو، کیونکہ یہ شیطان کے سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کافر لوگ اسے سجدہ کرتے ہیں۔

میں نے عرض کیا وضو کے بارے میں بھی کچھ بتائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی بھی ایسا نہیں جو وضو کے پانی سے کلی کرے اور پانی ناک میں ڈالے اور ناک صاف کرے مگر یہ کہ اس کے منہ اور نتھنوں کے سارے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ پھر جب وہ منہ

دھوتا ہے جس طرح اللہ نے اسے حکم دیا ہے تو اس کے چہرے کے گناہ اس کی داڑھی کے کناروں کے ساتھ لگ کر پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوتا ہے تو دونوں پاؤں کے گناہ انگلیوں کے پوروں کی طرف سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں۔ پھر اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور اللہ کی حمد وثنا اور اس کی بزرگی اس کے شایانِ شان بیان کرے اور اپنے دل کو خالص اللہ کے لیے فارغ کرلے تو وہ آدمی اپنے گناہوں سے اس طرح پاک وصاف ہو جاتا ہے جس طرح کہ آج ہی اس کی ماں نے اسے جنا ہے۔

چنانچہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تو حضرت ابوامامہ نے فرمایا کہ اے عمرو بن عبسہ دیکھو! کیا کہہ رہے ہو؟ کیا ایک ہی جگہ میں آدمی کو اتنا ثواب مل سکتا ہے؟ تو حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے ابوامامہ! میں بڑی عمر والا ہو گیا ہوں اور میری ہڈیاں نرم ہو گئی ہیں اور میری موت قریب آ گئی ہے، تو اب مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جھوٹ بولوں؟ میں اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ یا تین مرتبہ یہاں تک کہ سات مرتبہ بھی سنتا تو میں کبھی بھی اس حدیث کو بیان نہ کرتا، لیکن میں نے تو اس حدیث کو اس سے بھی بہت زیادہ مرتبہ سنا ہے۔ (مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ / باب إسلام عمرو بن عبسة / رقم الحدیث: ۸۳۲)

ساتواں عمل

برائی مٹانے والا ساتواں عمل ہے رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔ ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے بحالتِ ایمان ثواب کی نیت سے رمضان

کے روزے رکھے اس کے سابقہ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔(بخاری: کتاب الإیمان / باب صوم رمضان إحتسابا من الإیمان / رقم الحدیث: ۳۷)

آٹھواں عمل

برائی مٹانے والا آٹھواں عمل رمضان المبارک میں ثواب کی نیت سے قیام کرنا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان میں بحالتِ ایمان ثواب کی نیت سے قیام کیا تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کردیے گئے۔ (بخاری: کتاب الإیمان / باب تطوع قیام رمضان من الإیمان / رقم الحدیث: ۳۷)

نواں عمل

برائی مٹانے والا نواں عمل ہے جمعہ کی نماز۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پانچوں نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک اپنے مابین سرزد ہونے والے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں، بشرطے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔(مسلم: کتاب الطهارة / باب المکفرات لما بینهن ما اجتنبت الکبائر / رقم الحدیث: ۲۳۳)

دسواں عمل

برائی مٹانے والا دسواں عمل ہے تسبیح کہنا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت مصعب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے بتلایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی روزانہ ایک ہزار نیکیاں کمانے سے بھی عاجز رہ سکتا ہے؟ تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا کہ

کیسے ہم میں سے کوئی ایک ہزار نیکیاں کما سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سو مرتبہ سبحان اللہ کہے تو اس کے لیے ایک ہزار نیکیاں لکھی دی جائیں گی یا ایک ہزار گناہ مٹا دیے جائیں گے۔ (مسلم: کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والإستغفار / باب فضل التھلیل والتسبیح والدعاء / رقم الحدیث: ۲۶۹۸)

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے:

سبحان اللّٰہ وبحمدہ

دن میں سو مرتبہ کہا، اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ (بخاری: کتاب الدعات / باب فضل التسبیح / رقم الحدیث: ۶۴۰۵)

گیارھواں عمل

برائی مٹانے والا گیارھواں عمل ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عقیدت ومحبت کے ساتھ درود شریف کا نذرانہ پیش کرنا۔ متعدد روایات میں یہ بات ملتی ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اس کے دس گناہ مٹا دیتا ہے اور اس کے دس درجات بلند کر دیتا ہے۔ (مسلم: کتاب الصلاۃ / باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد التسھد / رقم الحدیث: ۴۰۸)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں آپ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھتا ہوں۔ میں اپنی دعا کا کتنا حصہ آپ

پر درود کے لیے مقرر کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جتنا تم پسند کرو۔ میں نے عرض کیا کہ ایک چوتھائی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، لیکن اگر کچھ اور بڑھا دو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا آدھا حصہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، لیکن اگر کچھ اور بڑھا دو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ دو تہائی؟ فرمایا کہ اس میں بھی اضافہ کر دو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں اپنی ساری دعا کا وقت آپ پر درود کے لیے وقف کر دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تب تو تیرا ہر غم دور ہو گا اور ہر گناہ معاف کر دیا جائے گا۔ (ترمذی: أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم / رقم الحديث: ۲۴۵۷)

ایک واقعہ

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صالح شخص نے کسی کو خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ مرنے کے بعد تیرا کیا حال ہوا؟ اس نے بتایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میری بخشش فرما کر جنت میں بھیج دیا۔ صالح شخص نے اس سلوک کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ جب فرشتوں نے میرے اعمال تولے، میرے گناہوں کو شمار کیا اور میرے پڑھے ہوئے درود پاک بھی شمار کیے تو سو درود گناہوں سے بڑھ گئے جبکہ باقی سب نیک اعمال سے میرے گناہ زیادہ تھے۔ جونہی درود پاک کا شمار بڑھ گیا تو اللہ پاک نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کا حساب کتاب ختم کر دو چونکہ اس کے درود بڑھ گئے ہیں اس لیے اس کو سیدھا جنت میں لے جاؤ۔

(فضائل اعمال / ص: ۷۳۷)

بارھواں عمل

برائی کو مٹانے والا بارھواں عمل ہے سچی توبہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِلَّا مَنۡ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمۡ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوراً رَّحِيماً○﴾ [الفرقان: ۷۰]

ہاں! جو شخص توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے، تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، خوب رحم کرنے والا ہے۔ (ابن ماجة: کتاب الزھد/ باب ذکر التوبة/ رقم الحدیث: ۴۲۵۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ سے سچی توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔

تیرھواں عمل

برائی کو مٹانے والا تیرھواں عمل ہے پاکدامنی۔

ایک واقعہ

علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک نوجوان بڑا مالدار تھا، برائیوں میں اور گناہوں میں پیسہ خرچ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک عورت کے بچے فاقے کا شکار ہونے کی وجہ سے پریشان تھے، ان کے یہاں تین دن سے فاقہ تھا، بچوں کی پریشانی اور تکلیف اس عورت سے دیکھی نہ گئی، اس نے پڑوسن سے اچھا لباس لیا اور پہن کر باہر نکلی۔ اُس نوجوان نے اِس عورت کو دیکھا تو اپنے پاس بلایا اور بدکاری کی خواہش ظاہر کی۔ اس عورت نے رونا شروع کیا اور کہا کہ تو نے مجھے بلایا تو میں نے گمان کیا کہ تو میری مدد کرے گا اور تو تو مجھ سے بدکاری کی خواہش ظاہر کر رہا ہے؟ میں ایسی عورت نہیں ہوں، میرے بچے تین دن سے بھوکے ہیں، مجھ سے ان کی بھوک دیکھی نہ گئی تو مجبور ہو کر ان کے لیے مدد مانگنے باہر نکلی ہوں۔ اس نوجوان نے

گناہ کیے بغیر اسے پیسے دے دیے اور آج تک جو حرکتیں اس نے کی، اُن پر ندامت ظاہر کرتے ہوئے توبہ کی۔ اس نوجوان کی عادت تھی کہ جو کچھ گناہ کرتا اس کو کاپی میں لکھ لیا کرتا تھا۔ اس واقعے کے بعد جب وہ گھر آیا تو اپنی ماں کو یہ واقعہ سنایا۔ ماں نے کہا آج تک میں تجھے گناہوں سے روکتی تھی، آج جب تو نے ایک اچھا کام کیا ہے تو اس کو کاپی میں لکھ لے۔ اس نوجوان نے کاپی دیکھی تو پوری بھر چکی تھی اس میں لکھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ اپنی ماں سے کہنے لگا کہ اماں جان! پوری کاپی بھر چکی ہے، لکھنے کی تو کوئی جگہ نہیں۔ ماں نے کہا حاشیے میں ہی لکھ لے، چناں چہ اس نے حاشیے میں نیک کام لیا۔ رات میں جب یہ نوجوان سو یا تو اپنے گناہوں پر ندامت کرتے ہوئے توبہ کے ساتھ سویا۔ صبح میں جب بیدار ہوا تو پوری کاپی سفید تھی یعنی جہاں اس نے گناہ لکھے تھے وہ حصہ مٹ چکا تھا اور صرف حاشیے میں لکھی ہوئی نیکی باقی تھی اور وہاں یہی آیت لکھی ہوئی تھی:

﴿إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝﴾ [هود ۱۱۴:]

یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ (نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت رص: ۴۰، ۴۱)

چودھواں عمل

برائی کو مٹانے والا چودھواں عمل ہے کسی مردے کو غسل دینا اور اُس کی پردہ پوشی کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی مردے کو غسل دیا، اسے کفن پہنایا، اسے خوشبو لگائی، اور اسے کندھا دے کر قبرستان لے گیا، اس کی نماز جنازہ پڑھی، اور اگر کوئی عیب دیکھا تو اسے پھیلایا نہیں، تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو گیا

جیسے وہ اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا۔(ابن ماجة: کتاب الجنائز/باب ماجاء فی غسل المیت/رقم الحدیث: ۱۴۶۲)

پندرھواں عمل

برائی کو مٹانے والا پندرھواں عمل ہے راہِ خدا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جانا۔شہید کے متعدد فضائل احادیث میں آئے ہیں۔

چھ انعامات

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک شہید کے لیے چھ انعامات ہیں۔

(۱) خون کا پہلا قطرہ گرنے کے ساتھ ہی اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

(۲) وہ جنت میں اپنی جگہ دیکھ لیتا ہے۔

(۳) عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔

(۴) وہ عظیم گھبراہٹ والے دن سے مامون رہے گا۔

(۵) اس کے سر پر عزت کا تاج رکھا جائے گا جس کا ایک یاقوت دنیا اور اس کی ساری چیزوں سے بہتر ہے۔

(۶) بہتّر جنتی حوروں سے اس کی شادی کی جائے گی اور اس کے ستر رشتے داروں کے سلسلے میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ (ابن ماجه: کتاب الجهاد/باب فضل الشهادة فی سبیل الله/رقم الحدیث: ۲۷۹۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ کے

راستے میں زخمی ہوتا ہے، اللہ کے راستے میں حقیقتاً کون زخمی ہوا ہے؟ اس کی اصل حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے، جب قیامت کا دن ہوگا، وہ اپنے رب کے پاس اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کے زخم سے خون جاری ہوگا، اس خون کا رنگ زعفران جیسا ہی ہوگا، لیکن اس میں خوشبو مشک کی ہوگی۔ (أبو داود: کتاب الجهاد/باب فیمن سأل اللہ تعالیٰ الشهادة/رقم الحدیث: ۲۵۴۱)

حق تعالیٰ ہماری برائیوں کو حسنات میں تبدیل فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبي الکریم

مضمون: (۱۳)

ہمیں کیوں آزمایا جاتا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ○ الَّذِیۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِیۡبَةٌ ۙ قَالُوۡٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـآ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ ○﴾ [البقرۃ:۱۵۵،۱۵۶]

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ وَلَمَّا یَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ ○ [البقرۃ:۲۱۴]

﴿ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَیۡدِی النَّاسِ لِیُذِیۡقَهُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ○﴾ [الروم:۴۱]

تمہید

اس وقت پوری دنیا میں بالعموم سارے انسان اور بالخصوص مسلمان طرح طرح کی مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں، قسم قسم کے حالات سے دو چار ہیں، چاروں طرف مصیبتوں کے بادل منڈلا رہے ہیں، طلوع ہونے والا ہر سورج ایک نئے فتنے اور نئی آزمائش کو لے کر طلوع ہو رہا ہے۔

لیکن اس فانی دنیا میں یہ سب چیزیں کوئی نئی بات نہیں! بلائیں، مصیبتیں تکلیفیں حادثے، پریشانیاں انسان کی زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔ آدمی کتنے ہی اونچے مقام پر پہنچ

جائے، دنیوی اعتبار سے ہو یا دینی، کتنا ہی مال دار اور کیسا ہی بزرگ ہو جائے، مگر ہر ایک کو حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

زندگی کچھ گھڑیاں عیش کی گھنی چھاؤں میں بڑے سکون سے گذرتی ہیں، تو کچھ لمحے غم و تکلیف کی جھلسا دینے والی دھوپ میں کٹ جاتے ہیں۔ زندگی کے آنگن میں کبھی خوشیاں اور مسرتیں ڈیرا ڈال کر طبیعت کو خوش گوار بناتی ہے، تو کبھی غموں اور آفتوں کے تھپیڑے خوشیوں کے آشیانے کو تنکا تنکا کر دیتے ہیں۔ زندگی کی یہ ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی اپنے اندر اچھی بری یادیں لیے ہوئے آخر موت کے کنارے لگ جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ زندگی کا یہ سفر اتنا مشکل کیوں ہے؟ مصیبتیں کیوں انسان کو گھیرے رہتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں سے بڑی محبت فرماتا ہے، بے حد پیار، پھر کیوں انھیں آزمائش کی چکی میں پیستا ہے؟

اس سوال کا جواب سمجھنے سے پہلے بنیادی طور پر یہ بات سمجھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حکیم ہے اور:

فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ

حکیم کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں ہوتی۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ باری عزوجل ہمیں کیوں آزماتا ہے؟ ہماری آزمائش کی حکمتیں کیا کیا ہیں؟

پہلی حکمت

آزمائش کی پہلی حکمت یہ ہے کہ بندہ اللہ رب العالمین کے لیے کامل سر تسلیم خم کر کے بندگی کا اظہار کرے، کیونکہ بہت سے لوگ خواہش پرست ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بندگی نہیں

کرتے، اگرچہ دعویٰ یہی کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، جب تک ان پر حالات اور مصیبتیں نہیں آتیں، وہاں تک وہ نافرمانیوں اور معاصی میں مبتلا رہتے ہیں، خدا کو فراموش کر دیتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ انھیں آزماتے ہیں تاکہ وہ خدا فراموشی سے نکل کر خدا کی فرماں برداری کی طرف آئیں۔

انسان کی فطرت

ویسے بھی انسان کی فطرت بڑی عجیب ہے کہ جب تک اُس پر نعمتوں کی فراوانی ہوتی ہے، وہ خدا کو بھولا ہوا ہوتا ہے اور جب اُس پر مصیبت آتی ہے وہ خدا کو یاد کرنے لگتا ہے۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَآ أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِۦ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَآءٍ عَرِيضٍ﴾ [فصلت: ۵۱]

اور جب ہم انسانوں پر نعمتوں کی فراوانی کرتے ہیں، تو وہ اعراض کرتا ہے اور پہلو بدل کر چلا جاتا ہے اور جب اُسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔

آیت کریمہ میں لمبی دعاؤں کو بجائے چوڑی دعاؤں کا ذکر ہے، اس میں زیادہ مبالغہ ہے، کیونکہ جس کا عرض بڑا ہو اُس کا طول اس سے زیادہ بڑا ہوگا۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ مصیبت کے وقت انسان کی دعاؤں کی چوڑائی اس قدر لمبی ہے تو اندازہ لگائیں کہ اس کی لمبائی کس قدر لمبی ہوگی؟ (معارف القرآن: ۷/۶۶۲)

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

کسی شخص نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے اُن کی توبہ کا سبب دریافت کیا، تو

انھوں نے فرمایا کہ میں شراب پینے کا عادی تھا، میری چھوٹی سی بچّی تھی، جو میرے سامنے ہی شراب کی بوتلوں کو اُنڈیل دیتی تھی۔ جب وہ دو سال کی ہوئی تو وفات پا گئی۔ جس کی وجہ سے میرے دل پر بڑا صدمہ ہُوا۔ جب شعبان کی پندرھویں رات آئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہوگئی ہے اور ایک بڑا اژدھا اپنا منہ کھولے ہُوئے میرے پیچھے لگ گیا۔ میں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ اسی اثنا میں مجھے ایک نیک بزرگ نظر آئے، میں نے اُن سے کہا کہ مجھے اس سانپ سے بچاؤ، خدا تمھیں بچائے۔ تو اُنھوں نے رو کر کہا کہ میں ضعیف و کمزور ہوں، تمھیں نہیں بچا سکتا، لیکن تم آگے جاؤ، شاید اللہ تعالیٰ تمھاری نجات کا کوئی ذریعہ بنا دے۔ میں بھاگا اور ایک آگ کے پاس گیا تو آواز آئی، واپس جاؤ۔ میں پیچھے واپس ہُوا، مگر سانپ مسلسل میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ میں پھر اُن بزرگ کے پاس سے گذرا اور اُن سے پناہ مانگی۔ انھوں نے کہا کہ میں کمزور ہوں، تیری مدد نہیں کر سکتا البتہ تُو اس پہاڑ کی طرف چلا جا، اس میں مسلمانوں کی امانتیں ہیں۔ اگر تیری بھی کوئی امانت ہوئی تو تیری مدد کی جائے گی۔ جب میں پہاڑ کے قریب پہنچا تو ایک فرشتے نے آواز دی کہ دروازہ کھول دو، شاید اس کی تمھارے پاس کوئی امانت ہو تو وہ اسے دشمن سے پناہ دے گی۔ جب دروازہ کُھل گیا تو اچانک مجھے اپنی بچّی نظر آئی، جس نے اپنے دائیں ہاتھ سے مجھے پکڑا اور بائیں ہاتھ سے اژدھے کو دور کیا تو وہ بھاگ گیا۔ پھر بچّی نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿ اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ﴾ [الحدید:۱۶]

کیا جو لوگ ایمان لائے ہیں، اُن پر ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کے ذکر

سے اُس کا خوف اختیار کریں۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اُس سے پُوچھا کہ کیا تُو قرآنِ کریم سمجھتی ہے؟ اُس نے کہا، ہاں۔ میں نے اُس اژدھے کے متعلق پُوچھا تو بچّی نے کہا کہ وہ تمھارا عملِ بد تھا اور وہ بُزرگ تمھارا نیک عمل تھے۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں گھبراتے ہوئے بیدار ہوا، تو میں نے سچی توبہ کی اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کیا۔ (فضائل صدقات/ص: ۶۳۷، ۶۳۸)

دوسری حکمت

کبھی کبھار اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو اس لیے آزمایا جاتا ہے کہ وہ آزمائش بندے کے لیے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورت پر جسمانی، اہل خانہ اور دولت سے متعلق مسلسل آزمائشیں آتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ جب وہ اللہ سے ملتے ہیں تو ان پر کوئی بھی گناہ باقی نہیں ہوتا۔ (ترمذی: أبواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب ماجاء فی الصبر علی البلاء/رقم الحدیث: ۲۳۹۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے خیر کا ارادہ فرمالیں تو اسے دنیا میں ہی سزا دے دیتا ہے، اور جس وقت اللہ تعالیٰ کسی بندے سے برائی کا ارادہ فرمالیں تو اس کے گناہوں پر سزا نہیں دیتا، یہاں تک کہ جب قیامت قائم ہوگی تو اسے پوری سزا دے گا۔ (ترمذی: أبواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم/باب ماجاء فی الصبر علی البلاء/رقم الحدیث:۲۳۹۶)

اسی لیے بسا اوقات بندے کو بیماری اور امراض میں مبتلا کیا جاتا ہے، اور وہ بیماری بندے کے لیے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔

ام العلا رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں بیمار تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے اور فرمایا کہ اے ام العلا! خوش ہو جا، اللہ تعالیٰ مسلمان کے مرض کی وجہ سے اس کے گناہ اس طرح صاف کر دیتا ہے جیسے آگ سونے اور چاندی کی کھوٹ کو ختم کر دیتی ہے۔ (أبو داود: کتاب الجنائز/باب عیادۃ النساء/رقم الحدیث:۳۰۹۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام سائب یا ام مسیب کے پاس آئے اور پوچھا کہ اے ام سائب! تجھے کیا ہو گیا ہے؟ کانپ رہی ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ بخار ہے، اللہ اس کو بے برکت کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بخار کو برا بھلا مت کہہ، یہ تو بنی آدم کے گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتا ہے جیسے دھونکنی لوہے کی کھوٹ کو دور کر دیتی ہے۔ (مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب/باب ثواب المؤمن فیما یصیبہ من مرض/رقم الحدیث:۲۵۷۵)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت بخار تھا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھو کر دیکھا اور کہا کہ آپ کو تو بہت تیز بخار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، مجھے تم میں سے دو آدمیوں کے برابر بخار ہوتا ہے۔ (بخاری: کتاب المرضیٰ/باب شدۃ المرض/رقم الحدیث:۵۶۴۷)

تیسری حکمت

کبھی کبھار بندے کو اجر و ثواب میں زیادتی اور درجات کی بلندی کے لیے مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ اس دنیا میں سب سے زیادہ حالات انبیائے کرام علیہم السلام پر آئیں۔ (ترمذی: أبواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ باب ماجاء فی الصبر علی البلاء/ رقم الحدیث: ۲۳۹۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کو کوئی کانٹا یا اس سے بڑی کوئی تکلیف پہنچے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند فرما دیتے ہیں یا اس تکلیف کی بدولت اس کا ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ (مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب/ باب ثواب المؤمن فیما یصیبہ من مرض/ رقم الحدیث: ۲۵۷۲)

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب ایک معمولی کانٹا چبھنے پر اللہ تعالیٰ درجات بلند فرماتے ہیں تو جو لوگ راہ خدا میں اللہ کی رضا کے واسطے اپنی جانیں نچھاور کرتے ہیں، اُن کا رتبہ کس قدر بلند ہوتا ہوگا۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں اس کے ایک نہیں، دسیوں، بیسیوں نہیں، سینکڑوں ہزاروں واقعات ملتے ہیں کہ انھوں نے راہِ خدا میں اپنی جانیں نچھاور کر دیں۔ ذیل کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک مرتبہ کفار کا ہجوم حملہ آور ہوا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو میرے اوپر اپنی جان قربان کرتا ہے؟ یہ سنتے ہی حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ پانچ انصاریوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے اور ہر ایک نے لڑتے ہوئے اپنی جانیں فدا کر دی۔ حضرت زیاد بن سکن

رضی اللہ عنہ زخموں سے لاچار ہو کر زمین پر گر پڑے تھے مگر کچھ کچھ جان باقی تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم دیا کہ ان کی لاش کو میرے پاس اٹھالاؤ، جب لوگوں نے ان کی لاش کو بارگاہ رسالت میں پیش کیا تو حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ نے کھسک کر محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں پر اپنا منہ رکھ دیا اور اسی حالت میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۲/۲۰۱)

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے غزوۂ اُحد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے سعد! آؤ مل کر دعا کریں ہر شخص اپنی ضرورت کے موافق دعا کرے دوسرا آمین کہے کہ یہ قبول ہونے کے زیادہ قریب ہے۔ دونوں حضرات نے ایک کونے میں جا کر دعا فرمائی۔ اول حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ یا اللہ! جب کل کو لڑائی ہو تو میرے مقابلے میں ایک بڑے بہادر کو مقرر فرما جو سخت حملے والا ہو، وہ مجھ پر سخت حملہ کرے اور میں اس پر زوردار حملہ کروں، پھر مجھے اس پر فتح نصیب فرما کہ میں اس کو تیرے راستے میں قتل کروں اور اس کی غنیمت حاصل کروں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آمین کہی۔ اور اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ اے اللہ! کل کو میدان میں ایک بہادر سے مقابلہ کرا جو سخت حملے والا ہو، میں اس پر شدت سے حملہ کروں، وہ بھی مجھ پر زور سے حملہ کرے اور پھر وہ مجھے قتل کر دے۔ پھر میرے ناک، کان کاٹ لے، پھر قیامت میں جب تیرے حضور میں پیشی ہو، تو تُو کہے کہ عبداللہ! تیرے ناک کان کیوں کاٹے گئے؟ میں عرض کروں کہ یا اللہ! تیرے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے راستے میں کاٹے گئے۔ پھر تُو کہے کہ سچ ہے میرے ہی راستے میں کاٹے گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آمین کہی۔

دوسرے دن لڑائی ہوئی اور دونوں حضرات کی دعائیں اسی طرح قبول ہوئیں جس طرح مانگی تھیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔ میں نے شام کو دیکھا کہ ان کے ناک کان ایک دھاگے میں پروئے ہوئے ہیں۔

اُحد کی لڑائی میں ان کی تلوار بھی ٹوٹ گئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک ٹہنی عطا فرمائی جوان کے ہاتھ میں جا کر تلوار بن گئی اور عرصہ تک بعد میں رہی اور دوسو دینار کی فروخت ہوئی۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۲/ ۲۱۸، ۲۱۹)

بینائی کی دولت سے محرومی کا راز

اسی لیے تو حق تعالیٰ شانہ کبھی کبھی بندوں کو اُن کی بینائی سے محروم کر کے آزماتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میں اپنے کسی بندے کو اس کے دو محبوب اعضا (آنکھوں) کے بارے میں آزماتا ہوں (یعنی نابینا کر دیتا ہوں) اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو اس کے بدلے میں اسے جنت دیتا ہوں۔ (بخاری: کتاب المرضیٰ/ باب فضل من ذهب بسره/ رقم الحدیث: ۵۶۵۳)

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے جسے کم نظر آتا تھا یا یہ کہ وہ بینائی سے محروم تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ بینائی کے نقصان سے عافیت بخشے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو تمھارے لیے دعا کروں اور اگر تم صبر و رضا چاہتے ہو تو صبر کرو صبر کرنا ہی تمھارے لیے بہتر ہے۔ اس شخص نے

کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے دعا ہی کر دیجیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر اسے حکم دیا کہ وضو کرے اور اچھا (یعنی سنن وآداب کے ساتھ) وضو کرے اور ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم بھی دیا اور یہ کہ پھر ان کلمات کے ذریعہ دعا مانگے:

اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة إني توجهت بك إلى ربي ليقضى لي فيّ حاجتي هذه اللهم فشفعه فيّ

میں تجھ سے اپنا مقصود مانگتا ہوں اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف تیرے نبی کے وسیلہ سے جن کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو نبیٔ رحمت ہیں اور متوجہ ہوتا ہوں اپنے پروردگار کی طرف اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے تاکہ وہ میری حاجت کے بارے میں حکم کرے اور یہ کہ اے اللہ! میرے بارے میں اپنے نبی کی شفاعت قبول فرما۔ (ترمذی: أبواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۳۵۷۸)

چوتھی حکمت

کبھی کبھار بندے کو اس لیے مصیبتوں میں مبتلا کیا جاتا ہے کہ اپنی کوتاہیوں پر غور و فکر کرنے کی یاددہانی کرواتی ہیں کہ انسان ماضی میں کی ہوئی غلطیوں کے بارے میں سوچتا ہے؛ اس لیے کہ اگر یہ مصیبتیں سزا ہیں تو اس سزا کا سبب بننے والا سبب کیا ہے؟ پھر انسان اس سبب کو سوچ کر توبہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ○﴾ [السجدة: ۲۱]

اور ہم انھیں بڑے عذاب سے پہلے قریبی عذاب ضرور چکھائیں گے تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔

پانچویں حکمت

کبھی کبھی بندے کو اس لیے آزمایا جاتا ہے کہ مصیبتیں عقیدۂ توحید، ایمان اور توکل کا درس دیتی ہیں۔ مصیبتیں انسان کو اپنی اصلیت دکھاتی ہیں اور یہ بتلاتی ہیں کہ تم کمزور ہو، تم اپنے پروردگار کے بغیر نہ تو کسی تکلیف کو دور کرنے کی ہمت رکھتے ہو اور نہ ہی اپنا فائدہ کرنے کی صلاحیت، اس لیے تم اپنے پروردگار ہی پر توکل کرو، اسی کی بارگاہ میں کماحقہ گڑگڑاؤ، جب انسان میں یہ چیز پیدا ہو جائے تو انسان کی ''میں'' مر جاتی ہے، انسان میں تکبر اور گھمنڈ نامی کوئی چیز باقی نہیں رہتی، انسان خود پسندی، غرور اور غفلت کے خول سے باہر آجاتا ہے۔ گویا مصیبتیں ہمیں تواضع اور انکساری کا درس دیتی ہے اور ساتھ ساتھ توکل کا پیغام بھی دیتی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تلوار

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے پس جب ہم ایک گھنے سائے والے درخت کے پاس آئے تو ہم نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چھوڑ دیا، مشرکین میں سے ایک شخص آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درخت سے لٹکی ہوئی تلوار کھینچ لی اور کہا کہ تو مجھ سے ڈرتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ نہیں، اس نے کہا کہ تجھے آج مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ!

راوی کہتے ہیں کہ اتنا سننا تھا کہ کافر کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار اٹھالی اور فرمایا کہ تو بتلا تجھے، مجھ سے کون بچائے گا؟ کافر کہنے لگا کہ آپ بہتر تلوار پکڑنے

والے ہوئے (یعنی احسان کیجیے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے جواب دیا نہیں، البتہ میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں آپ سے لڑوں گا نہ آپ سے لڑنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہا کہ میں تمھارے یہاں سب سے اچھے انسان کے پاس سے آ رہا ہوں۔ (بخاری: کتاب الجهاد والسیر/باب من علق سیفه بالشجر فی السفر عند القائلة/رقم الحدیث: ۲۹۱۰)

چھٹی حکمت

مصیبتیں انسان سے خود پسندی نکال کر اسے اللہ کے قریب بنا دیتی ہیں۔

غزوۂ حنین کا واقعہ

غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی تعداد کافروں کی نسبت زیادہ تھی اور بظاہر ان کا پلہ بھاری نظر آتا تھا، کثرت تعداد کی وجہ سے بہت سے مسلمانوں کے دل میں ایک احساس تفاخر پیدا ہو گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ان کا یہ عُجب اور جذبۂ خود پسندی وخود بینی، پسند نہ آیا، اس کے نتیجے میں وہ پسپا ہونے لگے اور شکست کے قریب پہنچ گئے، لیکن جلد ہی انھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا، انکے دلوں میں اللہ کا خوف وخشیت اور عاجزی پیدا ہو گئی تو اللہ رب العزت نے انکی شکست کو فتح سے بدل دیا۔ (معارف القرآن: ۴/۳۴۷)

ساتویں حکمت

مصیبتوں میں لوگوں کی حقیقت عیاں ہوتی ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی خوبیاں یا خامیاں کڑے حالات میں ہی واضح ہوتی ہے۔ کچھ لوگ خوشحالی میں ہوتے ہیں ان

کی خامیوں پر پردہ پڑا رہتا ہے، لیکن جیسے ہی ان پر کوئی امتحان آتا ہے تو پھر ان کی حقیقت عیاں ہوتی ہے، اس وقت ایمان والوں کا ایمان ظاہر ہوتا ہے اور منافقوں کی منافقت ظاہر ہوتی ہے، پتہ چل جاتا ہے کہ کون مقبول ہے اور کون مردود؟

غزوۂ احد

غزوۂ بدر میں قریش کی شکست کے بعد، قریشی ابوسفیان کی سرکردگی میں بدر کے ہالکین کی خونخواہی کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہوئے۔ قریش کا سامنا کرنے کے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجرین وانصار کے زعما کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ مدینہ سے باہر نہ نکلیں اور وہیں دفاع کریں؛ لیکن مسلم نوجوان اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کے خواہاں تھے۔ آخرکار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے لیے شہر سے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۲/۱۸۱، ۱۸۲)

ابھی سپاہ اسلام کے مقام احد پر پہنچے تھوڑا سا ہی وقت گذرا ہوگا کہ عبداللہ بن ابی، نے اس بہانے مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کی کہ مدینہ میں رہ کر لڑنے کے بارے میں اس کی دی ہوئی تجویز کو قبول نہیں کیا تھا۔ وہ ایک جماعت کو لے کر مدینہ پلٹا۔ اور مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار سے گھٹ کر سات سو رہ گئی۔ (سیرت المصطفیٰ: ۲/۱۹۸)

تو اس طرح حالات کی خطرناکی اور جنگ کے خوف نے مؤمنین مخلصین اور منافقین کے مابین امتیاز کر دیا۔

واقعۂ رجیع

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ورق ہے غزوۂ رجیع۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت

عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو دس آدمیوں پر امیر بنا کر تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا کہ عسفان اور مکہ کے درمیان میں بنی ہذیل کا ایک قبیلہ لحیان رہتا تھا، اس کو خبر ہوگئی۔ اس کے سو تیر اندازوں نے اس مختصر جماعت کو گھیر لیا، سات آدمی اسی جگہ لڑ کر شہید ہو گئے، تین شخص جن میں سے حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ بھی تھے زندہ بچے، یہ تینوں جان بخشی کے عہد و پیمان پر پہاڑی سے نیچے اترے، تیراندازوں نے کمانوں کے تانت کھول کر ان کے ہاتھ باندھے، ایک غیرت مند مسلمان اس بے عزتی کو گوارا نہ کر سکا، اور مردانہ وار لڑ کر جان دے دی، اب صرف دو شخص باقی رہ گئے، ان کو لے جا کر مکہ کے بازار میں فروخت کر دیا۔ (بخاری: کتاب المغازی/باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان وبئر معونۃ/رقم الحدیث: ۴۰۸۶)

آٹھوی حکمت

مصیبتوں کے ذریعے مفاد پرست اور بے لوث دوستوں میں فرق ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوستی حق

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی کا تو ایک ایک ورق اس بات پر شاہد ہے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوستی مصیبتوں اور تکلیفوں کے وقت کیسے نبھائی۔ بہ طور نمونہ ذیل کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

جب ہجرت کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار کے دہانے پر پہنچے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھوڑی دیر کے لیے وہیں پر روک دیا، خود اندر تشریف لے گئے، غار کو خوب اچھی طرح صاف کیا، کچھ سوراخ تھے، جن سے زہریلے جانور سے خطرہ تھا، ان سبھوں کو اپنی چادر پھاڑ کر بند کیا، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آواز دی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اندر تشریف لے گئے۔ تین چار میل کا سفر وہ بھی پہاڑی سفر، بڑا دشوار گذار رہا۔ زانوئے صدیقی پر سر رکھ کر سو گئے۔ اتنے میں ایک سوراخ نظر آیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا انگوٹھا ہی اس پر رکھ دیا، ایک روایت کے مطابق کسی زہریلے سانپ نے آپ کو ڈس لیا، تکلیف کی شدت بڑھتی جارہی تھی، لیکن اس وقت، ماضی حال، مستقبل کی سب سے عظیم شخصیت آپ کے زانو پر سر رکھے ہوئی تھی، حرکت کرنے کی بھی زحمت نہ کی، لیکن شدت کی تاب نہ لاکر، آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور آپ کے رخ انور پر اس کے بعض حصے گرے، جس سے آپ کی آنکھ کھلی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آبدیدہ دیکھ کر وجہ دریافت کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ساری تفصیلات بتائی، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعاب دہن اس ڈسے ہوئے مقام پر لگا دیا، جس سے تکلیف جاتی رہی۔ (مشکوۃ المصابیح / ص: ۵۵۶)

حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات سے پانچ دن قبل فرماتے ہوئے سنا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس چیز سے بری ہوں کہ تم میں سے کسی کو اپنا دوست بناؤں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا اور اگر میں اپنی امت سے کسی کو اپنا خلیل بناتا، تو ابوبکر کو بناتا۔ (بخاری: کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم / باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذا خلیلا / رقم الحدیث: ۳۶۵۶)

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز ارشاد فرمایا کہ ہم نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ چکا دیا مگر ابوبکر کے احسانات ایسے ہیں کہ ان کا بدلہ اللہ جل شانہ ہی عطا فرمائے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ میں قریشی لشکر کی آمد کی اطلاع ملی تو آپ نے مجلس مشاورت بلوائی اور خطرے سے نپٹنے کے لیے تجاویز طلب فرمائی۔ مہاجرین نے جانثاری کا یقین دلایا۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کی طرح نہیں ہیں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم اور تمھارا رب دونوں لڑو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے آپ کے ساتھ مل کر لڑیں گے۔ (بخاری: کتاب المغازی/باب قول اللہ تعالیٰ: إذ تستغیثون ربکم/رقم الحدیث: ۳۹۵۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ مشورہ طلب کیا تو انصار میں سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ غالباً آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ ہم نے آپ کی تصدیق کی ہے اور گواہی دی ہے کہ جو کتاب آپ لائے ہیں وہ حق ہے اور ہم نے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا عہد کیا ہے۔ یارسول اللہ جس طرف مرضی ہو تشریف لے چلیے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے حق کے ساتھ آپ کو معبوث کیا اگر آپ ہم کو سمندر میں گرنے کا حکم دیں گے تو ہم ضرور اس میں گر پڑیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی باقی نہ رہے گا۔ (مسلم: کتاب الجهاد و السیر/باب غزوۃ بدر/رقم الحدیث: ۱۷۷۹)

نویں حکمت

مصیبتیں انسان کے لیے دنیا کی حقیقت اور دھوکا بیان کرتی ہیں۔ مصیبتیں انسان کو

بتلاتی ہیں کہ یہ دنیا کچھ نہیں ہے، یہ دھوکے کا سامان ہے، اِس کی زیب وزینت، چمک دمک سب عارضی ہیں۔ تکلیفیں انسان کے لیے یہ واضح کرتی ہیں کہ کامل اور ہر قسم کی تکلیف سے آزاد زندگی تو اس دنیاوی زندگی کے بعد ہے، اس زندگی میں کوئی بیماری یا تھکاوٹ تک بھی نہیں ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ [العنکبوت: ٦٤]

اور یقیناً آخرت کا گھر ہی حقیقی زندگی والا ہے، کاش کہ وہ جانتے ہوتے۔

یہ ہے دنیا!

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء العلوم" میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آؤ، میں تمھیں دنیا کی حقیقت دکھاؤں۔ میں نے کہا ضرور۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ساتھ لے کر مدینہ منورہ سے باہر ایک کوڑی پر تشریف لے گئے، جہاں آدمیوں کی کھوپڑیاں، پاخانے، پھٹے ہوئے چیتھڑے اور ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوہریرہ! یہ آدمیوں کی کھوپڑیاں ہیں، یہ دماغ اسی طرح دنیا کی حرص کرتے تھے جیسے تم زندہ آج کل کر رہے ہو۔ یہ بھی اسی طرح امیدیں باندھتے تھے جیسے تم امیدیں لگائے ہوئے ہو۔ آج بغیر کھال کے پڑی ہوئی ہیں اور چند روز بعد مٹی ہوجائے گی۔

یہ پاخانے وہ رنگ برنگ کے کھانے ہیں جن کو بڑی محنت سے کمایا، پھر تیار کیا اور کھایا، اب یہ اس حال میں پڑے ہیں کہ لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ لذیذ کھانا جس

کی خوشبو دور سے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرتی تھی آج اس کی یہ انتہا ہے کہ اس کی بد بو سے لوگوں کو نفرت ہے۔

یہ چیتھڑے زینت کا لباس ہے جن کو پہن کر آدمی اکڑتا تھا۔آج یہ اس حال میں ہے کہ ہوائیں اس کو اِدھر اُدھر پھینکتی ہیں۔

یہ ہڈیاں ان جانوروں کی ہیں جن پر لوگ سواری کرتے تھے، گھوڑوں پر بیٹھ کر مٹکتے تھے، دنیا میں گھومتے تھے۔

پھر فرمایا کہ جسے ان احوال پر اور ان کے عبرتناک انجام پر رونا ہو وہ ان کو دیکھ کر روئے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم سب بہت روئے۔(احیاء العلوم مترجم: ۳/ ۳۲۰)

دسویں حکمت

تکلیف کے وقت انسان کو صحت و عافیت جیسی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں خوب یاد آتی ہیں۔ جن نعمتوں کی ناقدری کرتے ہوئے سالہا سال انسان انھیں استعمال کرتا ہے ان کی حقیقی لذت انسان کو مصیبتوں کے وقت معلوم ہو جاتی ہے۔عربی زبان کا مقولہ ہے:

النعمة إذا فقدت عرفت

اور فارسی زبان میں مشہور ہے:

''قدرِ نعمت بعد از زوال شود''

اس یاد دہانی کی بدولت انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور اس طرح یہ تکالیف بھی انسان کے لیے خیر کا باعث بن جاتی ہیں۔

صحت بڑی نعمت ہے

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں صحت کی نعمت بہت بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کی قدر بیماری کے وقت ہی ہوتی ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو نعمتیں ہیں جن میں اکثر لوگ خسارے اور گھاٹے میں ہیں، صحت اور فراغت۔ (بخاری: کتاب الرقاق/باب الصحۃ والفراغ ولا عیش إلا الآخرۃ/رقم الحدیث: ۶۴۱۲)

بیماری بھی نعمت ہے

جس طرح صحت نعمت ہے اسی طرح بیماری بھی نعمت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب مؤمن بندہ کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرشتے سے فرماتا ہے کہ ان نیک اعمال کو اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا کرو، جنھیں وہ (صحت کے زمانے میں) کیا کرتا تھا، پھر اللہ تعالیٰ اسے شفا صحت عطا فرمادے، تو اسے گناہوں سے پاک وصاف فرمادیتا ہے، اگر اسے اپنے پاس بلالے، تو اسے معاف فرمادیتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔ (مسند احمد: مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۲۵۰۳)

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب دعا

حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیماری اور پریشانی کی فضیلت بیان فرمارہے تھے اور فرمارہے تھے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ جس حال میں رکھے وہی حال اس کے لیے بہتر اور بہت بڑی نعمت ہے، بیماری دے تو بیماری بھی نعمت ہے، اتنے میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت! بیماری سے بہت تنگ آچکا ہوں دعا فرمادیجیے، اب سامعین سوچنے لگے کہ دیکھیں اب حضرت کیا دعا کرتے ہیں کیونکہ اب تک تو اسی بیماری اور پریشانی کی

فضیلت بیان فرمارہے تھے جس کے دور کرنے کے لیے یہ شخص دعا کرانے آیا ہے، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً ہاتھ اٹھائے اور فرمایا دعا مانگو اور دعا مانگی کہ یا اللہ پریشانی اور بیماری بھی تیری نعمت ہے اور عافیت وسلامتی بھی تیری نعمت ہے تیرا بندہ ضعیف کمزور ہے اس نعمت کی سہار نہیں کرسکتا بیماری کی اس نعمت کو صحت وعافیت کے نعمت سے بدل دے، سب لوگ دیکھتے رہ گئے، سبحان اللہ اولیاء اللہ کی کیا شان ہوتی ہے۔(حکایات اسلاف دیوبندص:۳۳، ۳۴)

اسی لیے حق تعالیٰ شانہ کبھی کبھی بندوں کو بیماری کے ذریعے آزماتے ہیں تاکہ صحت کی نعمت کا پتہ چلے اور بندہ صحت کی قدر کرتے ہوئے اس کا صحیح استعمال کرے۔

گیارھویں حکمت

کبھی کبھی انسان اس لیے آزمائش میں پڑ جاتا ہے کہ انسان خود ہی وہ آزمائش اپنے اوپر لیتا ہے، مثلاً زبان سے کوئی بددعائیہ جملہ اپنے ہی خلاف نکال دیا اور وہ جملہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوگیا، جس کے نتیجے میں آزمائش آجاتی ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اپنے نفس کو کیسے ذلیل کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے آپ کو ایسی مصیبت سے دوچار کرے جسے جھیلنے کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔(ترمذی: أبواب الفتن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب/رقم الحدیث: ۲۲۵۴)

بارھویں حکمت

آزمائش کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم کسی اور کو مصیبت میں مبتلا دیکھنے پر بھی خدا سے

رجوع نہیں کرتے۔ اگر ہم اُس وقت بھی خدا سے رجوع کر لیں تو امید ہے کہ ہم تک وہ مصیبت نہ پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کو مصیبت و آزمائش میں مبتلا دیکھ کر آہستہ سے یہ کلمات کہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاکَ بِهِ وَفَضَّلَنِي عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا

تمام تعریفیں اسی ذات کے لیے ہیں جس نے مجھے اس مصیبت سے نجات دی جس میں تجھے مبتلا کیا اور مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت دی۔ تو وہ شخص جب تک زندہ رہے گا اس مصیبت میں مبتلا نہیں ہوگا۔ (ترمذی: أبواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ باب م ایقول إذا رأى مبتلا/ رقم الحدیث: ۳۴۳۱)

آزمائش کے وقت ہمارا کردار

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ آزمائش کے وقت ہم کیا کریں؟ ہمارا کردار کیا ہو؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں ذیل کے امور انجام دینے چاہیے۔

(۱) رجوع الی اللہ۔ یہ سب سے پہلا کام ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف کامل طور پر متوجہ ہو جائیں اور اُس کے سامنے اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے سرِ تسلیم خم کر دیں۔

(۲) صبر کا دامن تھام لیں، احادیث میں صبر کو نصف الایمان قرار دیا گیا ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی: ۹/ ۱۰۴)

(۳) اپنی طاقت کے اعتبار سے صدقہ نکالتے رہیں، اس لیے کہ صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے۔

(۴) آزمائش کے وقت ہم ایک دوسرے کی مدد کے لیے تیار رہیں۔ حدیث پاک میں ہے

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمنوں کی مثال آپس میں ایک دوسرے سے محبت اور رحم کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بخار کا شکار ہوکر بیدار رہتا ہے۔(مسلم: کتاب البر والصلة والآداب/باب ترحم المؤمنین وتعاطفہم وتعاضدھم/رقم الحدیث:۲۵۸۶)

(۵) آزمائش کے وقت ہم اپنی ذمے داری یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو پورے طور پر نبھاتے رہیں۔

(۶) آزمائش کے وقت ہم رسول اللہ ﷺ کی سنت کو تھام لیں۔حدیث پاک میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میری سنتوں کو مضبوطی سے تھام لیا ایسے وقت میں جب کہ میری امت میں فتنے اور فساد برپا ہو اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔(مشکوۃ المصابیح/ص:۳۰)

خلاصۂ کلام

بہر حال! پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ حالات کا آنا صرف اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ اس کے پیچھے اور بھی مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔اس لیے بندۂ مؤمن کو چاہیے کہ حالات کی وجہ سے خائف اور سرگردان ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، اپنے اعمال کی اصلاح کرے اور دامنِ صبر کو مضبوطی سے تھامے رہیں۔آزمائش دراصل ہوتی ہی اس لیے کہ کون شخص مشکل میں کس طرح کا مظاہرہ کرتا ہے؟معمولی سی تکلیف میں تمام نعمتیں فراموش کر کے ناشکری میں لگ جاتا ہے یا پھر ہمارے فیصلے پر راضی رہتے ہوئے دامنِ صبر کو تھامتا ہے۔فیصلہ ہمیں کرنا ہے کہ ہمیں کس صف میں کھڑا ہونا ہے، ناشکروں کی یا پھر

صابرین کی؟

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب	یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

اللہ رب العالمین آزمائش سے ہماری حفاظت فرمائیں اور آزمائش پر صبر واستقلال کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔(آمین)

وصلى الله على النبي الكريم

مضمون: (۱۴)

ہمیں کیسے آزمایا جاتا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَيۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ ۝﴾ [البقرۃ:۱۵۵]

تمہید

یہ سورۂ بقرہ کی ۱۵۵ نمبر کی آیت ہے، جس میں حق تعالیٰ نے انسانوں کی آزمائش اور امتحانات کے چند اسباب بیان فرمائے ہیں۔ ویسے بھی یہ دنیا دارالامتحان ہے، آزمائش کا گھر ہے، یہاں مصیبتیں زیادہ اور راحتیں کم ہیں۔

اللہ پاک کے حکم سے جب مختلف زمینوں سے مٹی جمع کرلی گئی تاکہ حضرت آدم علیہ السلام کا مجسمہ بنایا جائے تو اللہ پاک نے اُس کو وہاں رکھنے کا حکم فرمایا جہاں آج خانۂ کعبہ ہے پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس مٹی کا مختلف پانیوں سے گارا بنائیں۔ پھر اُس پر چالیس دن بارش ہوئی ۳۹ دن غم کی اور ایک دن خوشی کی۔ اسی لیے انسان کی زندگی میں خوشیاں کم اور غم زیادہ ہیں۔ (تفسیر عزیزی مترجم:۱/ ۳۳۶)

پہلی شکل

آزمائش کی پہلی شکل خوف ہے۔ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے دشمن کا خوف مراد ہے۔ (تفسیر قرطبی مترجم:۱/ ۶۴۰)

اہل مدینہ پر خوف

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے بڑھ کر حسین، سب سے بڑھ کر سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات اہل مدینہ کو خطرہ محسوس ہوا اور لوگ خطرناک آواز کی طرف دوڑے تو انھیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راستے میں واپس لاتے ہوئے ملے جو تمام لوگوں سے پہلے آواز کی جگہ جا پہنچے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے کہ ڈرو مت، ڈرو مت۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بغیر زین کے سوار تھے اور تلوار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گلے میں لٹک رہی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اِس گھوڑے کو دریا پایا، یا فرمایا کہ یہ گھوڑا تیز رفتاری میں تو دریا جیسا ہے۔ (مسند أحمد: مسند أنس بن مالک رضی اللہ عنہ / رقم الحدیث: ۱۳۸۶۵)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خوف

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ آئے تو خطرے کے باعث ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواہش کا اظہار فرمایا کہ کاش! میرے صحابہ میں سے کوئی صالح صحابی میرا پہرہ دے۔ اسی اثنا میں ہم نے اسلحے کی جھنکار سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کون ہے؟ تو آواز آئی خاکسار سعد بن ابی وقاص ہے اور خاکسار آپ کا پہرہ دینے حاضر ہوا ہے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استراحت فرمائی۔ (ترمذی: أبواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم / باب / رقم الحدیث: ۳۷۵۶)

تفسیر شافعی

مذکورہ بالا آیت میں خوف کے متعلق حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ

یہاں خوف سے مراد اللہ کا خوف ہے۔(تفسیر قرطبی مترجم:۱/۶۴۰)

اللہ کا خوف بڑی دولت ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دو آنکھوں کو آگ نہیں چھوئے گی۔ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دے کر رات گذاری۔(ترمذی:أبواب فضائل الجهاد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/باب ماجاء في فضل الحرس في سبيل الله/رقم الحديث:۱۶۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے والا انسان دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ دودھ تھن میں واپس نہ چلا جائے اور اللہ کی راہ میں پہنچنے والی گرد وغبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہوسکتے۔(ترمذی:أبواب فضائل الجهاد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/باب فضل الغبار في سبيل الله/رقم الحديث:۱۶۳۳)

بخاری شریف میں روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ سات طرح کے آدمی ہوں گے، جن کو اللہ اس دن اپنے سایے میں جگہ دے گا، جس دن اس کے سایے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔اول انصاف کرنے والا بادشاہ، دوسرے وہ نوجوان جو اپنے رب کی عبادت میں جوانی کی امنگ سے مصروف رہا، تیسرا ایسا شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہتا ہے، چوتھے دو ایسے شخص جو اللہ کے لیے باہم محبت رکھتے ہیں اور ان کے ملنے اور جدا ہونے کی بنیاد اللہ کے لیے محبت ہے، پانچواں وہ شخص جسے کسی باعزت اور حسین عورت نے (برے ارادے سے) بلایا لیکن اس نے کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، چھٹا وہ شخص جس نے صدقہ کیا، اور وہ بھی اتنے پوشیدہ طور پر کہ

بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ ساتواں وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (بخاری: کتاب الزکوۃ/باب الصدقۃ بالیمین/رقم الحدیث: ۱۴۲۳)

دوسری شکل

آزمائش کی دوسری شکل جوع یعنی بھوک ہے۔ رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جوع سے مراد بھوک اور قحط سالی ہے۔

مصر میں قحط سالی

جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں عزیز مصر نے خواب دیکھا کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں انھیں سات دبلی گائیں نگل رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور سات دوسری سوکھی۔ بادشاہ کے دربار میں ماہرین خواب نے اس خواب کو بادشاہ کی پریشان خیالی کا مظہر قرار دیا۔ اس خواب سے بادشاہِ مصر ''فرعون'' ہر وقت پریشان رہنے لگا۔ بادشاہ کو پریشان دیکھ کر ساقی کو اپنا خواب اور اس کی تعبیر یاد آ گئی۔ اس نے جیل میں قید حضرت یوسف علیہ السلام کے علم و حکمت سے بادشاہ کو آگاہ کیا۔ بادشاہ نے ساقی کو خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ سات برس تک تم لگاتار کھیتی کرتے رہو گے۔ ان سات برسوں میں غلے کی فراوانی خوب ہو گی اور اس کے بعد سات برس بہت سخت مصیبت کے آئیں گے اور سخت قحط پڑ جائے گا۔ ایک دانہ بھی باہر سے نہیں آئے گا۔ ان سات سالوں میں وہی غلہ کام آئے گا جو پہلے سات سالوں میں ذخیرہ رکھا گیا ہو گا۔ (معارف القرآن: ۵/۷۵)

اہل مکہ پر قحط کی وبا

کفار مکہ جنھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام کو ایذائیں پہنچائیں، یہاں تک کہ بعض لوگوں کو ایذا پہونچا پہونچا کر شہید کر دیا۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنی ہی تکالیف پہونچائیں۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے جا رہے ہیں تا کہ آپ کو آنے جانے میں تکلیف ہو۔ ابولہب کی بیوی تھی، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھایا کرتی تھی۔ اہل طائف نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنا زد وکوب کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیسی سنگ باری کی۔ کفار مکہ عین نماز میں سجدے کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر اونٹ کی اوجھ نجاست سے بھری ہوئی رکھ رہے ہیں۔ طرح طرح کی تکالیف پہونچا پہونچا کر آپ کو ہجرت پر مجبور کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو وہاں بار بار چڑھائی کی۔ وہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو چین سے رہنے نہیں دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنگ آ کر اہل مکہ کے لیے بددعا فرمائی کہ ان پر ایسی قحط سالی مسلط فرما جیسا کہ اہل مصر پر آئی تھی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں۔ سات سال وہاں قحط سالی رہی تھی۔ اللہ کے نبی کی دعا ہے، مقبول بندے کی دعا ہے، معصوم بندے کی دعا ہے رائیگاں تھوڑی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کیا اور اہل مکہ پر قحط سالی مسلط ہوگئی۔ بارش بند ہوگئی ویسے بھی وہاں بارش کم ہی ہوتی ہیں۔ جو کچھ ہوتی تھی وہ بھی اس بددعا کی وجہ سے بند ہوگئی۔

دوسری جانب یمامہ کے ایک سردار تھے ثمامہ بن اثال، کتنے ہی مسلمانوں کو انھوں نے شہید کیا تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں گرفتار کر لیا۔ اس وقت تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس کوئی جیل خانہ نہیں تھا جہاں قید کیا جائے۔ گرفتار کر کے لائے اور مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ

انھیں باندھ دیا، لیکن کھانے پینے کا برابر خیال رکھتے تھے کہ بھوکے پیاسے نہ رہیں۔ سبحان اللہ! قیدیوں کے ساتھ بھی ہمدردی۔

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کے ستون سے بندھے ہوئے ہیں۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے پوچھا کہ اے ثمامہ! تمھاری کیا رائے ہے؟ تم کس سوچ میں ہو؟ عرض کیا کہ میرے پاس خیر ہے۔ آپ مجھ پر احسان فرمائیں گے تو آپ ایک شکرگزار پر احسان فرمائیں گے، اگر آپ نے مجھے رہا کر دیا آپ کا شکر گزار بنوں گا۔ اور اگر آپ مجھ کو قتل کر دیتے ہیں تو میں بہت سے مسلمانوں کو قتل کر چکا ہوں تو ان کے بدلے میرا قتل ہوگا۔ اگر آپ مال چاہتے ہیں تو مانگیں، جتنا آپ سوال کریں گے آپ کو دیا جائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کا جواب سن کر خاموش ہو گئے اور آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ دوسرے دن پھر آپ نے وہی سوال کیا کہ اے ثمامہ! تمھاری کیا رائے ہے؟ ان کا جواب وہی تھا جو گذشتہ روز دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا اور آپ آگے بڑھ گئے۔ تیسرے روز پھر وہی سوال کیا کہ اے ثمامہ! تمھاری کیا رائے ہے؟ اُن کا جواب وہی تھا جو پہلے دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کہ انھیں کھول دو۔ چناں چہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو کھول دیا۔

اب ثمامہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریب سے دیکھا خود بھی اسلام کے گرویدہ و فریفتہ ہو چکے تھے۔ باہر گئے، غسل کیا، کپڑے پہنے، اور حاضر خدمت ہوئے، کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ عرض کرتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ میں تو عمرے کے لیے جا رہا تھا آپ کے صحابہ نے گرفتار کر کے مجھے یہاں پہونچا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جاؤ عمرہ کے لیے۔ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بہتر ہے، میں جا رہا ہوں، مگر اہل مکہ کے لیے جو غلے کی سپلائی

ہوتی ہے وہ ہمارے ملک سے ہوتی ہے، میں اپنے وطن یمامہ پہونچ کر وہ سپلائی بند کر دوں گا۔ جیسے آج بھی بعض ملکوں پر اقتصادی پابندی ہوتی ہیں۔ یہ دستور بھی اسی زمانے سے چلا آرہا ہے۔ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ مکہ معظّمہ پہونچے۔ ان کے مکہ پہنچنے سے پہلے یہ خبر وہاں پہونچ چکی تھی کہ یہ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔ اہل مکہ نے کہا یہ تو صابی ہو گیا، بے دین ہو گیا، اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا۔ فرمایا کہ میں صابی نہیں ہوا ہوں، میں تو اسلام میں داخل ہوا ہوں۔ اہل مکہ انھیں دھمکانے لگے تو حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ ان سے کہتے ہیں کہ ارے! تم مجھے دھمکاتے ہو، ذرا وطن پہونچنے دو، غلے کی سپلائی بن کر دیتا ہوں۔

چنانچہ آپ وطن پہنچے اور اہل مکہ کے لیے غلہ کی سپلائی بند کر دی۔ ایک طرف غلے کی سپلائی بند اور دوسری طرف آسمان سے بارش بند۔ اہل مکہ کا اتنا برا حال ہوا ہے کہ مردار جانور کھانے پر مجبور ہو گئے۔ حالت اتنی شدید کہ ایک طرف پیٹ میں بھوک اور فضا میں سخت دھوپ۔ اور مکہ کی گرمی تو سخت گرمی ہوتی ہے، فضا میں دھواں نظر آتا ہے، حالانکہ کوئی دھواں نہیں ہے۔ جب چولہے ہی نہیں جل رہے ہیں تو دھواں کیسے ہوگا؟ مجبور ہو کر ابوسفیان مدینہ آئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رشتے داری کا واسطہ دیا اور کہا آپ خود کہتے ہیں کہ آپ رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے ہیں۔ آپ کے خاندان والے ہیں، رشتے دار ہیں، بھوک سے مر رہے ہیں، آپ دعا کیجیے اور ثمامہ کو کہیے کہ وہ سپلائی بحال کر دیں۔

اب دیکھیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مواسات اور ہمدردی کو کہ جب وہ لوگ مجبور ہو کر آئے، حالانکہ یہ وہی ہیں جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت پر مجبور کیا ہے۔ وہی ہیں جنھوں نے مدینہ منورہ پر بار بار چڑھائی کی ہیں، لیکن آپ واقعی رحمۃ للعالمین ہیں، فوراً ہاتھ

اٹھ گئے اور دعا فرمائی پروردگار! بارش برسا اور قحط سالی کو دور فرما۔ اور دوسری طرف حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ سپلائی بحال کر دو۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے بارش ہوگئی اور حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے سپلائی بحال کر دی اور اہل مکہ کی تکلیف دور ہوگئی۔ یہ ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان کے ساتھ مواسات حالانکہ ابھی وہ مشرک تھے بعد میں ایمان لائے۔ (بخاری: كتاب المغازي / باب وفد بني أبي حنيفة وحديث ثمامة بن أثال / رقم الحديث: ۴۳۷۲)

بہرحال! یہ ایک واقعہ ہے دورِ نبوت کی قحط سالی کا اور آزمائش کی ایک شکل ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھوک کا حال

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب خندق کھودی جارہی تھی تو میں نے معلوم کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی بھوک میں مبتلا ہیں۔ میں فوراً اپنی بیوی کے پاس آیا اور کہا کیا تمھارے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے؟ میرا خیال ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی بھوکے ہیں۔ میری بیوی ایک تھیلا نکال کر لائیں جس میں ایک صاع جَو تھے۔ گھر میں ہمارا ایک بکری کا بچہ بھی بندھا ہوا تھا۔ میں نے بکری کے بچے کو ذبح کیا اور میری بیوی نے جَو کو چکی میں پیسا۔ جب میں ذبح سے فارغ ہوا تو وہ بھی جَو پیس چکی تھیں۔ میں نے گوشت کی بوٹیاں کر کے ہانڈی میں رکھ دیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میری بیوی نے پہلے ہی تنبیہ کر دی تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کرنا۔

چناں چہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے کان میں یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم نے ایک چھوٹا سا بچہ ذبح کر لیا ہے اور ایک صاع جَو پیس لیے

ہیں جو ہمارے پاس تھے۔ اس لیے آپ دو ایک صحابہ کو ساتھ لے کر تشریف لے چلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت بلند آواز سے فرمایا کہ اے اہل خندق! جابر نے تمھارے لیے کھانا تیار کروایا ہے۔ بس اب سارا کام چھوڑ دو اور جلدی چلے چلو۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک میں آنہ جاؤں ہانڈی چولھے پر سے نہ اتارنا اور تب آٹے کی روٹی پکانی شروع کرنا۔ میں اپنے گھر آیا۔ ادھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ میں اپنی بیوی کے پاس آیا تو وہ مجھے برا بھلا کہنے لگیں۔ میں نے کہا کہ تم نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عرض کر دیا تھا۔

آخر میری بیوی نے گندھا ہوا آٹا نکالا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں اپنے لعاب دہن کی آمیزش کر دی اور برکت کی دعا کی۔ ہانڈی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعاب کی آمیزش کی اور برکت کی دعا کی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب روٹی پکانے والی کو بلاؤ۔ وہ میرے سامنے روٹی پکائے اور گوشت ہانڈی سے نکالے لیکن چولھے سے ہانڈی نہ اتارنا۔ صحابہ کی تعداد ہزار کے قریب تھی۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ اتنے ہی کھانے کو سب نے (شکم سیر ہو کر) کھایا اور کھانا بچ بھی گیا۔ جب تمام لوگ واپس ہو گئے تو ہماری ہانڈی اسی طرح ابل رہی تھی جس طرح شروع میں تھی اور آٹے کی روٹیاں برابر پکائی جا رہی تھیں۔ (بخاری: کتاب المغازی/باب غزوۃ الخندق/رقم الحدیث: ۴۱۰۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی بھوک کا حال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے وقت میں گھر سے باہر نکلے جب عام طور پر کوئی باہر نہیں نکلتا اور نہ کوئی کسی سے ملتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے ابوبکر! تجھے کیا چیز لے آئی؟ (یعنی گھر سے باہر کیوں آئے؟) تو انھوں نے عرض کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے لیے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو دیکھنے اور اس کو سلامتی بھیجنے کے لیے نکلا ہوں۔

تھوڑی دیر تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے عمر! تجھے کیا چیز لے آئی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے بھوک لے آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بھی کچھ بھوک لگی ہوئی ہے۔

پھر یہ سب حضرات حضرت ابوالہیثم انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف چل پڑے۔ ان کے پاس کافی بکریاں اور کھجور کے درخت تھے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو گھر پر نہ پایا۔ آپ نے حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کی بیوی سے کہا کہ تیرا خاوند کہاں ہے؟ اس نے عرض کیا کہ وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ بھی مشک اٹھائے ہوئے آ گئے۔ انھوں نے مشک ایک طرف رکھ دی اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لپٹ گئے اور اپنی جان و مال وارنے لگے۔ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہوں۔

حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ آپ تینوں کو لے کر اپنے باغ کی طرف گئے اور ایک چادر بچھا دی۔ پھر جلدی سے باغ کی طرف گئے اور کھجور کا پورا خوشہ ہی کاٹ کر لے آئے جس پر کچے پکے ڈوکے بھی تھے اور پکی ہوئی کھجوریں بھی تھیں۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوالہیثم! تم پکی ہوئی کھجوریں یا ڈوکے چن کر کیوں نہیں لائے؟ تم تو پورا خوشہ لے آئے ہو۔ تو عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے چاہا آپ اپنی پسند کے مطابق پکی کھجوریں یا ڈوکے خود چن کر کھا لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھجوریں کھائیں اور

پانی پیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم! یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں تم قیامت کے دن پوچھے جاؤ گے۔ یعنی ٹھنڈا سایہ اور ٹھنڈا پانی اور تازہ کھجوریں۔

پھر حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کھانے کا انتظام کرنے اٹھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دودھ دینے والی بکری کو ذبح نہ کرنا۔ اس پر انھوں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور اسے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے اور سب نے اسے کھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمھارا کوئی خادم بھی ہے؟ تو حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب ہمارے پاس کوئی جنگی قیدی آئے تو ہمارے پاس آنا۔

جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دو قیدی آئے تو حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک کو پسند کرلو۔ حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کہنے لگے یارسول اللہ! آپ ہی میرے لیے انتخاب فرمادیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امین ہوتا ہے۔ (یہ بات بھی خاص طور پہ ہر ایک کے لیے نوٹ کرنے والی ہے کہ جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امین ہوتا ہے اس لیے ہمیشہ اچھا مشورہ دینا چاہیے۔) پھر آپ نے فرمایا کہ یہ خادم لے لو، کیونکہ میں نے اسے عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور جو خوبی اس خادم کی بیان فرمائی وہ یہ ہے کہ عبادت کرتا ہے، اللہ کو یاد کرنے والا ہے، اس کے دل میں نیکی ہے۔ اس کے ساتھ پھر فرمایا کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے پاس لوٹے اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت کے بارے میں بتایا تو وہ کہنے لگیں کہ تم اس نصیحت کا حق پوری طرح ادا نہیں کرسکو گے

جو تمھیں نبیِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمائی ہے یعنی نیک سلوک کرنا۔اب عورت ذات ہے اور پھر نوکر بھی کوئی نہیں۔کام کرنے والا جو ملا ہے اس کے بارے میں یہ دیکھیں معیار،مومنانہ شان۔ ان کی اہلیہ ان کو یہ کہنے لگیں کہ حق تو تبھی پورا ہوگا کہ تم اس کو آزاد کردو۔جو تمھیں ملازم ملا ہے اس کو آزاد کردو۔اس پر حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے اس کو آزاد کردیا۔(ترمذی: أبواب الزهد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/باب معيشة أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم/رقم الحديث: ۲۳۶۹)

تفسیر شافعی

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جوع سے مراد روزہ ہے۔

روزے کے چند فضائل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابن آدم نے ہر عمل اپنے لیے کیا سوائے روزوں کے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں اس کا بدلہ دوں گا تو قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں روزے دار کے منہ کی بو مشک سے زیادہ پاکیزہ اور خوشبودار ہے۔(بخاری: كتاب اللباس/باب ما يذكر في المسك/رقم الحديث: ۵۹۲۷)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ریان کہا جاتا ہے۔اس دروازے سے قیامت کے دن روزہ رکھنے والے ہی داخل ہوں گے ان کے علاوہ کوئی اور داخل نہیں ہوگا۔کہا جائے گا کہ روزہ رکھنے والے کہاں ہیں؟ پھر وہ اس دروازہ سے داخل ہوں گے اور جب روزہ رکھنے والوں میں آخری

داخل ہو جائے گا تو وہ دروازہ بند ہو جائے گا اور پھر کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہوگا۔

(بخاری: کتاب بدء الخلق/باب صفة أبواب الجنة/رقم الحدیث: ۳۲۵۷)

تیسری شکل

آزمائش کی تیسری شکل اموال میں کمی ہے۔ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کفار سے جنگ کرنا اور اُس میں مال خرچ کرنا ہے۔

(تفسیر قرطبی مترجم: ۱/ ۶۴۰)

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی فیاضی

غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کچھ مال راہ خدا میں خرچ کرنے کا حکم فرمایا اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ آج میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ جاؤں گا۔ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ مال لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا اے عمر! اپنے اہل وعیال کے لیے کس قدر چھوڑ آئے ہو؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آدھا (یعنی آدھا مال لے کر آیا ہوں اور آدھا چھوڑ آیا ہوں)۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا مال لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا ابوبکر! اپنے اہل وعیال کے لیے کس قدر چھوڑا؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنے اہل وعیال کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے (یعنی کل مال لے کر آیا ہوں)۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ کہا کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کبھی سبقت نہیں کر سکتا۔ (أبو داود: کتاب الزکاة/باب فی الرخصة فی ذلک/رقم الحدیث: ۱۶۷۸)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی فیاضی

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا تھا۔ جس میں پالان اور کجاوے سمیت دوسو اونٹ تھے اور دوسو اوقیہ (تقریباً ساڑھے انتیس کلو) چاندی تھی۔ آپ نے یہ سب صدقہ کردیا۔ اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت صدقہ کیے۔ اس کے بعد ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے) لے آئے اور انھیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش میں بکھیر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں الٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ آج کے بعد عثمان جو بھی کریں انھیں ضرر نہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر صدقہ کیا، اور صدقہ کیا، یہاں تک کہ ان کے صدقے کی مقدار نقدی کے علاوہ نوسو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔ (ترمذی: أبواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ باب/ رقم الحدیث: ۳۷۰۰)

تفسیر شافعی

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اموال میں کمی سے مراد زکوۃ کی ادائیگی ہے۔ (تفسیر قرطبی مترجم: ۱/ ۶۴۰)

زکوۃ اسلام کا بنیادی رکن ہے اور مضبوط پل ہے۔

زکوۃ کی اہمیت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعے محفوظ بناؤ، اور اپنے بیماروں کا صدقے سے علاج کرو، اور بلا اور مصیبت کی موجوں کا دعا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے استقبال کرو۔ (شعب الإیمان للبیھقی: ۳/ ۲۸۲)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اس کی زکوۃ

ادا نہ کرتا ہو تو وہ مال قیامت کے دن ایک ایسا سانپ بنا دیا جائے گا جو گنجا ہو اور اس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں، پھر وہ سانپ اس کی گردن میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا، جو اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ لے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں۔ (بخاری: کتاب الزکاۃ/باب إثم مانع الزکاۃ/رقم الحدیث: ۱۴۰۳)

چوتھی شکل

آزمائش کی چوتھی شکل ہے جان میں کمی۔ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جنگ میں قتال کی صورت ہے۔ (تفسیر قرطبی مترجم: ۱/۶۴۰)

غزوۂ اُحد کی داستان دل خراش

احد کا واقعہ بڑا نازک اور دلخراش ہے۔ میدان احد میں بڑا نقصان ہوا۔ سب سے پہلا اور بڑا نقصان امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زخمی ہونا۔ دوسرا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور تیسرا ستّر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ تمام محدثین اور تمام دنیا کے فاتحین نے جب غزوہ احد پر نظر ڈالی کہ یہ نقصان کیوں ہوئے تو یہ راز سامنے آیا کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کی نافرمانی کے سبب یہ نقصان ہوا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جان بوجھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم نہیں توڑا۔ اس اجتہادی لغزش پر طعن وملامت کی گنجائش نہیں، بلکہ مجتہدین نے فرمایا اجتہادی خطا پر بھی ایک درجہ ثواب ملتا ہے۔

بئر معونہ کا واقعہ

تاریخ اسلام میں بئر معونہ کا واقعہ ناقابل فراموش ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ابو براء عامر بن مالک جو نیزوں سے کھیلنے والے کے لقب سے مشہور تھا، مدینہ میں خدمت نبوی

میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی، مگر اُس نے اسلام کو قبول نہیں کیا، لیکن دوری بھی اختیار نہ کی اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ اپنے اصحاب کو دعوت دین کے لیے اہل نجد کے پاس بھیجیں تو مجھے امید ہے کہ وہ لوگ آپ کی دعوت قبول کرلیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنے اصحاب کے متعلق اہل نجد سے خطرہ ہے۔ ابو براء نے کہا وہ میری پناہ میں ہوں گے۔

اس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن اسحاق کی روایت کے بقول چالیس اور بخاری کی روایت کے مطابق ستر آدمیوں کو اس کے ساتھ بھیجا دیا اور حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنا دیا۔ یہ لوگ فضلا، قرا، سادات و اخیار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے دن میں لکڑیاں کاٹ کر اس کے عوض اہل صفہ کے لیے غلہ خریدتے تھے اور قرآن پڑھتے پڑھاتے تھے اور رات میں خدا کے حضور مناجات و نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس طرح چلتے چلاتے معونہ کے کنوئیں پر جا پہنچے۔ یہ کنواں بنو عامر اور حرہ بنی سلیم کے درمیان ایک زمین میں واقع ہے۔

وہاں پڑاؤ ڈالنے کے بعد ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط دے کر دشمنِ خدا عامر بن طفیل کے پاس روانہ کیا، لیکن اس نے خط کو دیکھا تک نہیں اور ایک آدمی کو اشارہ کر دیا جس نے حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو پیچھے سے اس زور کا نیزہ مارا کہ وہ نیزہ آر پار ہو گیا خون دیکھ کر حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔

اس کے بعد فوراً ہی اس دشمن خدا عامر نے باقی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرنے کے لیے اپنے قبیلۂ بنی عامر کو آواز دی، مگر انھوں نے ابو براء کی پناہ کے پیش نظر اس کی آواز پر

کان نہ دھرے۔ ادھر سے مایوس ہو کر اس شخص نے بنوسلیم کو آواز دی۔ بنوسلیم کے تین قبیلوں عصیہ، رعل، اور ذکوان نے اس پر لبیک کہا اور جھٹ آکر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا محاصرہ کرلیا۔ جواباً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی لڑائی کی، مگر سب کے سب شہید ہو گئے صرف حضرت کعب بن زید بن نجار رضی اللہ عنہ زندہ بچے انھیں شہدا کے درمیان سے زخمی حالت میں اٹھایا گیا اور وہ جنگ خندق تک حیات رہے۔ ان کے علاوہ مزید دو صحابی حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور حضرت منذر بن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اونٹ چرا رہے تھے، انھوں نے جائے واردات پر چڑیوں کو منڈلاتے دیکھا تو سیدھے جائے واردات پر پہنچے۔ پھر حضرت منذر رضی اللہ عنہ تو اپنے رفقا کے ساتھ مل کر مشرکین سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو قید کرلیا گیا، لیکن جب بتایا گیا کہ ان کا تعلق قبیلہ مضر سے ہے تو عامر نے ان کی پیشانی کے بال کٹوا کر اپنی ماں کی طرف سے جس پر ایک گردن آزاد کرنے کی نذر تھی، آزاد کردیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۲/ ب ۲۵۵،۲۵۶)

جنگ یرموک کا واقعہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں یرموک کے مقام پر اسلامی لشکر کی رومیوں کے ساتھ ایک خوں ریز جنگ ہوئی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بقول اس جنگ میں کلیجے منہ کو آتے تھے، رومیوں کے تیروں میں سورج چھپ جاتا، جب تیر اندازی ہوتی تو دن کی تپتی دھوپ میں شام کی تاریکی کا گمان ہوتا۔ یہ ایک طویل جنگ تھی، اس جنگ کا نام ہی زخمیوں والی جنگ رکھ دیا گیا، یہاں تک کہ بعد کے زمانے میں ہر اندھے، زخمی اور اپاہج کو دیکھ کر یہی گمان کیا جاتا کہ یہ جنگ یرموک کا زخمی ہوگا۔

تفسیر شافعی

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جانوں میں کمی سے مراد امراض اور بیماریاں ہیں۔(تفسیر قرطبی مترجم:۱/ ۶۴۰)

بیماری ایک طرح کی نعمت ہے۔

ایک عجیب واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ نصیحت فرما ہی رہے تھے کہ اس دوران مجلس میں ایک شخص آیا۔ وہ معذور اور مختلف بیماریوں میں مبتلا تھا۔ اس نے حضرت سے درخواست کی کہ میرے لیے دعا فرما دیں اللہ تعالیٰ مجھے اس تکلیف سے نجات دے دیں۔ ہم حاضرین مجلس حیران ہوئے کہ ابھی تو حضرت نے تکالیف کو نعمت قرار دیا ہے، ساتھ ہی یہ معذور آکر دعا کی درخواست کر رہا ہے۔ اب دیکھیے حضرت اس نعمت کے ازالے کی دعا کیسے کریں گے؟ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی کہ اے اللہ! ہم کمزور ہیں، آپ ہماری کمزوری پر نظر کر کے اس بیماری والی نعمت کو صحت والی نعمت سے بدل دیجیے۔(حکایات اسلاف دیوبند ص: ۳۳، ۳۴)

طاعون عمواس

سنہ ۶۴۰ عیسوی کا واقعہ ہے۔ سنہ ۱۷ ہجری کے آخری مہینے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ملک شام، مصر اور عراق میں ایک خطرناک وبا نمودار ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس وبا کا زور اتنا بڑھ گیا کہ سنہ ۱۸ ہجری کا آغاز ہوتے ہی شہر کے شہر خالی ہوتے چلے گئے۔ اس وبا کی لپیٹ میں آکر، تین مہینوں کے اندر لاکھوں لوگ لقمہ اجل

بن گئے۔ وبائی بحران اتنا شدید تھا کہ قحط سالی کی وجہ سے پرندے بلا جھجک لوگوں کے ہاتھوں میں آجاتے۔ تاریخ اسلام میں اس حادثے کو" طاعون عمواس" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے" طاعون عمواس" کو قیامت کی چھ بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا تھا۔ (ابن ماجة: کتاب الفتن / باب أشراط الساعة / رقم الحدیث: ۴۰۳۲)

سنہ ۱۸ ہجری میں امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مدینہ میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو مقرر کر کے، ایک لاکھ لشکر اسلام کے ساتھ شام روانہ ہوئے۔ جب آپ اردن کے "سرغ" نامی جگہ پر پہنچے تو خبر ملی کہ شام کے مختلف علاقوں میں ایک وبا پھوٹ پڑی ہے، جو بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ لوگ کثرت سے اس کی زد میں آرہے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مشورہ کر کے واپسی کو بہتر سمجھا۔ اس وقت حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ شام کے امیر تھے، انھوں نے برجستہ کہا کہ اے عمر! کیا آپ اللہ کی قدرت سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں؟ یہ طنزیہ جملہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو تاریخی جملہ کہا تھا، وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، وہ ایک جملہ اسلام کا ایسا اصول بن گیا، جو قیامت تک مسلمانوں کی رہبری کرتا رہے گا۔ آپ نے جواب دیا:

نعم! نفر من قدر اللہ إلی قدر اللّٰہ

ہاں! یہ فرار ہے، اللہ کی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف۔ (بخاری: کتاب الطب / باب مایذکر فی الطاعون / رقم الحدیث: ۵۷۲۹)

کچھ دنوں بعد مدینہ طیبہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خط آیا کہ لشکر اسلام کو لے کر نشیبی جگہ سے فلاں مقام (جو قدرے بلند اور سبز و شاداب تھا) کی طرف کوچ کیے جائیں۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے مشورہ نہ مانا اور طاعون کو اللہ کی رحمت قرار دیا۔ آپ اس وبا میں شہید ہو گئے۔

آپ کے بعد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو امیر منتخب کیا گیا۔ آپ بھی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے موقف پر ڈٹے رہے اور آپ نے اس وبا کو اللہ کی رحمت قرار دے کر اللہ سے دعا کی کہ پروردگار! میری اور میرے اہل وعیال کی اسی مرض میں شہادت مقدر فرما۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور آپ کے جتنے اہل خانہ وہاں موجود تھے، سب اسی طاعون میں شہید ہوئے۔ اس وبا سے ہزاروں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سمیت پچاس ہزار کے قریب مجاہدین اسلام شہید ہوئے۔ اصل میں ان جلیل القدر صحابہ کے سامنے رسول کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیث تھی، جس میں کہا گیا تھا کہ طاعون میں مرنے والا شہید ہے۔

پانچویں شکل

آزمائش کا پانچویں شکل ہے ثمرات میں کمی۔ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ثمرات میں کمی سے مراد پیداوار میں کمی ہے۔ جیسا کہ ابھی بتلایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا کی وجہ سے اہل مکہ پر قحط سالی ہوئی اور حالت یہ ہوئی کہ ہر چیز ختم ہوگئی، لوگ مردار کھانے لگے۔ کوئی شخص کھڑا ہو کر آسمان کی طرف دیکھتا تو بھوک اور فاقے کی وجہ سے آسمان اور اس کے درمیان دھواں ہی دھواں نظر آتا۔

تفسیر شافعی

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ثمرات میں کمی سے مراد بچوں کی موت ہے۔

(تفسیر قرطبی مترجم: ۱/ ۶۴۰)

بچوں کی موت پر کیا اجر ہے؟

ترمذی شریف کی ایک حدیث ہے کہ جب مسلمان کا بچہ مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کر لی۔ عرض کرتے ہیں ہاں۔ فرمایا کہ تم نے اس کے دل کا پھل توڑ لیا؟ عرض کرتے ہیں ہاں، فرماتا ہے کہ پھر میرے بندے نے کیا کہا؟ عرض کرتے ہیں کہ تیرا شکر کیا اور انا للہ پڑھا۔ فرماتا ہے کہ میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اُس کا نام بیت الحمد رکھو۔ (ترمذی: أبواب الجنائز عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ باب فضل المصیبۃ إذا احتسب/ رقم الحدیث: ۱۰۲۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ساقط بچہ اپنی ماں کو اپنی ناف سے جنت میں کھینچے گا جب کہ وہ ثواب کی نیت سے صبر کرے۔ (ابن ماجہ: کتاب الجنائز/ باب ماجاء فیمن أصیب بسقط/ رقم الحدیث: ۱۶۰۹)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد سوائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آپ کی حیات طیبہ میں انتقال فرما گئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت کی خبر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ اقدس میں یہ خوشخبری سنائی۔ یہ خوشخبری سن کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انعام کے طور پر حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو ایک غلام عطا فرمایا۔ اس کے بعد فوراً ہی حضرت جبرئیل

علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو " یا أبا إبراهيم " کہہ کر پکارا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بے حد خوش ہوئے اور ان کے عقیقے میں دو مینڈھے آپ نے ذبح فرمائے اور ان کے سر کے بال کے وزن کے برابر چاندی خیرات فرمائی اور ان کے بالوں کو دفن کرادیا اور ابراہیم نام رکھا۔

پھر ان کو دودھ پلانے کے لیے حضرت ام سیف رضی اللہ عنہا کے سپرد فرمایا۔ ان کے شوہر حضرت ابو سیف رضی اللہ عنہ لوہاری کا پیشہ کرتے تھے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو حضرت ابراہیم سے بہت زیادہ محبت تھی اور کبھی کبھی آپ ان کو دیکھنے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ حضرت ابو سیف رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے تو یہ وہ وقت تھا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جان کنی کے عالم میں تھے۔ یہ منظر دیکھ کر رحمت عالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس وقت حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کیا آپ بھی روتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عوف کے بیٹے! یہ میرا رونا ایک شفقت کا رونا ہے۔ اس کے بعد پھر دوبارہ جب چشمان مبارک سے آنسو بہنے لگے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہو گئے:

تدمع العين و يحزن القلب ولا نقول إلا ما يرضىٰ ربنا والله يا إبراهيم إنا بك لمحزنون

آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمزدہ ہے مگر ہم وہی بات زبان سے نکالتے ہیں جس سے ہمارا رب خوش ہو جائے اور بلاشبہ اے ابراہیم! ہم تمھاری جدائی سے بہت زیادہ غمگین ہیں۔

(مسلم: کتاب الفضائل / باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال وتواضعہ وفضل

ذلک/رقم الحدیث: ۲۳۱۵)

جس دن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اتفاق سے اسی دن سورج گرہن ہوا۔ عربوں کے دلوں میں زمانۂ جاہلیت کا یہ عقیدہ جما ہوا تھا کہ کسی بڑے آدمی کی موت سے چاند اور سورج میں گرہن لگتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ غالباً یہ سورج گرہن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے ہوا ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر ایک خطبہ دیا جس میں جاہلیت کے اس عقیدے کا رد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إن الشمس والقمر آيتان من آيات الله وإنهما لا يخسفان لموت أحد، وإذا كان ذاک فصلوا وادعوا حتى يكشف ما بكم

یقیناً چاند اور سورج اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ کسی کے مرنے یا جینے سے ان دونوں میں گرہن نہیں لگتا جب تم لوگ گرہن دیکھو تو دعائیں مانگو اور نماز کسوف پڑھو یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے۔ (بخاری: کتاب الکسوف/باب الصلاۃ فی کسوف القمر/رقم الحدیث: ۱۰۶۳)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میرے فرزند ابراہیم نے دودھ پینے کی مدت پوری نہیں کی اور دنیا سے چلا گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی کو مقرر فرما دیا ہے جو مدت رضاعت بھر اس کو دودھ پلاتی رہے گی۔ (مسلم: کتاب الفضائل/باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال وتواضعہ وفضل ذلک/رقم الحدیث: ۲۳۱۶)

بہرحال! اس آیت میں ایمان والوں کی آزمائش کی پانچ شکلیں بیان فرمائی گئی ہیں،

اور دنیا تو ویسے بھی ہے ہی دار الامتحان ۔لہٰذا حالات ومصائب کو دیکھ کر گھبرانے اور واویلا مچانے کے بجائے دامنِ صبر کو مضبوطی سے تھامنا چاہیے۔اسی لیے آگے ارشاد فرمایا:

﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۝﴾ [البقرۃ:۱۵۵]

کہ آپ صابرین کو بشارت سنادیجیے۔

اللہ تعالیٰ اپنے لطف واحسان سے مصائب وآزمائش کے بادلوں کو ہٹادیں اور ہمیں استقامت کی دولت سے مالا مال فرمائیں ۔(آمین)

وصلی اللہ علی النبي الکریم

مضمون:(۱۵)

مختصر اور پرتاثیر جملہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبة للمتقین و الصلاة و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡہُمۡ فَزَادَہُمۡ اِیۡمَانًا ٭ۖ وَّ قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ﴾ [آل عمران: ۱۷۳]

تمہید

یہ سورۂ آل عمران کی ۱۷۳ نمبر کی آیت ہے۔ اس آیت کے اخیر میں ایک مختصر اور پر تاثیر جملہ ذکر کیا گیا ہے اور وہ جملہ ہے:

﴿حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ﴾ [آل عمران: ۱۷]

اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

آیت مذکورہ کا پس منظر

سب سے پہلے یہ سمجھ لیں یہ جملہ مسلمانوں نے کب کہا؟ اس کا پس منظر کیا ہوا؟

مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اس سے اوپر والی آیات میں غزوۂ احد کے قصے کا ذکر تھا، مذکورہ آیات میں اسی غزوے سے متعلق ایک دوسرے غزوے کا ذکر ہے، جو غزوۂ حمراء الأسد کے نام سے مشہور ہے۔ حمراء الأسد مدینہ طیبہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے۔ واقعہ اس غزوہ کا یہ ہے کہ جب کفار مکہ احد کے میدان سے واپس ہو گئے، تو راستے میں جا کر اس پر افسوس ہوا کہ ہم غالب آ جانے کے باوجود خواہ مخواہ واپس لوٹ آئے، ہمیں چاہیے تھا کہ ایک حملہ کر کے سب مسلمانوں کو ختم کر دیتے اور اس خیال نے

کچھ ایسا اثر کیا کہ پھر واپس مدینہ کی طرف لوٹنے کا ارداہ کرنے لگے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر رعب ڈال دیا اور سیدھے مکہ مکرمہ کو ہو لیے، لیکن بعض مسافروں سے جو مدینہ کی طرف جا رہے تھے یہ کہہ گئے کہ تم جا کر کسی طرح مسلمانوں کے دل میں ہمارا رعب جماؤ کہ وہ پھر لوٹ کر آ رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ بات معلوم ہو گئی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے تعاقب میں حمراء الأسد تک پہنچے۔ (معارف القرآن: ۲/ ۲۳۹)

تفسیر قرطبی میں ہے کہ احد کے دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مجاہدین میں اعلان فرمایا کہ ہمیں مشرکین کا تعاقب کرنا ہے، مگر اس میں صرف وہی لوگ جا سکیں گے جو کل کے معرکے میں ہمارے ساتھ تھے، اس اعلان پر دو سو مجاہدین کھڑے ہو گئے۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ کون ہے جو مشرکین کے تعاقب میں جائے؟ یہ اعلان سن کر ستر حضرات کھڑے ہو گئے جن میں ایسے لوگ بھی تھے جو گذشتہ کل کے معرکے میں شدید زخمی ہو چکے تھے، دوسروں کے سہارے چلتے تھے، یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مشرکین کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ مقام حمراء الأسد پر پہنچے، تو وہاں نعیم بن مسعود ملا، اس نے خبر دی کہ ابو سفیان نے اپنے ساتھ مزید لشکر جمع کر کے پھر یہ طے کیا ہے کہ دوبارہ مدینہ پر چڑھائی کریں اور اہل مدینہ کا استیصال کریں، زخم خوردہ ضعیف صحابہ اس خبر وحشت اثر کو سن کر یک زبان ہو کر بولے کہ ہم اس کو نہیں جانتے۔

حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل

یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہتر مددگار ہے۔ (معارف القرآن: ۲/ ۲۴۰)

اس طرف تو مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے یہ خبر دی گئی اور مسلمان اس سے متاثر نہیں ہوئے، دوسری طرف معبد خزاعی بنی خزاعہ کا ایک آدمی مدینہ سے مکہ کی طرف جا رہا تھا یہ اگرچہ مسلمان نہ تھا مگر مسلمانوں کا خیر خواہ تھا، اس کا قبیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیف تھا، اس نے جب راستہ میں مدینہ سے لوٹے ہوئے ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ اپنے لوٹنے پر پچھتا رہا ہے اور پھر واپسی کی فکر میں ہے، تو اس نے ابوسفیان کو بتایا کہ تم دھوکے میں ہو کہ مسلمان کمزور ہو گئے، میں ان کے بڑے لشکر کو حمراء الأسد میں چھوڑ کر آیا ہوں، جو پورے ساز و سامان سے تمھارے تعاقب میں نکلا ہے، ابوسفیان پر اس کی خبر نے رعب ڈال دیا۔ (معارف القرآن: ۲/ ۲۴۰)

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ مسلمان مشرکین کے حملے کی خبر سن کر ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئے اور اُن کی زبان پر حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل کا جملہ جاری ہوا۔ معلوم ہوا یہ جملہ بہت ہی عظیم ہے، معنیٰ خیز، مضمون سے لبریز اور پر تاثیر ہے۔

غزوۂ خندق کا واقعہ

اس جملے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خندق کے موقع پر بھی استعمال فرمایا تھا۔ جس کا پس منظر یہ ہے کہ یہود کے قبیلہ بنی نضیر اور قبیلہ بنی وائل کے تقریباً بیس آدمی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں سے سخت عداوت رکھتے تھے، مکہ مکرمہ پہنچیں، اور قریشی سرداروں سے ملاقات کر کے ان کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ قریشی سردار سمجھتے تھے کہ جس طرح مسلمان ہماری بت پرستی کو کفر کہتے ہیں اور اس لیے ہمارے مذہب کو برا سمجھتے ہیں یہود کا بھی یہی خیال ہے، تو ان سے موافقت و اتحاد کی کیا توقع رکھی جائے۔ اس لیے ان لوگوں

نے یہود سے سوال کیا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان دین و مذہب کا اختلاف ہے اور آپ لوگ اہل کتاب اور اہل علم ہیں، پہلے ہمیں یہ بات بتلائیں کہ آپ کے نزدیک ہمارا دین بہتر ہے یا اُن کا؟

سیاست کے اکھاڑے میں جھوٹ کوئی نئی چیز نہیں۔ ان یہودیوں نے اپنے علم وضمیر کے بالکل خلاف ان کو یہ جواب دیا:

﴿هٰۤؤُلَآءِ اَهۡدٰى مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِيۡلًا۝﴾ [النساء: ۵۱]

تمھارا دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین سے بہتر ہے۔ اس پر یہ لوگ کچھ مطمئن ہوئے، مگر اس پر بھی معاملہ یہ ٹھہرا کہ بیس آدمی یہ آنے والے اور پچاس آدمی قریشی سرداروں کے مسجد حرام میں جا کر بیت اللہ کی دیواروں سے سینے لگا کر اللہ کے سامنے یہ عہد کریں کہ ہم میں سے جب تک ایک آدمی بھی زندہ رہے گا ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کرتے رہیں گے۔

مسجد حرام میں کعبۃ اللہ سے چمٹ کر اللہ کے دشمن اس کے رسول کے خلاف جنگ لڑنے کا معاہدہ کر رہے ہیں، اور مطمئن ہو کر جنگ کا نیا جذبہ لے کر لوٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم وکرم کا عجیب مظہر ہے۔ پھر ان کے اس معاہدہ کا حشر بھی یہ ہوا کہ سب کے سب اس جنگ سے منہ موڑ کر بھاگے۔

یہ یہودی قریش مکہ کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد عرب کے ایک بڑے اور جنگجو قبیلے یعنی قبیلۂ غطفان کے پاس پہنچے اور ان کو بتلایا کہ ہم اور قریش مکہ اس پر متفق ہو چکے ہیں کہ اس نئے دین (اسلام) کے پھیلانے والوں کا ایک مرتبہ سب مل کر استیصال کر دیں۔ آپ بھی اس پر ہم سے معاہدہ کریں۔ اور ان کو یہ رشوت بھی پیش کی کہ خیبر میں جس قدر کھجور ایک

سال میں پیدا ہوگی وہ اور بعض روایات میں اس کا نصف قبیلہ غطفان کو دیا جائے گا۔ قبیلۂ غطفان کے سردار عیینہ بن حصن نے اس شرط کے ساتھ ان سے شرکت کو منظور کر لیا اور یہ لوگ بھی جنگ میں شامل ہو گئے۔

اور باہمی قرارداد کے مطابق مکہ سے قریشیوں کا لشکر چار ہزار جوانوں اور تین سو گھوڑوں اور ایک ہزار اونٹوں کے سامان کے ساتھ ابوسفیان کی قیادت میں مکہ مکرمہ سے نکلا اور مرظہران میں قیام کیا یہاں قبیلہ اسلم اور قبیلہ اشجع اور بنومرہ، بنوکنانہ اور فزارہ اور غطفان کے سب قبائل شامل ہو گئے۔ جن کی مجموعی تعداد بعض روایات میں دس، بعض میں بارہ ہزار اور بعض میں پندرہ ہزار بیان کی گئی ہے۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کے مقابل آنے والا لشکر ایک ہزار کا تھا، پھر غزوہ احد میں حملہ کرنے والا لشکر تین ہزار کا تھا۔ اس مرتبہ لشکر کی تعداد بھی ہر پہلی مرتبہ سے زائد تھی، اور سامان بھی اور تمام قبائل عرب و یہود کی اتحادی طاقت بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس متحدہ محاذ کے حرکت میں آنے کی اطلاع ملی تو سب سے پہلا کلمہ جو زبان مبارک پر آیا یہ تھا

حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل

یعنی ہمیں اللہ کافی اور وہی ہمارا بہتر کارساز ہے۔ (معارف القرآن: ۷/۱۰۲)

یہ جملہ کس نے کہا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جملہ حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا، اس وقت جب ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور یہی جملہ محمد

صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس وقت کہا تھا جب لوگوں نے مسلمانوں کو ڈرانے کے لیے کہا تھا کہ لوگوں یعنی قریش نے تمھارے خلاف بڑا سامان جنگ اکٹھا کر رکھا ہے، ان سے ڈرو لیکن اس بات نے ان مسلمانوں کا جوشِ ایمان اور بڑھا دیا اور یہ مسلمانوں نے کہا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کام بنانے والا ہے۔(بخاری: کتاب التفسیر/سورۃ آل عمران/باب إن الناس قدجمعوا الکم الآیۃ/رقم الحدیث: ۴۵۶۳)

اس جملے کے متعلق اقوالِ سلف

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا جب تم کسی بڑی پریشانی میں واقع ہوجاؤ تو یوں کہا کرو:

حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل

(۲) ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو جب سخت غم پیش آتا تو آپ اپنے ہاتھ کو اپنے سر اور داڑھی پر پھیرتے پھر آپ لمبی سانس لیتے ہوئے یوں فرماتے:

حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل

اللہ میرے لیے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

(۳) علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس جملے کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

فِيْهِ اِسْتِحْبَابُ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ عِنْدَ الْغَمِّ، وَ الْأُمُوْرِ الْعَظِيْمَةِ

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غم اور سنگین معاملات کے وقت یہ جملہ پڑھنا مستحب ہے۔(الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور: ۲/۳۹۰)

اُس دن کیا کہیں؟

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں آسودگی والی زندگی کیسے بسر کروں؟ جب کہ سینگ والے فرشتے نے سینگ کو منہ میں لے رکھا اور اپنی پیشانی کو جھکا رکھا ہے، کہ کب اُسے صور میں پھونکنے کا حکم دیا جائے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم اُس دن کیا کہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم کہو:

حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل (صحیح ابن حبان/رقم الحدیث: ۱۷۵۴)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں کا مقدمہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا، یہ فیصلہ جس شخص کے خلاف تھا اس نے فیصلہ نہایت سکون سے سنا اور یہ کہتے ہوئے چلنے لگا:

حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو میرے پاس لاؤ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کو ناپسند کرتا ہے، بلکہ تم کو چاہیے کہ تمام ذرائع اختیار کرو پھر بھی عاجز ہو جاؤ اس وقت کہو:

حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل (أبو داود: أول کتاب الأقضیة/باب الرجل یحلف علی حقه/رقم الحدیث: ۳۶۲۷)

اس جملے کی برکت کا ایک واقعہ

مؤرخ ابن بطوطہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں ایک ویران گاؤں میں گیا یہاں کے لوگ

پانی پینے کے لیے بارش کا پانی تالابوں میں جمع کر لیتے ہیں، مجھے اس پانی سے گھن آ رہی تھی، میں نے ایک کچا کنواں دیکھا، اُس پر مونج کی رسی پڑی ہوئی تھی لیکن ڈول نہ تھا۔ میں نے رسی میں اپنی دستار باندھی اس میں جو کچھ پانی لگ گیا میں وہ چوسنے لگا، لیکن پیاس نہ بجھی پھر میں نے اپنا چمڑے کا موزہ رسی سے باندھا لیکن رسی ٹوٹ گئی اور موزہ کنویں میں جا پڑا۔ پھر میں نے دوسرا موزہ باندھا اور پیٹ بھر کر پانی پیا اچانک مجھے ایک شخص نظر آیا۔ میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو یہ شخص کالے رنگ کا تھا اور اس کے ہاتھ میں لوٹا اور عصا تھا اور اس کے کندھے پر جھولی تھی۔

اس نے مجھ سے السلام علیکم کہا، میں نے وعلیکم السلام ورحمت اللہ وبرکاتہ جواب دیا۔ اُس نے فارسی میں دریافت کیا "چہ کسی"؟ میں نے کہا کہ میں راستہ بھول گیا ہوں، اس نے کہا کہ میں بھی راستہ بھولا ہوا ہوں۔ پھر اس نے اپنا لوٹا رسی سے باندھا اور پانی کھینچا میں نے ارادہ کیا کہ پانی پیوں اس نے کہا صبر کر۔ اس نے اپنی جھولی سے بھنے ہوئے چنے اور چاول نکالے، میں نے وہ کھائے اور پانی پیا۔ اس نے وضو کر کے دو رکعات نماز پڑھی میں نے بھی وضو کیا اور نماز پڑھی۔ اس نے میرا نام پوچھا۔ میں نے کہا ابو عبداللہ محمد میرا نام ہے (ابن بطوطہ کا اصلی نام) پھر میں نے اس سے اس کا نام دریافت کیا تو اس نے کہا قلب فارح (خوش دل) میں نے کہا فال تو اچھی ہے۔ اس نے کہا کہ میرے ساتھ چل، میں نے کہا اچھا۔

تھوڑی دیر تک میں اس کے ساتھ پیدل چلتا رہا، تھکاوٹ کی وجہ سے میرے اعضا نے جواب دیدیا اور میں کھڑا نہ رہ سکا۔ اس نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ میں بہت تھک گیا ہوں، اب چلا نہیں جاتا۔ اس نے کہا سبحان اللہ! مجھ پر سوار ہو لے۔ میں نے کہا تو ضعیف

آدمی ہے، مجھے اٹھانہیں سکے گا۔اس نے کہا تو سوار ہو جا، خدا مجھے طاقت بخشے گا۔ میں اس کے کندھوں پر سوار ہولیا اس نے مجھے کہا کہ تو ''حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل'' پڑھتا چلا جا۔ میں نے اس کا ذکر شروع کیا اور مجھے نیند آ گئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ بیدار ہوا تو اس آدمی کا پتہ نہ لگا، میں نے خود کو ایک آباد گاؤں میں پایا۔ میں حیران تھا کہ سیکڑوں میل کا سفر پلک جھپکنے میں کیسے طے ہو گیا۔ یہ سب کچھ ''حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل'' کا اعجاز تھا۔

یہ گاؤں ہندوؤں کا تھا۔ اس علاقے کا حاکم ایک مسلمان بادشاہ تھا۔ لوگوں نے اسے خبر دی تو وہ میرے پاس آیا وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ مجھے گرم گرم کھانا کھلایا۔ غسل دلایا اس نے کہا کہ میرے پاس ایک گھوڑا اور ایک عمامہ ہے جو ایک مصری شخص میرے پاس رکھ گیا تھا وہ تم پہن لو۔ جب وہ عمامہ لایا تو یہ وہی کپڑے تھے جو میں نے اس مصری کو دیے تھے۔ جب وہ مجھے کول (بھارت کا ایک شہر) میں بہت عرصے پہلے ملا تھا۔ میں نہایت متعجب ہوا اور سوچ رہا تھا کہ وہ شخص جو مجھے اپنے کندھوں پر سوار کر کے لایا کون تھا؟

مجھے یاد آیا کہ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے مجھے، ایک ولی اللہ ابو عبد اللہ مرشدی رحمۃ اللہ علیہ ملے تھے، انھوں نے فرمایا تھا کہ تو ہندوستان جائے گا تو وہاں تجھے میرا بھائی ملے گا اور وہ تجھے ایک سختی سے رہائی دے گا اور قلب فارح کا بھی یہی ترجمہ ہے، اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ وہی شخص تھا جس کی خبر مجھے شیخ ابو عبد اللہ مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے دی تھی۔ میں نے افسوس کیا کہ مجھے ان کی صحبت زیادہ دیر تک نصیب نہ ہوئی۔ (سفرنامہ ابن بطوطہ اردو: ۲/ ۱۶۹)

دوسرا عجیب واقعہ

ابن بطوطہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت ''حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل'' کا دوسرا واقعہ ہندوستان کے مشہور بادشاہ سلطان محمد تغلق شاہ کے زمانے کا بیان کیا ہے۔ ابن بطوطہ، تغلق کے دور میں دارالخلافہ دہلی کے قاضی کے اہم عہدے پر متمکن تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے تختہ الٹنے کی ایک سازش کے انکشاف کے بعد دوسروں کے ساتھ حضرت شیخ شہاب الدین جامی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی موردِ الزام ٹھہرایا۔ انھیں ایک غار میں قید کر دیا گیا یہ غار دہلی سے باہر تھی۔ ان کے ایام قید میں، میں ایک دن غار دیکھنے وہاں گیا تو شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات ہوئی، کچھ عرصہ بعد بادشاہ اس غار کی جانب گیا اور شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹوں سے پوچھا کہ تمھارے باپ سے ملنے یہاں کون کون آتے تھے؟ تو انھوں نے میرا نام بھی لیا۔ بادشاہ نے مجھے بھی قید کرنے کا حکم دیدیا۔

چار غلاموں کا پہرہ لگا دیا گیا۔ اس پہرے کا مطلب موت کا انتظار ہوتا ہے۔ ایسے شخص کا جس پر یہ پہرہ لگایا جاتا ہے، اُس کا بچنا مشکل تصور کیا جاتا تھا۔ مجھ پر جمعہ کے دن پہرہ لگا۔ میں نے ''حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل'' پڑھنا شروع کیا اور اس روز میں نے ۳۳ ہزار دفعہ یہ پڑھا رات کو میں دیوان خانے میں رہا اور پانچ روز کا ایک روزہ رکھا ہر روز ایک کلام اللہ ختم کرتا تھا اور پانی سے افطار کرتا۔ پانچ دن کے بعد میں نے روزہ کھولا اور چار دن کا پھر روزہ رکھا شیخ کے قتل کے بعد میری رہائی ہوئی۔

اس کے بعد میرا دل ملازمت سے کھٹا ہو گیا اور میں شیخ امام عالم عابد زاہد خاشع فرید الدہر وحید الزماں شیخ کمال الدین عبداللہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چلا گیا۔ یہ بزرگ اولیاء اللہ میں سے تھے اور ان کی کرامتیں مشہور تھیں۔ میں نے دنیا ترک کر کے اور اپنا سب مال

مساکین کو تقسیم کر کے شیخ کی خدمت اختیار کی۔ شیخ دس دس دن کا اور بعض دفعہ بیس بیس دن کا روزہ رکھتے تھے میرا دل بھی چاہتا تھا کہ میں بھی اسی طرح روزے رکھوں، مجھے شیخ روک دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ عبادت میں اپنے نفس پر بہت سختی نہ کیا کرو۔ (سفرنامہ ابن بطوطہ اردو: ۲/ ۱۶۵)

اس جملے کے پرتاثیر ہونے کی وجہ

یہاں ایک سوال ہوسکتا ہے کہ آخر یہ جملہ اتنا پرتاثیر کیوں ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ اس جملے میں اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام اللہ کے علاوہ اور دو نام آئے ہیں۔ ایک نام ہے ''الحسیب''، جس کی طرف لفظ'' حسبنا '' سے اشارہ ہو رہا ہے۔ حسیب وہ ذات جس کے سامنے ضروریات پیش کی جائیں تو فوراً پوری کردے، اور جب کسی کے بارے میں فیصلہ کرے تو اٹل اور ناقابل تردید ہو۔

دوسرا اسم ہے ''الوکیل''۔ وکیل اسے کہتے ہیں جو سب جہانوں کی تخلیق، تدبیر، رہنمائی، اور تقدیر کا ذمے دار ہے۔ اللہ پر توکل، اور اسی کے سامنے گڑگڑانے والے کے ساتھ اللہ کافی ہے، وہی دہشت زدہ کو امن نصیب فرماتا ہے، طالبِ پناہ کو پناہ دیتا ہے، وہی بہترین والی، اور بہترین مددگار ہے۔ لہٰذا جو بھی اسے اپنا والی بنائے، اسی سے مدد طلب کرے، اسی پر توکل ہو، اور مکمل طور پر اسی کی طرف یکسو ہو جائے، تو اللہ بھی اس کا والی بن کر اس کی مکمل حفاظت فرماتا ہے، جو صرف اللہ سے ڈرے اور تقوی اختیار کرے، اسے ہر دہشت و ڈر سے امن فراہم کرتا ہے، اور اس کی ضرورت کے مطابق ہر مفید چیز مہیا کرتا ہے۔

اس جملے کے متعلق ایک بزرگ کا عجیب ملفوظ

حضرت یزید بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ مجھے کبھی کسی شخص سے اتنا ڈر نہیں لگا جتنا مجھے کسی ایسے شخص پر ظلم کرتے ہوئے ڈر لگا کہ اس کا مددگار صرف اللہ ہے، اور وہ مجھے یہ کہہ دے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے، میرے اور تمھارے درمیان اللہ فیصلہ کرے گا۔

اس جملے کی برکات

مشائخ و علما نے ''حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل'' پڑھنے کے فوائد میں لکھا ہے کہ اس آیت کو ایک ہزار مرتبہ جذبہ ایمان اور انقیاد کے ساتھ پڑھا جائے اور دعا مانگی جائے تو رب تعالی رد نہیں فرماتا، ہجوم افکار اور مصائب کے وقت اس کا پڑھنا مجرب ہے۔ (معارف القرآن: ۲/ ۲۴۴)

حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے تلقین کردہ وظائف

محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ سے اس جملے کے متعلق کچھ وظائف منقول ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اول آخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھیں اس کے بعد یہ جملہ ''حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل'' درج ذیل مقاصد میں سے جس کے لیے پڑھیں کامیابی ہوگی۔

(۱) برائے حفاظت از شرور و فتن (۳۴۱) مرتبہ پڑھیں۔

(۲) برائے وسعت رزق و ادائے قرض (۳۰۸) مرتبہ پڑھیں۔

(۳) برائے تکمیل خاص کام (۱۱۱) مرتبہ پڑھیں۔

(۴) برائے کفالت از مصائب و پریشانی (۱۴۰) مرتبہ پڑھیں۔ (حیات ابرار ص: ۲۴۷)

فجر کے بعد دس کلمات کہنے کی برکات

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دس کلمات کہے ہر صبح کی نماز کے بعد تو اللہ تعالیٰ کو کفایت شعاری کرنے والا اور جزا دینے والا پائے گا۔ وہ کلمات پانچ دنیا کے لیے ہیں اور پانچ آخرت کے لیے ہیں۔ وہ کلمات یہ ہے:

حَسْبِیَ اللّٰهُ لِدِیْنِیْ

کافی ہے اللہ تعالیٰ میرے دین کے لیے۔

حَسْبِیَ اللّٰهُ لِمَا اَهَمَّنِیْ

کافی ہے اللہ تعالیٰ اُس کام کے لیے جو مجھے غم میں ڈالے۔

حَسْبِیَ اللّٰهُ لِمَنْ بَغٰی عَلَیَّ

کافی ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے جو مجھ پر بغاوت کرے۔

حَسْبِیَ اللّٰهُ لِمَنْ حَسَدَنِیْ

کافی ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے جو میرے ساتھ حسد کرے۔

حَسْبِیَ اللّٰهُ لِمَنْ کَادَنِیْ بِسُوْٓءٍ

کافی ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے جو میرے ساتھ برا ارادہ کرے۔

حَسْبِیَ اللّٰهُ عِنْدَ الْمَوْتِ

کافی ہے اللہ تعالیٰ میرے لیے موت کے وقت۔

حَسْبِیَ اللّٰهُ عِنْدَ الْمَسْاَلَةِ فِی الْقَبْرِ

کافی ہے اللہ تعالیٰ میرے لیے قبر میں سوال کرنے کے وقت۔

حَسْبِیَ اللهُ عِنْدَ الْمِیْزَانِ

کافی ہے اللہ تعالیٰ میرے لیے اعمال کے وزن کے وقت۔

حَسْبِیَ اللهُ عِنْدَ الصِّرَاطِ

کافی ہے اللہ تعالیٰ میرے لیے پُل صراط پر سے گذرنے کے وقت۔

حَسْبِیَ اللهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ

کافی ہے اللہ تعالیٰ میرے لیے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔(الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور: ٣٩٠/٢)

اللہ تعالیٰ ہمیں اس جملے کی خیر و برکات سے مالا مال فرمائیں۔

وصلى الله على النبي الكريم

مضمون:(۱۶)

شانِ اولیاء اللہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبة للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آله و أصحابه أجمعین أما بعد!

﴿ اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ ۝ لَهُمُ الۡبُشۡرٰى فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ‌ ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ‌ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۝ ﴾ [یونس: ۶۲، ۶۳، ۶۴]

اولیاء اللہ کون ہیں؟

یہ تین آیتیں سورۂ یونس کی ہے، ان آیتوں میں اولیاء اللہ کی تعریف بیان کی گئی ہیں۔ خلاق کون ومکاں نے اپنی تخلیقات میں انسان کو اشرف کے تاج سے نوازا۔ اسے بے شمار و بے مثال نعمتیں عطا کی گئیں۔ اسلامی تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ خالق کائنات نے مخلوق کی رہنمائی کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے انبیائے کرام کا سلسلہ جاری فرمایا۔ پھر اس سلسلۂ نبوت کو ہمارے آقا و مولا مدنی تاجدار خاتم الانبیا احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، مکمل ختم فرمادیا۔ اب سلسلۂ نبوت کو مہر لگ چکی ہے، تاقیامِ قیامت کوئی نبی و رسول آنے والا نہیں، لیکن لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے علمائے حق و اولیائے کرام پیدا ہوتے رہیں گے۔ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ مقبولانِ حق تعالیٰ ہوں گے، اس کی ذات وصفات کے عارف ہوں گے، اس کی عبادت وفرمانبرداری کے پابند رہیں گے، گناہوں سے بچیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انھیں اپنا قرب خاص عطا فرمائے گا۔ ان ہی مقدس و متبرک ذوات قدسیہ کو اولیاء اللہ کہتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی تعریف

اولیا ولی کی جمع ہے۔ ولی کے معنیٰ محب، دوست، مددگار، غالب، قریب، مالک، متصرف، مدبر، مقتدر وغیرہ آتے ہیں۔

بعض ائمۂ لغت کہتے ہیں کہ ولی کا مادہ ولاء ہے، جس کے معنیٰ ہیں دو چیزوں کا اس طرح قریب ہونا کہ اُن دونوں کے درمیان کوئی غیر نہ ہو۔

لفظ ''ولی'' عربی اعتبار سے ''فَعِیْلٌ'' کے وزن پر ہے۔ یہ وزن فاعل کے معنیٰ بھی بتلاتا ہے اور مفعول کے بھی یعنی قریب ہونے والا اور قریب کیا ہوا۔ اگر فاعل کا اعتبار کیا جائے تو معنیٰ ہوں گے قریب ہونے والا۔ اس صورت میں ولی کو ولی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے والا ہوتا ہے۔ اگر مفعول کا اعتبار کیا جائے تو معنیٰ ہوں گے قریب کیا ہوا۔ اس صورت میں ولی کو ولی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے قریب کیا ہوا ہوتا ہے۔ (تفسیر عرفان القرآن / ص: ۱۰۲۲)

ایک حدیث قدسی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اور جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر فرشتوں کی مجلس میں اسے یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے ایک بالشت قریب آتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب آتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کے

پاس دوڑ کر آجاتا ہوں۔(بخاری: کتاب التوحید/باب قول اللہ تعالیٰ ویحذر کم اللہ نفسہ/رقم الحدیث: ۷۴۰۵)

اولیاء اللہ کی علامات

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کی پہچان اور اُن کی علامات کیا ہیں؟ علما نے اولیاء اللہ کی کچھ علامات بیان فرمائی ہیں۔

پہلی علامت

اولیاء اللہ کی پہلی علامت ایمان ہے کہ وہ صاحبِ ایمان ہوں۔اُن کی ذہنی سوچ پختہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو کچھ لائے اس پر دل سے حق اور سچ ہونے کا یقین کریں۔ عقل و حواس سے ماورا جو حقائق کوئی نہ جانے اور اللہ کے بتانے سے صرف نبی جانے اور مخلوق کو بتائے، اس حقیقت کو سچ جانیں اور اس پر یقین کریں۔

دوسری علامت

اولیاء اللہ کی دوسری علامت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے والے ہوں۔اگر تارک سنت ہو کر ولایت اور بزرگی کا دعویٰ کوئی کر رہا ہے تو وہ کذاب اور دجال ہے،اس کی ولایت اور بزرگی معتبر نہیں۔عارف باللہ حضرت قاری صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بڑا مشہور ہے ؎

نبی کی سنتوں پر جو کوئی عامل نہیں ہوتا	وہ کچھ بھی کہہ رہا ہو اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا
کرشمے کچھ دکھائے یا ولی اس کو کہے کوئی	گروہ اولیا میں وہ کبھی شامل نہیں ہوتا

محقق ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا قیمتی ملفوظ

محقق ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں داہنے پیر سے مسجد میں داخل ہونا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، پس اگر کوئی سو مرتبہ ہوا میں اڑتا ہوا نظر آئے تو وہ اس شخص کے مقابلے میں کچھ نہیں جس نے ایک سنت پر عمل کیا۔ اس لیے کہ سنت پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں ترقی ہوتی ہے اور آدمی اللہ کا دوست بن جاتا ہے۔ ہوا میں اڑنے سے اللہ کے قرب میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا، چڑیا بھی ہوا میں اڑتی ہے۔ (نایاب موتی: ۱/ ۱۰۳)

اُس کی بزرگی کا کیا اعتبار!

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ کی شہرت سن کر زیارت کے لیے گئے۔ وہ بزرگ اتفاق سے گھر سے مسجد آرہے تھے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو قبلے کی جانب تھوکتے دیکھ لیا تو ملاقات کیے بغیر وہیں سے واپس آگئے کہ جس کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب کا لحاظ نہیں اس کی بزرگی کا کیا اعتبار؟ (نایاب موتی: ۱/ ۹۵)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ میں تھے، وہاں ان کو حکم ملا کہ غریبان ہند کی خبر لو۔ آپ مدینہ چھوڑ کر ہندوستان تشریف لائے۔ اب جس کسی کے بارے میں سنتے کہ وہ شیخ ہے تو اس کے پاس جاتے، ملاقات کرتے۔ ایک شیخ کی شہرت سنی تو تشریف لے گئے، اس سے ملاقات کی، وہاں دیکھا کہ شراب کی بوتل رکھی ہوئی ہے، اور وہ شیخ کہہ رہا ہے کہ بھائی یہ پی لو، انھوں نے کہا کہ اسلام میں شراب حرام ہے، میں نہیں پی سکتا۔ اس نے کہا کہ میں کہہ رہا ہوں کہ پی لو ورنہ افسوس کروگے۔ انھوں نے کہا کہ میں شریعت کے حکم پر عمل کر رہا

ہوں تو پچھتانا کیسے پڑے گا؟

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحب حضوری تھے، روزانہ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوتی تھی۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی مجلس منعقد ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں، ملاقات کے لیے جا رہے ہیں، جس کمرے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں اس دروازے پر وہ کھڑا ہے، ہاتھ میں عصا ہے، اور کہہ رہا ہے کہ آئیں گے تو ماروں گا، یہ گھبرائے کہ اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیسے ہوں؟ دروازے پر یہ موجود ہے۔

اگلے دن پھر واپس اس کے پاس گئے تو کہنے لگا کہ پی لو ورنہ پچھتانا پڑے گا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ یہ اس کا تصرف ہے، اب چاہے حضور سے ملاقات نہ ہو، مگر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو نہیں توڑوں گا، شریعت کا حکم نہیں ٹوٹنا چاہیے۔ اگلی شب پھر خواب دیکھا کہ آپ کی مجلس منعقد ہے، یہ حاضر ہونے جا رہے ہیں، دروازے پر وہ کھڑا ہے، پھر واپس ہو گئے۔ دن میں پھر اس کے پاس گئے تو دیکھا کہ شراب کی بوتل رکھی ہے، اور وہ کہہ رہا ہے کہ پی لو ورنہ پچھتانا پڑے گا، انھوں نے فرمایا کہ یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

تیسری شب پھر خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس منعقد ہے، یہ حاضر ہونے جا رہے ہیں، دروازے پر وہ کھڑا ہے، اندر سے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد فرما رہے ہیں کہ آج تیسری شب ہو گئی، عبدالحق کیوں نہیں آیا؟ انھوں نے باہر سے عرض کیا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں، لیکن یہ مجھے اندر آنے نہیں دیتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کون آنے نہیں دیتا؟ عرض کیا کہ یہی جو دروازے پر کھڑا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

بھگاؤ اس کو اور فرمایا کہ اے کتے! دور ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے بھگا دیا۔

اب دن ہوا یہ پھر اس کے یہاں پہونچے، سارے مرید ین بیٹھے ہیں شیخ کے انتظار میں۔فرمایا کہاں ہے تمھارا شیخ؟ لوگوں نے کہا بہت دیر ہوئی اندر سے نکلتے نہیں ہیں، فرمایا کہ اندر سے کسی کو نکلتے دیکھا؟ ہاں ایک کالا کتا یہاں سے بھاگا، چلو اندر جا کر دیکھیں، اندر جا کر دیکھا تو کوئی نہیں ہے، فرمایا کہ جو کتا بھاگ کر گیا وہی تمھارا شیخ تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا سے وہ کتا بن گیا۔ (عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں زیارت نبوی/ص: ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲)

تیسری علامت

اولیاء اللہ کی تیسری علامت یہ ہے کہ اُن کو دیکھ کر اللہ یاد آجائے۔

حضرت اسما بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کیا میں تم کو یہ نہ بتادوں کہ تم میں بہترین لوگ ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ضرور اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے۔ (ابن ماجۃ: کتاب الزھد/باب من لا یؤبہ لہ/رقم الحدیث: ۴۱۱۹)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ

ملک شام جہاں یہود کی بڑی آبادی تھی وہاں کے دو بڑے یہودی عالم کسی کام سے مدینہ منورہ آئے یہودیوں کے پاس۔ مدینہ منورہ میں بھی یہودیوں کی آبادی بہت تھی۔ جب وہ دونوں عالم پہلی مرتبہ مدینہ منورہ آئے اور مدینہ منورہ کی آبادی کو دیکھا تو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ ہم اپنی آسمانی کتابوں میں جو پڑھتے ہیں کہ جو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں گے، تو ان کا مولد اور جائے پیدائش ہوگی مکہ مکرمہ اور ان کی ہجرت گاہ ایسی بستی ہوگی جو نخلستان ہو،

جہاں کھجوروں کے باغات کثرت سے ہوتو وہ بستی یہی معلوم ہوتی ہے۔ اس دوران انھوں نے سنا کہ کوئی صاحب مکہ مکرمہ سے یہاں تشریف لائے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اللہ کا نبی ورسول بتلاتے ہیں۔ یہ دونوں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی تو ہیں نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ساری علامتیں ان میں موجود ہیں جو ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھی ہیں۔

اس کے بعد ان دونوں عالموں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ ہمارا ایک سوال ہے، اگر آپ ہمیں ٹھیک جواب دیں تو ہم مسلمان ہوجائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ پوچھو۔ انھوں نے کہا کہ قرآن کریم کی عظیم شہادت کون سی؟ تو اس پر حق تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ [آل عمران: ۱۸]

کہ حق تعالیٰ نے شہادت دی اس بات کی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دی فرشتوں نے اپنے افکار اور تسبیحات کی روشنی میں جو توحید سے لبریز ہیں اور شہادت دی اہل علم نے اپنی تحریرات وتقریرات کی روشنی میں جو انصاف اور اعتدال کے ساتھ نظام رکھنے والا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، بلاشبہ وہ زبردست حکمت والا ہے۔ (معارف القرآن: ۲/ ۳۵)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا تبصرہ

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑے، اور کہنے لگے: اللہ کے رسول آ گئے، اللہ کے رسول

آ گئے، اللہ کے رسول آ گئے، چناں چہ میں بھی لوگوں کے ساتھ آیا تا کہ آپ کو دیکھوں، پھر جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک اچھی طرح دیکھا تو پہچان گیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا، اور سب سے پہلی بات جو آپ نے کہی وہ یہ تھی کہ اے لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور رات میں جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھو، تم لوگ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل جاؤ گے۔ (ترمذی: أبواب صفة القيامة و الرقائق و الورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/باب/رقم الحديث: ۲۴۸۵)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

مولانا محمد انوری لائل پوری اپنی تالیف ''انوار انوری'' میں لکھتے ہیں کہ ایک بار صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں تشریف فرما تھے۔ تلامذہ اور معتقدین کا ہجوم اردگرد جمع تھا۔ اسی اسٹیشن کا ہندو اسٹیشن ماسٹر ہاتھ میں بڑا لیمپ لیے ہوئے ادھر سے گذرا۔ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ پر نظر پڑی تو رک گیا اور غور سے دیکھتا رہا، پھر بولا کہ جس مذہب کا یہ عالم ہے وہ مذہب کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اسی وقت اس نے حضرت کے ہاتھ پر کفر سے توبہ کی اور ایمان کی دولت سے سرفراز ہوا۔ اسی طرح کا واقعہ پنجاب میں بھی پیش آیا تھا کہ آپ کے منور چہرہ کو دیکھ کر چند ہندوؤں نے ایک ساتھ ایمان قبول کرلیا تھا دوسرے ہندوؤں نے جب ان سے کہا کہ تم اپنے آباؤ اجداد کے دین سے کیسے نکل گئے ہو؟ ان لوگوں نے مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے کی طرف اشارہ کیا اور کہنے لگے کہ ذرا اس شخص کے چہرے کو دیکھو، یہ چہرہ کسی جھوٹے انسان کا نہیں ہو سکتا۔ (انوار انوری/ص: ۸۵)

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں اپنی ذات سے متعلق ایک بڑا دلچسپ واقعہ ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر سے واپسی پر جب میں ریل گاڑی سے اترا تو سخت پیاس محسوس ہوئی۔ سخت گرمی کا موسم تھا، پلیٹ فارم کے کنارے ایک سکھ کی دکان تھی جس میں مختلف رنگ کے شربت تھے۔ میں دکان پر گیا اور ایک بوتل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے وہ فلاں شربت دے دو، سکھ نے مجھے اوپر سے نیچے تک بڑی غور سے دیکھا اور سخت انداز میں بولا: جاؤ یہاں سے! کوئی شربت وربت نہیں ملے گا۔ مجھے بڑا غصہ آیا کہ پیسے دے کر لے رہا ہوں، کوئی فری کا تھوڑی مانگ رہا ہوں۔ یہ سکھ بڑا حاسد قسم کا ہے۔ میں باہر آ گیا۔ جو صاحب مجھے لینے آئے تھے، میں نے یہ واقعہ ان سے نقل کیا کہ وہ سکھ تو بڑا حاسد ہے، مجھے پیاس لگی ہے اور اس نے شربت دینے سے انکار کر دیا۔ وہ صاحب مسکرایا اور کہا کہ حضرت! وہ شربت کی دکان نہیں، شراب کی دکان تھی۔ یہ سن کر میں نے آسمان کی طرف چہرا کیا اور کہا الحمدللہ یا میرے اللہ! تو نے مجھے آج بچا لیا، ورنہ اگر ایک گھونٹ بھی پی لیتا تو میرا کیا ہوتا؟ اور دل ہی دل میں اس سکھ بے چارے کا بہت شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے شریف آدمی سمجھ کر دینے سے انکار کر دیا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے پیارو! تم اگر متقیوں کی سی شکل ہی اختیار کر لو تو بہت سارے خرافات سے بچ جاؤ گے۔ (آپ بیتی)

چوتھی علامت

اولیاء اللہ کی چوتھی علامت یہ ہے کہ وہ صاحب تقویٰ ہو۔ اگر اُس کے پاس تقویٰ نہیں تو وہ ولی کہلانے کا مستحق نہیں۔ علما نے نیک بندوں کی چار صفات بیان فرمائی ہیں۔

(۱) اُس کے اور اللہ کے درمیان تقوے کا معاملہ ہو۔

(۲) اُس کے اور لوگوں کے درمیان تواضع کا معاملہ ہو۔

(۳) اُس کے اور دنیا کے درمیان زہد کا معاملہ ہو۔

(۴) اُس کے اور نفس کے درمیان مجاہدے کا معاملہ ہو۔ (اللہ والوں کی مقبولیت کا راز ص:۲۹)

حصول ولایت کے نسخے

اب ایک سوال ہوتا ہے کہ ولایت کیسے نصیب ہوگی؟ ہم اللہ کے ولی کیسے بن سکتے ہیں؟ علما نے حصول ولایت کے کچھ نسخے بیان فرمائے ہیں۔

پہلا نسخہ

حصول ولایت کا پہلا نسخہ ہے اہل اللہ کی صحبت۔

صحبت صالحین کی ایک مثال

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ جب کار چلتی ہے تو ڈرائیور کا پاؤں اس کی بریک پر ہوتا ہے اور اس کے کان (ہینڈل) اس کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں پھر کار ٹھیک ٹھیک چلتی ہے اور ٹکر نہیں مارتی۔ اسی طرح جب مرید کی گردن پر شیخ کا پاؤں ہوتا ہے اور اس کے کان اس کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں تو وہ مرید بھی ٹھیک ٹھیک چلتا ہے اور اگر کار پر ڈرائیور نہ ہو تو سیدھے راستے پر تو چلے گی مگر جہاں چوراہا آئے گا وہاں ٹکر کھائے گی۔ اسی طرح جتنے گمراہ فرقے پیدا ہوئے ان کے بانی سب اہل علم

ہیں۔لیکن سب کے سب بدون شیخ اور رہبر کے ہیں۔پس شروع شروع میں تو ٹھیک چلتے ہیں لیکن جب موڑ یا چوراہا آتا ہے وہ بھٹک جاتے ہیں اور عجب و کبر میں مبتلا ہوکر کسی کی سنتے بھی نہیں ہیں۔(معارف الابرار:۱۷۳)

حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ نے صحبت صالحین کی ایک اور شاندار مثال بیان فرمائی کہ (پنکھے کا) ریگولیٹر ہم کو ایک سبق دیتا کہ اس میں پانچ نمبر ہوتے ہیں۔ایک پر پنکھا چلے گا ہلکا، دو پر اس سے زیادہ، تین پر اور زیادہ، چار اور پانچ پر بہت تیز چلے گا،تو یہ فرق کیوں؟اس لیے کہ ہر نمبر پر پنکھے کا تعلق بجلی سے اسی لحاظ سے ہوتا ہے،کم نمبر پر تعلق کم ہوتا ہے،اس لحاظ سے وہ چلتا ہے اور زیادہ نمبر پر تعلق زیادہ ہوتا ہے،اسی لحاظ سے چلتا ہے،تو پنکھے کا تعلق بجلی سے جتنا ہوگا اسی رفتار سے وہ چلے گا۔

اسی طرح انسان کا تعلق اپنے مرکز اور شیخ واستاذ سے جتنا ہوگا اسی نوع کا فائدہ بھی ہوگا تعلق کمزور ہوگا تو فائدہ کم ہوگا اور تعلق قوی اور زیادہ ہوگا تو نفع بھی اسی لحاظ سے ہوگا۔اور یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ بعض لوگوں کا تعلق بزرگوں سے ہوتا ہے،مگر ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔تو بات یہی ہے کہ ان کا تعلق کمزور معلوم ہوتا ہے۔بس جیسا تعلق ہے اسی طرح کا اثر ہے۔(معارف الابرار ص:۱۸۹،۱۹۰)

دوسرا نسخہ

حصول ولایت کا دوسرا نسخہ ہے ذکر اللہ پر مداومت۔

کیا وہ بندے تھے!

دہلی میں دو شخص تھے۔ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی تھے۔ دونوں میں سے ایک بیعت تھا حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور دوسرا بیعت تھا قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لے گئے، تو کھانے کے لیے حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیٹھے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ پر تبلیغ کے غلبے کا حال یہ تھا کہ نوالہ ہاتھ میں لیتے ہوئے بھی ایک دو منٹ تبلیغ کی باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اب جو شخص حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھا وہ اپنے خالہ زاد بھائی سے جو کہ بیعت تھا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری سے کہنے لگا کہ دیکھ تیرے پیر صاحب تو کھانے میں لگے ہیں اور میرے پیر صاحب کھاتے ہوئے بھی تبلیغ کی باتیں کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھ لیا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کھانے سے فارغ ہوئے اور ہاتھ دھونے کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت مولانا الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید سے خطاب کر کے کہنے لگے کہ ارے! تم کیا جانتے ہو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو، میں نے تو ان کے حجرے کی دیواروں کو بھی ذکر کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اللہ اکبر! کیا وہ بندے تھے کہ جن کے حجرے کی دیواریں بھی ذکر کیا کرتی تھیں اور کیا وہ بندے تھے جن کی آنکھیں اس کا مشاہدہ کرلیا کرتی تھیں۔ (خطبات محمود ۳/ ۷۹، ۸۰)

تیسرا نسخہ

حصول ولایت کا تیسرا نسخہ ہے گناہوں سے اجتناب۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے، پھر جب وہ گناہ کو چھوڑ دیتا ہے اور استغفار اور توبہ کرتا ہے تو اس کے دل کی صفائی ہوجاتی ہے (سیاہ دھبہ مٹ جاتا ہے) اور اگر وہ گناہ دوبارہ کرتا ہے تو سیاہ نکتہ مزید پھیل جاتا ہے یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتا ہے اور پورا دل سیاہ ہوجاتا ہے۔

(ترمذی: أبواب التفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم / باب سورۃ المطففین / رقم الحدیث: ۳۳۳۴)

چوتھا نسخہ

حصول ولایت کا چوتھا نسخہ ہے اسباب گناہ سے دوری۔ حدیث شریف میں اس کی ایک بہترین مثال بیان فرمائی گئی ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، جب کہ ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں۔ بہت سے لوگ انھیں نہیں جانتے، پس جو شخص شبہات سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا، اور جو شخص شبہات میں مبتلا ہوگیا تو وہ حرام میں مبتلا ہوگیا، جیسے وہ چرواہا جو چراگاہ کے آس پاس چراتا ہے، تو قریب ہے کہ وہ اس (چراگاہ) میں چرائے گا، سن لو! بے شک ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے، سن لو! بے شک اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں: سن لو! جسم میں ایک لوتھڑا ہے، جب وہ درست ہوجاتا ہے تو سارا جسم درست ہوجاتا ہے، اور جب وہ خراب ہوجاتا ہے تو سارا جسم خراب ہوجاتا ہے، یاد رکھو! وہ دل ہے۔ (أبوداود: کتاب البیوع والإجارات / باب فی اجتناب الشبہات / رقم الحدیث: ۳۳۲۹)

پانچواں نسخہ

حصول ولایت کا پانچواں نسخہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریقوں کی پابندی۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عمل کے بغیر ولایت کا دعویٰ جھوٹ پر مبنی ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قیمتی ملفوظ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

إن السنة مثل سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها غرق

کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنتوں کی مثال حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی کشتی کی مانند ہے کہ جو اس میں سوار ہو گیا اور اس نے نجات پائی اور جو سوار نہ ہوا تو وہ غرق ہو گیا۔ اسی طرح جو اتباع سنت کی کشتی میں سوار ہو گا وہ نجات پائے گا اور جو اتباع سنت کی کشتی میں سوار ہونے سے اعراض کرے گا وہ ہلاک و برباد ہو جائے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۴۵۲)

اولیاء اللہ کو کیا فوائد ملتے ہیں؟

(۱) اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ غم۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے اور حزن کا تعلق ماضی سے ہے۔ (معارف القرآن: ۴/ ۵۴۷)

(۲) دوسرا اثر لوگوں میں محبوبیت اور مقبولیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت رکھو، چناں چہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے محبت رکھنے لگتے ہیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام اہل آسمان کو پکار دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت رکھتا ہے، اس لیے تم سب لوگ اس سے محبت رکھو، چناں چہ

تمام آسمان والے اس سے محبت رکھنے لگتے ہیں۔اس کے بعد روئے زمین والے بھی اس کو مقبول سمجھتے ہیں۔(بخاری: کتاب التوحید/باب کلام الرب مع جبرئیل و نداء اللہ الملائکۃ/رقم الحدیث: ۷۴۸۵)

(۳) تیسرا فائدہ بشارت ہے۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ [یونس: ۶۴]

بشارت سے مراد کیا ہے؟

آیت مذکورہ میں بشارت جو اولیاء اللہ کو ملتی ہے اُس سے مراد کیا ہے؟ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ [یونس: ۶۴]

کے متعلق سوال کیا۔ ان کے لیے دنیا کی زندگی اور آخرت میں خوشخبری ہے۔ کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اچھے خواب ہیں جنھیں مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے لیے کوئی اور دیکھتا ہے۔(ترمذی: أبواب الرؤیا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب قولہ: لهم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا/رقم الحدیث: ۲۲۷۵)

(۴) چوتھا فائدہ ہے آخرت میں مقام کی بلندی۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو انبیا و شہدا تو نہیں ہوں گے، لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو مرتبہ انھیں ملے گا اس پر انبیا اور شہدا رشک کریں گے۔لوگوں نے پوچھا کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ ہمیں بتائیں وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایسے لوگ ہوں گے جن میں آپس

میں خونی رشتہ تو نہ ہوگا اور نہ مالی لین دین اور کاروبار ہوگا لیکن وہ اللہ کی ذات کی خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہوں گے، قسم اللہ کی، ان کے چہرے (مجسم) نور ہوں گے، وہ خود پرنور ہوں گے انھیں کوئی ڈر نہ ہوگا جب کہ لوگ ڈر رہے ہوں گے، انھیں کوئی رنج وغم نہ ہوگا جب کہ لوگ رنجیدہ وغمگین ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○﴾ [یونس: ۶۲]

یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ (أبو داود: کتاب الإجارۃ/باب فی الرھن/رقم الحدیث: ۳۵۲۷)

اولیاء اللہ کو مت ستاؤ

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہو گیا کہ اولیاء اللہ کا کیا مقام ومرتبہ ہے۔ لہٰذا ہمیں اُن کے مقام کو پہچان کر اُن کی قدر کرنی چاہیے اور اُن کی بے ادبی سے بچنا چاہیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحتیں یاد کر کے حضرت معاذ کا رونا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں تشریف لے گئے تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر روتا ہوا پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ (کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی رلا رہی ہے یا کسی آفت ومصیبت کے پیش آجانے کی وجہ سے رو رہے ہو یا ان کے علاوہ کسی اور سبب نے تمھیں رونے پر مجبور کر دیا ہے؟) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے ایک بات کی یاد نے رلا دیا ہے جس کو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے

سنا ہے کہ تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے۔ (نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ) جس شخص نے اللہ کے دوست سے دشمنی اختیار کی (یعنی اولیاء اللہ کو اپنے کسی قول و فعل سے ناحق تکلیف پہنچائی یا ان کو غصہ دلایا) تو اُس نے گویا اللہ سے مقابلہ کیا اور اس کے ساتھ جنگ کی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نیکوکاروں، پرہیز گاروں اور گمناموں کو دوست رکھتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں (جن کی ظاہری حالت تو اتنی خستہ اور عام نگاہوں میں اس قدر نا قابل توجہ ہوتی ہے) کہ جب وہ نظروں سے غائب ہوں تو ان کو پوچھا نہ جائے اور جب موجود ہوں تو ان کو کسی دعوت و مجلس میں بلایا نہ جائے۔ اور اگر وہ بلائے بھی جائیں تو پاس نہ بٹھائے جائیں۔ (لیکن باطنی و روحانی طور پر ان کا مقام بہت بلند ہوتا ہے) ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں (جن کے نور سے راہ راست پائی جاتی ہے) اور یہ لوگ ہر تاریک زمین سے نکل کر آتے ہیں۔ (ابن ماجہ: کتاب الفتن / باب من ترجی لہ السلامۃ من الفتن / رقم الحدیث: ۳۹۸۹)

ایک حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب

جو میرے ولی سے عداوت رکھے گا میرا اُس سے اعلان جنگ ہے۔ (بخاری: کتاب الرقاق / باب لاتواضع / رقم الحدیث: ۶۵۰۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نعش کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا

دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین میں سے ایک شخص نے قسم کھائی کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں گے تو میں ان کے چہرے پر تھپڑ ماروں گا۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد میں اپنے دوست کے ساتھ ان کے گھر گیا۔ اس

وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سران کی بیوی کے گود میں تھا۔ میرے دوست نے ان سے کہا کہ اُن کے چہرے سے کپڑا ہٹاؤ۔ اس نے وجہ پوچھی تو میں نے کہا میں ان کے چہرے پر تھپڑ مارنا چاہتا ہوں۔ تو اس نے کہا تمھیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وعیدیں یاد نہیں ہیں؟ پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل کا تذکرہ کرنے لگی۔ وہ کہتا ہے کہ میرا دوست یہ سن کر شرمسار ہوا اور واپس چلا گیا۔ میں نے پھر بھی اس سے کہا ان کے چہرے سے کپڑا ہٹاؤ۔ اس پر وہ مجھے برا بھلا کہتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی۔ پھر میں نے عثمان کے چہرے پر تھپڑ مادیا۔ تو وہ کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ خشک کرے، تجھے اندھا کردے اور تجھے کبھی معاف نہ کرے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا کی قسم! میں ابھی ان کے گھر سے نکلا بھی نہیں تھا کہ میرے ہاتھ سوکھ گئے، میں نابینا ہوگیا اور اب میرا نہیں خیال کہ مجھے اللہ تعالیٰ معاف کرے گا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کعبہ کا طواف کرتا اور اللہ تعالیٰ سے سزا کا خواستگار ہوتا تھا۔ وہ اندھا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اے اللہ مجھے بخش دے۔ (تاریخ دمشق لإبن عساکر: ۳۹/۴۴۷)

قاتل حسین کا عبرتناک انجام

عمارہ بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب عبیداللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لائے گئے اور کوفہ کی ایک مسجد میں انھیں ترتیب سے رکھ دیا گیا اور میں وہاں پہنچا تو لوگ یہ کہہ رہے تھے: آیا آیا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سانپ سروں کے بیچ سے ہو کر آیا اور عبیداللہ بن زیاد کے دونوں نتھنوں میں داخل ہوگیا اور تھوڑی دیر اس میں رہا پھر نکل کر چلا گیا، یہاں تک کہ غائب ہوگیا، پھر لوگ کہنے لگے کہ آیا آیا، اس طرح دو یا تین بار ہوا۔ (ترمذی: أبواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب/رقم الحدیث: ۳۷۸۰)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی گستاخی کرنے والا

اہل کوفہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر فاروق سے شکایت کی۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا حاکم بنایا، تو کوفہ والوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق یہاں تک کہہ دیا کہ وہ تو اچھی طرح نماز بھی نہیں پڑھا سکتے۔ چناچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلا بھیجا۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ اے ابواسحاق! ان کوفہ والوں کا خیال ہے کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھا سکتے ہو۔ اس پر آپ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں تو انھیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی طرح نماز پڑھاتا تھا، اس میں کوتاہی نہیں کرتا عشا کی نماز پڑھاتا تو اس کی دو پہلی رکعات میں قرآت لمبی کرتا اور دوسری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابواسحاق! مجھ کو تم سے امید بھی یہی تھی۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک یا کئی آدمیوں کو کوفہ بھیجا۔ قاصد نے ہر ہر مسجد میں جا کر ان کے متعلق پوچھا۔ سب نے آپ کی تعریف کی، لیکن جب مسجد بنی عبس میں گئے تو ایک شخص جس کا نام اسامہ بن قتادہ اور کنیت ابوسعدہ تھی کھڑا ہوا۔ اس نے کہا کہ جب آپ نے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا ہے تو سنیے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نہ فوج کے ساتھ خود جہاد کرتے تھے، نہ مال غنیمت کی تقسیم صحیح کرتے تھے اور نہ فیصلے میں عدل وانصاف کرتے تھے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں تمھاری اس بات پر تین دعائیں کرتا ہوں: اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور صرف ریا و نمود کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر دراز کر اور اسے خوب محتاج بنا اور اسے فتنوں میں مبتلا کر۔ اس کے بعد وہ شخص اس

درجہ بدحال ہوا کہ جب اس سے پوچھا جاتا تو کہتا کہ ایک بوڑھا اور پریشان حال ہوں مجھے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا لگ گئی۔ عبدالملک نے بیان کیا کہ میں نے اُسے دیکھا اس کی بھویں بڑھاپے کی وجہ سے آنکھوں پر آ گئی تھی، لیکن اب بھی راستوں میں وہ لڑکیوں کو چھیڑتا تھا۔

(بخاری: کتاب الأذان/باب وجوب القراءة للإمام والمأموم/رقم الحدیث: ۷۵۵)

حجاج بن یوسف کا انجام

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں ہشام بن حسان سے نقل کیا ہے کہ حجاج نے ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کو قتل کیا ہے، اس کے جیل خانوں میں ایک ایک دن میں اسی اسی ہزار قیدی بیک وقت رہے ہیں، جن میں تیس ہزار عورتیں ہوتی تھیں۔ اس نے جو آخری قتل کیا ہے وہ عظیم تابعی اور زاہد و پارسا انسان حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قتل تھا۔ انھیں قتل کرانے کے بعد حجاج پر وحشت سی سوار ہوگئی تھی۔ وہ نفسیاتی مریض بن چکا تھا، جب وہ سوتا تھا تو حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اس کا دامن پکڑ کر کہتے تھے: اے دشمن خدا! آخر تو نے مجھے کیوں قتل کیا، میرا کیا جرم تھا؟ جواب میں حجاج کہتا تھا مجھے اور سعید کو کیا ہو گیا ہے، مجھے اور سعید کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ وہ اندر کی آگ تھی جو بھڑک اٹھتی ہے تو امن وسکون سب کچھ راکھ کر دیتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ حجاج کو وہ بیماری لگ گئی تھی، جسے زمہریری کہا جاتا ہے۔ سخت سردی کلیجے سے اٹھ کر سارے جسم پر چھا جاتی تھی اور وہ کانپتا جاتا تھا، آگ سے بھری ہوئی انگیٹھیاں اس کے پاس لائی جاتیں اور اس قدر قریب رکھ دی جاتیں کہ اس کی کھال جل جاتی، مگر اسے احساس نہیں ہوتا تھا۔ حکیموں کو بلایا تو انھوں نے بتایا کہ پیٹ میں سرطان (کینسر) ہے۔ ایک طبیب نے گوشت کا ٹکڑا لیا اور اسے دھاگے کے ساتھ باندھ کر حجاج کے حلق میں

اتار دیا، تھوڑی دیر کے بعد دھاگے کو کھینچا تو اس گوشت کے ٹکڑے کے ساتھ بہت سارے کیڑے لپٹے ہوئے تھے۔

حجاج جب مادی تدبیروں سے مایوس ہو گیا، تو اس نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو بلوایا اور ان سے دعا کی درخواست کی، وہ آئے اور حجاج کی حالت دیکھ کر رو پڑے اور فرمانے لگے کہ میں نے تجھے منع کیا تھا کہ نیک بندوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کرنا، انھیں تنگ نہ کرنا، ان پر ظلم نہ کرنا مگر تو باز نہ آیا۔

آج حجاج باعث عبرت بنا ہوا تھا۔ وہ اندر سے بھی جل رہا تھا اور باہر سے بھی جل رہا تھا۔ وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ چناں چہ وہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کرنے کے بعد زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکا اور صرف چالیس دن کے بعد وہ بھی دنیا سے رخصت ہو گیا، مگر حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ اور حجاج کی موت میں بڑا فرق تھا۔ حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ کو شہادت کی موت نصیب ہوئی، وہ ایسی آن بان سے دنیا سے رخصت ہوئے کہ بعد میں آنے والے مجاہدین کے لیے ایک سنگ میل قائم کر گئے۔ وہ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کا دل مطمئن تھا اور چہرے پر تبسم تھا، لیکن حجاج جب دنیا سے جا رہا تھا، اندر کی آگ میں جل رہا تھا۔ چہرے پر ندامت کی ظلمت تھی، اسے اس کا ایک ایک ظلم یاد آ رہا تھا۔

حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت پر تمام صلحا اور علما افسردہ تھے، لیکن حجاج کی موت پر خدا کے نیک بندوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے حجاج کی موت کی خبر سنی تو خوشی سے رو پڑے، مرنے کے بعد اس ڈر سے اس کی قبر کے تمام نشانات مٹا دیے گئے، تاکہ لوگ اس کی لاش کو باہر نکال کر جلا نہ ڈالیں۔ یہ اندیشے اس شخص کی قبر کے بارے

میں ہو رہے تھے جس کے سامنے اس کی زندگی میں لوگ کھڑے ہوتے تھے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور لوگ اس کے ڈر سے دیوانے بن جایا کرتے تھے۔(الحجاج بن یوسف الثقفي مواقف من حیاته دماء وعطاء/ص:۱۲۷، ۱۲۸)

ایک بزرگ کی گستاخی سے مرتد ہو گیا

مشہور عالم علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتاوی حدیثیہ“ میں نقل کیا ہے کہ ابن السقاء نام کا ایک شخص جس نے علوم اسلامیہ میں زبردست مہارت حاصل کر کے فرق باطلہ سے بحث و مناظرے کا ملکہ حاصل کر لیا تھا، اپنی علمی صلاحیت کی وجہ سے اس کو خلیفۃ المسلمین کا تقرب حاصل ہوا، اور خلیفہ نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے بادشاہِ روم کے دربار میں اسے اپنی حکومت کا سفیر بنا کر بھیج دیا۔ رومی بادشاہ نے اس کے اعزاز میں بڑے بڑے امراء اور عیسائیوں کے مذہبی پیشواؤں اور پادریوں کی ایک عظیم مجلس منعقد کی، جس میں عقائد پر بحث کے دوران ابن السقاء نے ایسی مدلل گفتگو کی کہ سارے حاضرین پر سناٹا چھا گیا اور کسی سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ عیسائی بادشاہ کو مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر سخت ناگواری ہوئی اور اس نے ابن السقاء کو شیشے میں اتارنے کے لیے خلوت میں اس کے سامنے اپنی حسین و جمیل بیٹی کو پیش کیا، ابن السقاء نے اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر بادشاہ سے اس سے نکاح کی درخواست کی، بادشاہ نے یہ شرط لگائی کہ اگر تو عیسوی مذہب قبول کر لے تو نکاح ممکن ہے۔

چناں چہ وہی ابن السقاء جس نے بادشاہ کی مجلس میں عیسوی مذہب کے تارو پود بکھیر کر عیسائیوں کو لاجواب ہونے پر مجبور کر دیا تھا، محض ایک لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو کر عیسوی مذہب قبول کر کے مرتد ہو گیا اور اسی ارتدادی حالت میں جہنم رسید ہوا۔(أعاذنا الله منه)

کہتے ہیں کہ ابن السقاء نے شروع طالب علمی کے زمانے میں ایک بڑے بزرگ کی شان میں گستاخی کرنے اور انھیں ذلیل کرنے کا ارادہ کیا تھا، اور اُن بزرگ نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ میں تجھ کو جہنم میں جلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ (اللہ سے شرم کیجیے/ص:۲۳۵،۲۳۶)

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نیک بندوں کی قدر کرنے کی اور ان سے محبت رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور اُن کی شانِ رفعت میں ادنیٰ گستاخی و بے ادبی سے ہم سب کی کامل حفاظت فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ علی النبي الکریم

مضمون: (۱۷)

مقبولیت کا معیار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَہٗ ؕ مَا عَلَیۡکَ مِنۡ حِسَابِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ وَّمَا مِنۡ حِسَابِکَ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَتَطۡرُدَہُمۡ فَتَکُوۡنَ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ۝﴾ [الانعام: ۵۲]

مذکورہ آیت کا شان نزول

یہ سورۂ انعام کی ۵۲ نمبر کی آیت ہے۔ اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے نہ نکالیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

مذکورہ آیت کے متعلق حضرات مفسرین کرام نے ایک مخصوص واقعہ نقل کیا ہے۔

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ مکہ کے آسودہ حال مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ اعتراض بھی کرتے تھے کہ آپ کے اردگرد غریب اور کمتر اور پست حیثیت کے لوگ جمع رہتے ہیں، اس لیے ہم آپ کی مجلس میں شریک نہیں ہوتے۔ اُن کے مطابق ایسی مجلس میں جانا ان کی توہین کے مترادف تھا۔ لہٰذا ان کا مطالبہ یہ تھا کہ ہم آپ کی بات سننے کے لیے اس وقت آپ کے پاس آسکتے ہیں جب کہ آپ صہیب، عمار اور عبداللہ بن مسعود جیسے نادار لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیا کریں۔ (مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم/ باب فی فضل سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ/ رقم الحدیث: ۲۴۱۳)

ہر دور میں باطل کا مطالبہ

ہر دور میں امرا نے اپنے آپ کو اعلیٰ وارفع مخلوق سمجھ کر چھوٹے درجے کے لوگوں سے میل ملاپ ترک کر رکھا تھا۔ یہی حال مشرکین مکہ کا تھا، انھوں نے ایک مطالبہ یہ بھی کیا تھا کہ جب ہم آپ کے پاس آئیں تو ان چھوٹے لوگوں کو مجلس سے اٹھا دیا کریں۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ سے زیادہ لوگوں کے ایمان لانے پر بہت حریص تھے، اس لیے کسی وقت آپ کے دل میں یہ خیال بھی آیا کہ اپنے تو اپنے ہی ہیں، اگر دوسرے لوگوں کو تبلیغ کرنے کی خاطر ان کو تھوڑی دیر کے لیے مجلس سے علیحدہ بھی کر دیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ بڑے بڑے رؤسا ایمان لے آئیں اور ان کے پیچھے اور بھی بہت سے لوگ آجائیں اور اس طرح دین کو تقویت حاصل ہوجائے، مگر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو نہ دھکیلیں یعنی اپنے آپ سے دور نہ کریں جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ان کا مکمل ایمان ہے اور وہ نہایت خلوص کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ (معارف القرآن: ۳/ ۳۳۵)

ہرقل کا تبصرہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی دعوت پر ہرقل قیصر روم کو بھی خط لکھا تھا۔ جب یہ خط قیصر کے پیش ہوا تو اس نے حکم دیا کہ اگر عرب کا کوئی شخص مل جائے تو حاضر کیا جائے۔ ان دنوں غزہ میں ابوسفیان کی قیادت میں قریش مکہ کا ایک تجارتی قافلہ مقیم تھا۔ چناں چہ ابوسفیان کو ہرقل کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور ہرقل نے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق مختلف سوال کیے۔ جن میں ایک سوال یہ تھا کہ جس مدعی نبوت کا خط مجھے پہنچا ہے اس کے اولین متبعین کمزور لوگ ہیں یا با اثر شخصیتیں؟ تو ابوسفیان نے کہا کہ نادار اور کمزور لوگ ہیں۔ اس پر ہرقل پکار اٹھا کہ ابتدا میں

نبیوں کے پیروکار ہمیشہ ضعیف لوگ ہی ہوتے ہیں۔ بڑے لوگ اس وقت ایمان لاتے ہیں جب ان کے لیے کوئی دوسرا راستہ نہیں رہتا۔(بخاری: باب كيف كان بدء الوحي إلى الله و رسوله صلى الله عليه وسلم/ رقم الحديث: ٦)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو شفقت آمیز تنبیہ

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بعض روسائے مشرکین کو سمجھا رہے تھے، بعض روایات میں ان میں سے بعض کے نام بھی آئے ہیں۔ ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، ابی بن خلف، امیہ بن خلف، شیبہ کہ اتنے میں نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور کچھ پوچھا، یہ قطع کلام آپ کو ناگوار ہوا اور آپ نے ان کی طرف التفات نہیں کیا، اور ناگواری کی وجہ سے آپ چیں بہ جبیں ہوئے، جب اس مجلس سے اٹھ کر گھر جانے لگے تو آثار وحی کے نمودار ہوئے اور یہ آیتیں نازل ہوئی:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝﴾ [عبس: ۱، ۲]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس بات پر ایک نابینا ان کے پاس آیا۔(ترمذی: أبواب تفسير القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: باب ومن سورة عبس: ۳۳۳۱)

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان غربا وفقرا کا کیا مقام ہے۔

اللہ تعالیٰ کس چیز کو دیکھتا ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور تمھارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تو تمھارے دلوں اور

تمھارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔ (مسلم: کتاب البر و الصلۃ و الآداب/ باب تحریم ظلم المسلم/ رقم الحدیث: ۲۵۶۴)

معلوم ہوا مقبولیت کا مدار صورت پر نہیں، بلکہ سیرت پر ہے۔

حضرت لقمان کی بدصورتی اور اُن کا مقام

جن حضرات کے نبی ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہیں، اُن میں ایک نام حکیم لقمان کا بھی ہے۔ راجح یہی ہے کہ وہ نبی نہیں تھے، البتہ ولی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، حق جل شانہ نے انھیں حکمت و دانائی کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ اُن کا تعلق سوڈان کے نوبی قبیلے سے تھا، پستہ قد، بھاری بدن اور سیاہ رنگ تھا۔ ہونٹ موٹے اور ہاتھ پیر بھدے تھے، مگر نہایت عابد، زاہد، صاحب حکمت و دانا تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت داود علیہ السلام نے آپ کو عہدۂ قضا پر مأمور کیا تھا۔ (قصص القرآن: ۳/۳۶)

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لقمان حبشی غلام تھے اور نجاری کا پیشہ کرتے تھے۔ (قصص القرآن: ۳/۳۷)

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا مقام

حضرت بلال رضی اللہ عنہ صورت ظاہری کے لحاظ سے تو ایک سیاہ فام حبشی تھے، تاہم آئینۂ دل شفاف تھا، اس کو ضیائے ایمان نے اس وقت منور کیا، جب کہ وادیٔ بطحا کی اکثر گوری مخلوق غرورِ حسن و زعمِ شرافت میں ضلالت و گمراہی کی ٹھوکریں کھا رہی تھی، جن معدودے چند بزرگوں نے داعیِ حق کو لبیک کہا تھا اُن میں صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جن، میں ایک یہ غلام حبشی حضرت بلال بھی تھے۔ (ابن ماجۃ: المقدمۃ/ باب فی فضائل

اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم/فضل سلمان و أبی ذر و المقداد/رقم الحدیث: ۱۵۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے بلال! بیان کر مجھ سے وہ عمل جو تو نے کیا ہے اسلام میں جس کے فائدے کی تجھے زیادہ امید ہے؟ اس لیے کہ میں نے آج کی رات تیرے جوتوں کی آواز سنی اپنے سامنے جنت میں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے کوئی عمل اسلام میں جس کے نفع کی امید بہت ہو اس سے زیادہ نہیں کیا، میں جب پورا وضو کرتا ہوں کسی وقت میں رات یا دن کو تو اس وضو سے نماز پڑھتا ہوں جتنی اللہ عزوجل نے میری قسمت میں لکھی ہے۔ (ترمذی: أبواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب/رقم الحدیث: ۳۶۸۹)

حضرت سعد اسود رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت سعد اسود رضی اللہ عنہ کا اصل نام تو سعد تھا، لیکن ان کی غیر معمولی سیاہ رنگت کی وجہ سے لوگ ان کو ''سعد الاسود'' یا ''اسود'' کہا کرتے تھے۔ حضرت سعد اسود رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نکاح کرنا چاہتا ہوں، لیکن کوئی شخص میری بدصورتی کے سبب مجھ کو رشتہ دینے پر راضی نہیں ہوتا۔ میں نے بہت سے لوگوں کو پیام دیے لیکن سب نے رد کر دیے۔ ان میں سے کچھ یہاں موجود ہیں اور کچھ غیر حاضر ہیں۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ اس سیاہ فام شخص کو اللہ تعالیٰ نے نورانی جبلت عطا کی ہے اور جوشِ ایمان اور اخلاص فی الدین کے اعتبار سے اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا رحمت تھے، بیکسوں اور حاجت مندوں کے ملجا و ماویٰ تھے۔

اپنے ایک جاں نثار کی بیکسانہ درخواست سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ رحیمی نے گوارا نہ کیا کہ لوگ اس کو محض اس وجہ سے ٹھکرائیں کہ وہ ظاہری حسن و جمال سے محروم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سعد گھبراؤ نہیں، میں خود تمھاری شادی کا بندوبست کرتا ہوں، تم اسی وقت عمرو بن وہب ثقفی رضی اللہ عنہ کے گھر جاؤ اور سلام کے بعد ان سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی بیٹی کا رشتہ میرے ساتھ کر دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سن کر حضرت سعد اسود رضی اللہ عنہ شاداں وفرحاں حضرت عمرو بن وہب رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف چل دیئے۔ حضرت عمرو بن وہب ثقفی رضی اللہ عنہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اور ابھی ان کے مزاج میں زمانۂ جاہلیت کی درشتی موجود تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے گھر پہنچ کر انھیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان سے مطلع کیا تو ان کو بڑی حیرت ہوئی کہ میری ماہ پیکر ذہین وفطین لڑکی کی شادی ایسے کریہہ منظر شخص سے کیسے ہوسکتی ہے! انھوں نے سوچے سمجھے بغیر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا پیام رد کر دیا اور بڑی سختی کے ساتھ انھیں واپس جانے کے لیے کہا۔

سعادت مند لڑکی نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور اپنے باپ کی گفتگو سن لی تھی، جونہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ واپس جانے کے لیے مڑے وہ لپک کر دروازے پر آئی اور آواز دی، اللہ کے بندے! واپس آؤ، اگر واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمھیں بھیجا ہے تو میں بخوشی تمھارے ساتھ شادی کے لیے تیار ہوں، جس بات سے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی ہیں میں بھی اس پر راضی ہوں۔

اس اثنا میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ آگے بڑھ چکے تھے، معلوم نہیں انھوں نے لڑکی کی بات

سنی یا نہیں، بہرصورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کر دیا۔ اُدھر ان کے جانے کے بعد نیک بخت لڑکی نے اپنے والد سے کہا کہ ابا جان! قبل اس کے کہ اللہ آپ کو رسوا کرے آپ اپنی نجات کی کوشش کیجیے۔ آپ نے بڑا غضب کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی پروانہ کی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرستادہ کے ساتھ درشت سلوک کیا۔

حضرت عمرو بن وہب رضی اللہ عنہ نے لڑکی کی بات سنی تو اپنے انکار پر سخت پشیمان ہوئے اور ڈرتے ہوئے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ تم ہی نے میرے بھیجے ہوئے آدمی کو لوٹایا تھا۔ حضرت عمرو بن وہب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک میں نے اس آدمی کو لوٹایا تھا، لیکن یہ غلطی لاعلمی میں سرزد ہوئی۔ میں اس شخص سے واقف نہ تھا، اس لیے اس کی بات کا اعتبار نہ کیا اور اس کا پیام نامنظور کر دیا، خدا کے لیے مجھے معاف فرما دیجیے۔ مجھے اپنی لڑکی کی شادی اس شخص سے بسر و چشم منظور ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن وہب رضی اللہ عنہ کا عذر قبول فرمایا اور حضرت سعد اسود رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سعد! میں نے تمھارا عقد بنتِ عمرو بن وہب سے کر دیا۔ اب تم اپنی بیوی کے پاس جاؤ۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بے حد مسرت ہوئی، بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اٹھ کر سیدھے بازار گئے اور ارادہ کیا کہ نو بیاہی بیوی کے لیے کچھ تحائف خریدیں۔ ابھی کوئی چیز نہیں خریدی تھی کہ ان کے کانوں میں ایک منادی کی آواز پڑی جو پکار رہا تھا کہ اے اللہ کے شہسوارو! جہاد کے لیے سوار ہو جاؤ اور جنت کی بشارت لو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نوجوان تھے۔ نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ دل میں ہزار امنگیں اور ارمان تھے۔ بارہا مایوس

ہونے کے بعد شادی کا مژدہ فردوس گوش ہوا تھا، لیکن منادی کی آواز سن کر تمام جذبات پر جوشِ ایمانی غالب آ گیا اور نو عروس کے لیے تحائف خریدنے کا خیال دل سے یکسر کافور ہو گیا، جو رقم اس مقصد کے لیے ساتھ لائے تھے، اس سے گھوڑا، تلوار اور نیزہ خریدا اور سر پر عمامہ باندھ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں غزوے پر جانے والے مجاہدین میں جا شامل ہوئے۔ اس سے پہلے نہ ان کے پاس گھوڑا تھا، نہ نیزہ و تلوار، اور نہ انھوں نے کبھی عمامہ اس طرح باندھا تھا، اس لیے کسی کو معلوم نہ ہوا کہ یہ سعد اسود رضی اللہ عنہ ہیں۔

میدان جہاد میں پہنچ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایسے جوش و شجاعت کے ساتھ لڑے کہ بڑے بڑے بہادروں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ایک موقع پر گھوڑا اڑ گیا تو اس کی پشت پر سے کود پڑے اور آستینیں چڑھا کر پیادہ پا ہی لڑنا شروع کر دیا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاتھوں کی سیاہی دیکھ کر شناخت کر لیا اور آواز دی اے سعد! لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ اُس وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر اس جوش و وارفتگی کے ساتھ لڑ رہے تھے کہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز کی بھی خبر نہ ہوئی۔ اسی طرح دادِ شجاعت دیتے ہوئے جُرعۂ شہادت نوش کیا اور عروسِ نو کے بجائے حورانِ جنت کی آغوش میں پہنچ گئے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت سعد اسود رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی لاش کے پاس تشریف لائے، ان کا سر اپنی گود میں رکھ کر دعائے مغفرت کی اور پھر فرمایا کہ میں نے سعد کا عقد عمرو بن وہب کی لڑکی سے کر دیا تھا، اس لیے اس کے متروکہ سامان کی مالک وہی لڑکی ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہتھیار اور گھوڑا اسی کے پاس پہنچا دو اور اس کے ماں باپ سے جا کر کہہ دو کہ اب خدا نے تمھاری لڑکی سے بہتر لڑکی سعد کو عطا کر دی، اور اس کی شادی

جنت میں ہو گئی۔

قبول اسلام کے بعد حضرت سعد اسود رضی اللہ عنہ نے اس دنیائے فانی میں بہت کم عرصہ قیام کیا، لیکن اس مختصر مدت میں انھوں نے اپنے جوشِ ایمان اور اخلاصِ عمل کے جو نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیے وہ امتِ مسلمہ کے لیے تا ابد مشعلِ راہ بنے رہیں گے۔ (أسد الغابة في معرفة الصحابة: ۲/ ۱۸۴)

حضرت زاہر بن حزام رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت زاہر بن حزام رضی اللہ عنہ نامی ایک دیہاتی تھے۔ انھیں آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت لگاؤ تھا حضور کو بھی ان سے کافی انس ومحبت تھی اسی محبت کی بنا پر آپ فرمایا کرتے کہ زاہر میرا بادیہ نشیں ہے اور میں اس کا شہری دوست۔ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرنے مدینہ پاک آتے تو اپنے ساتھ گھی اور پنیر وغیرہ لایا کرتے تھے واپسی کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کو تحائف دے کر رخصت فرمایا کرتے تھے۔

اہل مدینہ نے ایک روز محبت و پیار اور ناز برداری کا ایک بہت ہی حسین نظارہ دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار تشریف لے گئے تو دیکھا کہ آپ کا ایک بدوی صحابی حضرت زاہر رضی اللہ عنہ محنت مزدوری کر رہے ہیں۔ ایک تو شکل کچھ ایسی اچھی نہ تھی، دوسرے گرد وغبار اور پسینے کی وجہ سے اور بھی بدنما دکھائی دے رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیارے دوست کو دیکھا تو قلبی محبت بھڑک اٹھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دبے پاؤں قریب جا کر پیچھے سے اُن کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ حیرت میں گم ہو گیے کہ مجھ غریب، بے کس اور بدصورت سے اِس انداز میں اظہار محبت کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ پھر خود ہی خیال آیا کہ

رحمتِ دو عالم، محمد عربی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سوا اور کون ہوسکتا ہے؟ ہاتھوں کو چھوا تو اس بات کا یقین ہو گیا۔

بس پھر کیا تھا حضرت زاہر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے موقع غنیمت جان کر اپنا خاک آلود جسم آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے جسم مبارک سے ملنا شروع کر دیا۔ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ کا یہ اندازِ محبت دیکھ کر آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مسکراتے رہے اور عاشق زار اپنے شوق کی تسکین کرتا رہا۔ بالآخر محبت و پیار کا ایک اور باب کھلا جب آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا لوگو! میں ایک غلام بیچتا ہوں کوئی ہے جو اس کا خریدار ہو؟ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ کہنے لگے میرے آقا! مجھ غریب اور خستہ حال کا کون خریدار ہوسکتا ہے؟ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ نہیں، نہیں ایسا مت کہو، زاہر! اللہ کے نزدیک تم کم قیمت کے نہیں ہو، بلکہ اللہ کے یہاں تم بڑی قیمت والے ہو۔ (شمائل ترمذی: رقم الحدیث: ۲۲۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقام

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت نقل کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان کو پیلو کے درخت پر چڑھ کر مسواک توڑنے کے لیے فرمایا۔ ان کی پنڈلیاں باریک اور پتلی تھی۔ ہوا ان کو ادھر ادھر جھکانے لگی جس کو دیکھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہنس پڑے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہنسنے کا سبب پوچھا عرض کیا کہ یا نبی اللہ! ان کی پنڈلیوں کے پتلے ہونے کی وجہ سے ہم ہنس رہے ہیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ دونوں پنڈلیاں میزان میں یا عبداللہ کا پاؤں قیامت کے دن میزان میں احد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہوگا۔ (مسند أحمد: مسند علی بن أبی طالب رضی

اللہ عنہ/رقم الحدیث:۹۲۰)

مسجد نبوی کی صفائی کرنے والا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک حبشی مرد یا حبشی عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ایک دن اس کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔لوگوں نے بتایا کہ وہ تو انتقال کر گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں نہ بتایا؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر پر تشریف لائے اور اس پر نماز پڑھی۔(بخاری: کتاب الصلوۃ/باب کنس المسجد/رقم الحدیث:۴۵۸)

دورِ نبوی کی ایک مفلس عورت کا واقعہ

حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اطرافِ مدینہ کے گاؤں میں سے ایک عورت بیمار ہوئی جو مفلس اور نادار تھی۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اُس کا حال دریافت فرماتے رہتے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ فوت ہوجائے تو میرے نماز جنازہ پڑھائے بغیر اُسے دفن نہ کرنا۔وہ فوت ہوگئی تو لوگ عشا کے بعد اُسے مدینہ منورہ لائے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محوِ استراحت پایا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جگانا مناسب نہ سمجھا اور اُس کی نماز جنازہ پڑھ کر اُسے جنت البقیع میں دفن کردیا۔صبح جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس عورت کا حال دریافت فرمایا۔انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اُسے تو دفن کردیا گیا ہے۔ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، لیکن آپ استراحت فرماتے تھے۔ہم نے آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ (قبرستان) تشریف لے گئے۔حتیٰ کہ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اُس غریب عورت کی قبر کی نشاندہی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے صف بنائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور چار تکبیریں ارشاد فرمائی۔ (نسائی: کتاب الجنائز/ باب الصلاۃ علی الجنازۃ باللیل/ رقم الحدیث: ۱۹۶۹)

خیبر کا چرواہا

غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک چرواہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا، وہ یہودیوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اس چرواہے نے جب دیکھا کہ خیبر سے باہر مسلمانوں کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے، اسکے دل میں خیال آیا کہ میں جا کر ان سے ملاقات کروں۔ اور دیکھوں کہ یہ مسلمان کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ چناں چہ بکریاں چراتا ہوا مسلمانوں کے لشکر میں پہنچا اور ان سے پوچھا کہ تمھارے سردار کہاں ہیں؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ ہمارے سردار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خیمے کے اندر ہیں۔ پہلے تو اُس چرواہے کو ان کی باتوں پر یقین نہیں آیا۔ اس نے سوچا کہ اتنے بڑے سردار ایک معمولی سے خیمے کے اندر کیسے بیٹھ سکتے ہیں! اس کے ذہن میں یہ تھا کہ جب آپ اتنے بڑے بادشاہ ہیں تو بہت ہی شان وشوکت اور ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہتے ہوں گے، لیکن وہاں تو کھجور کے پتوں کی چٹائی سے بنا ہوا خیمہ تھا۔ خیر! وہ اس خیمے کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے لیے داخل ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی اور پوچھا کہ آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سامنے اسلام اور ایمان کی دعوت رکھی اور اسلام کا پیغام دیا۔ اس نے پوچھا کہ اگر میں اسلام کی دعوت قبول کرلوں تو میرا کیا انجام ہوگا؟ اور کیا رتبہ ہوگا؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام لانے کے بعد تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے اور ہم تمھیں گلے سے لگائیں گے۔ اس چرواہے نے کہا کہ آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں، میں کہاں اور آپ کہاں! میں ایک معمولی سا چرواہا ہوں اور میں ایک سیاہ فام انسان ہوں، میرے بدن سے بدبو آ رہی ہے۔ ایسی حالت میں آپ مجھے کیسے گلے سے لگائیں گے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تمھیں ضرور گلے سے لگائیں گے اور تمھارے جسم کی سیاہی کو اللہ تعالیٰ تابانی سے بدل دیں گے اور اللہ تعالیٰ تمھارے جسم سے اٹھنے والی بدبو کو خوشبو سے تبدیل کر دیں گے۔ یہ باتیں سن کر وہ فوراً مسلمان ہو گیا اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایسے وقت پر ایمان لائے ہو کہ نہ تو اس وقت کسی نماز کا وقت ہے کہ تم سے نماز پڑھواؤں اور نہ ابھی روزے کا زمانہ ہے کہ تم سے روزے رکھواؤں، اور زکوۃ تم پر فرض نہیں ہے، اس وقت تو صرف ایک ہی عبادت ہو رہی ہے جو تلوار کی چھاؤں میں انجام دی جاتی ہے وہ ہے "جہاد فی سبیل اللہ"۔ اس چرواہے نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں اس جہاد میں شامل ہو جاتا ہوں، لیکن جو شخص جہاد میں شامل ہوتا ہے اس کے لیے دو میں سے ایک صورت ہوتی ہے، غازی یا شہید۔ پس اگر میں اس جہاد میں شہید ہو جاؤں تو آپ میری کوئی ضمانت لیجیے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ اگر تم اس جہاد میں شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ تمھیں جنت میں پہنچا دیں گے اور تمھارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرما دیں گے اور تمھارے چہرے کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرما دیں گے۔

چونکہ وہ چرواہا یہودیوں کی بکریاں چراتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ اس لیے حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہودیوں کی جو بکریاں لے کر آئے ہو۔ ان کو جا کر واپس کرو اس لیے کہ یہ بکریاں تمھارے پاس امانت ہیں۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ جن لوگوں کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے، جن کا محاصرہ کیا ہوا ہے، اُن کا مال غنیمت ہے، لیکن چونکہ وہ چرواہا بکریاں معاہدے پر لے کر آیا تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ پہلے وہ بکریاں واپس کر کے آؤ۔ پھر آ کر جہاد میں شامل ہونا۔ چناں چہ اس چرواہے نے جا کر بکریاں واپس کیں۔ اور واپس آ کر جہاد میں شامل ہوا اور شہید ہو گیا۔

جب جنگ ختم ہو گئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کا جائزہ لینے گئے۔ ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مجمع اکٹھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب پہنچے تو ان سے کہا کہ کیا بات ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا جو لوگ جنگ میں شہید ہو گئے ہیں، اُن میں سے ایک آدمی ایسا بھی ہے کہ جس کو ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ تم اس شخص کو نہیں پہچانتے، مگر میں اس شخص کو پہچانتا ہوں۔ یہ چرواہا ہے اور یہ وہ عجیب و غریب بندہ ہے جس نے اللہ کی بارگاہ میں ایک بھی سجدہ نہیں کیا۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدھا اس کو جنت الفردوس میں پہنچا دیا ہے۔ اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ملائکہ اس کو غسل دے رہے ہیں و راس کی سیاہی سفیدی میں تبدیل ہو گئی ہے، اور اس کی بدبو خوشبو میں تبدیل ہو گئی ہے۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: ۳/۲۵۷، ۲۵۸)

امام نافع رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام نافع رحمۃ اللہ علیہ جو قرائت اور حدیث کے بہت بڑے امام ہیں، نہایت سیاہ فام تھے، لیکن ساتھ ہی نہایت خوش نقش تھے۔ ایک مرتبہ محمد بن اسحاق سیسی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ آپ کے اعضا کی ساخت اور نقشہ کس قدر حسین وجمیل ہے، فرمایا آخر کیوں نہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں مجھے مصافحہ کا شرف بخشا۔ (غایۃ النہایۃ: ۲/۳۳۲)

حضرت عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ بچپن میں مکہ مکرمہ میں ایک عورت کے غلام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حبشی غلام کو عزت اور شرف عطا کیا کہ بچپن ہی سے علم کا شوق ان کے دل میں پیدا کر دیا۔ عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وقت کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک حصہ اپنے آقا کی خدمت کے لیے جس میں وہ اس کی خدمت بہتر سے بہتر انداز میں کیا کرتے تھے۔ اور ایک حصہ اپنے پروردگار کے لیے جس میں وہ ذہنی یکسوئی اور مکمل اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرتے تھے۔ ایک حصہ طلبِ علم کے لیے مقرر کیا تھا کہ اس وقت میں وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کرتے۔ جب ان کی مالکہ نے دیکھا کہ ان کے غلام نے اپنی جان اللہ تعالیٰ کو بیچ دی ہے اور اپنی زندگی طلبِ علم کے لیے وقف کر دی ہے تو اپنا حق خدمت معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے حضرت عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کو آزاد کر دیا۔ حضرت عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد حرام کو اپنا ٹھکانہ بنا لیا۔ مسجدِ حرام ہی ان کا گھر تھا، یہی ان کا مدرسہ۔ یہاں تک کہ بیس سال تک مسجد حرام ہی حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کا مسکن رہا۔ (صور من حیاۃ التابعین/ص: ۱۲، ۱۳، ۱۴)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ایک حجام کا واقعہ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مناسک حج کے پانچ مسائل میں مجھ سے غلطی ہوئی جو مجھے مکہ مکرمہ کے ایک حجام نے بتلایے۔ وہ ایسے کہ میں نے سر منڈانے کا ارادہ کیا کہ احرام سے نکل جاؤں تو میں ایک نائی کے پاس آیا اور میں نے اس سے پوچھا کہ کتنے میں میرے بال کاٹ دو گے؟ تو اس نے کہا:

(۱) اللہ آپ کو ہدایت دے عبادت میں اجرت کی شرط نہیں لگائی جاتی۔

(۲) قبلے سے رخ دوسری طرف موڑ کر بیٹھ گیا تو اس حجام نے مجھے اشارہ کیا کہ میں قبلہ رخ ہو جائیں، تو میں نے ایسا ہی کیا۔

(۳) پھر میں نے بائیں طرف سے سر آگے بڑھایا کہ وہ حلق کرے تو اس نے کہا کہ دایاں حصہ ادھر کرو تو میں نے دایاں بازو اس کی طرف کر لیا۔

(۴) اس نے مجھے کہا آپ خاموش کیوں بیٹھے ہیں؟ تکبیر پڑھتے رہیے! میں نے تکبیر کہنی شروع کی۔

(۵) پھر جب فارغ ہو کر میں اٹھا اور جانے لگا تو اس نے کہا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اپنے سامان اور مکان کی طرف جا رہا ہوں۔ اس نے کہا پہلے دو رکعت نماز پڑھیے، پھر جہاں جانا چاہیں جائیں۔ میں نے دو رکعت پڑھی اور اپنے دل میں کہا حجام تو ایسا ہی ہونا چاہیے جو عالم بھی ہو۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ آپ نے جو مسائل مجھے بتائے یہ آپ نے کہاں سے سیکھے؟ وہ کہنے لگا کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا ہی کرتے دیکھا اور ان سے سیکھ لیے اور اب میں لوگوں کو اسی طرح بتاتا ہوں۔ (تحفۃ الأحوذی:

۳/۵۶۴)

امام جاحظ

عربی ادب کے نہایت ماہر علامہ ابوعثمان عمرو بن بحر جاحظ کا تعلق ایک معمولی گھرانے سے تھا۔ ان کے والدین مفلوک الحال تھے۔ ان کے والد کا انتقال ان کے بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ والدہ نے تمام تر عسرتوں کو جھیلتے ہوئے اس کی پرورش کی۔ گھر کی خستہ حالی کی وجہ سے جاحظ کو بچپن سے ہی تلاشِ معاش میں لگنا پڑا؛ چنانچہ وہ بصرہ میں نہرِ سیحان کے کنارے روٹیاں اور مچھلیاں بیچنے لگا، مگر چوں کہ فطری طور پر وہ ایک ذہین اور حصولِ علم کا شوق رکھنے والا بچہ تھا، اس لیے اس نے اپنا گھر چلانے کے ساتھ وقت نکال کر بعض تعلیم گاہوں میں بھی آمد و رفت شروع کر دی اور اس طرح اس نے اپنے حصولِ علم کا سفر بھی جاری رکھا، حتی کہ مختلف اوقات میں اس نے اخفش، اصمعی، ابوعبیدہ، ابوزید انصاری، ابراہیم بن سیار وغیرہ جیسے اصحابِ فکر و ادب سے استفادہ کیا اور رفتہ رفتہ خود ایک عظیم ادیب و نثر نگار کی حیثیت سے آسمانِ ادب پر چھا گیا۔ اس نے صرف اپنی مادری زبان عربی میں ہی دسترس حاصل نہیں کی؛ بلکہ عربی کے علاوہ دیگر زبانوں کے آداب و علوم سے بھی آگاہی حاصل کی۔ (کتاب البخلاء للجاحظ/ص:٦)

تمام تر علمی وجاہت کے باوجود امام جاحظ ظاہری اعتبار سے نہایت بدہیئت، بدصورت اور قبیح انسان تھے۔ کہتے ہیں کہ اُن کا لقب ''جاحظ'' اس لیے پڑا کہ اس کی آنکھ کا ڈھیلا باہر کی طرف نکلا ہوا تھا اور عجیب بدہیئت لگتا تھا، اسی وجہ سے انھیں ''حدقی'' بھی کہا جاتا تھا، البتہ وہ جاحظ کے لقب سے زیادہ مشہور ہوئے اور دوسرا لقب اتنا مشہور نہیں

ہوسکا۔ جب شروع شروع میں لوگ انھیں جاحظ کہتے تھے، تو وہ ناراض ہوتے، مگر پھر رفتہ رفتہ اس کے عادی ہوتے گئے اور ایک زمانے کے بعد یہ لفظ عربی ادب میں عظمت واحترام کی علامت بن گیا۔

اُن کی شکل وصورت کے بارے میں عجیب عجیب باتیں بیان کی جاتی ہیں، مثلاً یہ کہ وہ ٹھگنے قد کے تھے، نہایت سیاہ فام تھا، اُن کا سر چھوٹا، کان چھوٹے اور گردن پتلی تھی، عربی ادب کی تاریخ میں اُن کی بدصورتی سے متعلق بہت سے واقعات مذکور ہیں۔ اُن کی بدہیئتی کی انتہا یہ ہے کہ کسی شاعر نے کہا:

لويمسخ الخنزيرمسخاثانيا	ماكان إلادون قبح الجاحظ

اگر خنزیر کو بھی دوبارہ مسخ کر دیا جائے، تو وہ بھی جاحظ سے کم ہی بدصورت ہوگا۔

جاحظ کو خود اپنی بدصورتی کا احساس تھا، چناں چہ اُن کا اپنا بیان ہے کہ متوکل نے انھیں اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت سے اس لیے الگ کر دیا کہ وہ بدشکل تھے اور اس کے بچے ان کو دیکھ کر ڈر جاتے تھے۔ (کتاب البخلاء للجاحظ/ص:۸)

امام جاحظ کی بدصورتی کا ایک عجیب واقعہ

اسی طرح ایک مشہور واقعہ ہے کہ جاحظ ایک جگہ کھڑا تھے کہ ایک عورت اُن کے پاس آئی اور اس نے آپ سے کہا کہ فلاں پینٹر کی دکان تک چلو، وہ اس کے ساتھ گئے، وہ عورت جاحظ کو لے کر اس پینٹر کے پاس پہنچی اور اس سے کہا کہ اس کے جیسی۔ جاحظ کو سمجھ نہیں آیا کہ اس کی بات کا مطلب کیا ہے؟ چناں چہ انھوں نے دکان دار سے پوچھا کہ بھائی! اس عورت کے یہ کہنے کا کیا مطلب تھا؟ تو اس نے کہا کہ دراصل وہ عورت مجھ سے شیطان کی پینٹنگ

بنانے کا کہہ رہی تھی، تو میں نے اس سے کہا تھا کہ کوئی نمونہ ہونا چاہیے، جس کی روشنی میں میں وہ تصویر تیار کرسکوں، تو وہ تمھیں لے کر آ گئی اور اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اسے تم جیسی تصویر بنا کر دوں۔ (کتاب البخلاء للجاحظ / ص: ۸)

فقرا کا مقام

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان فقرا وغربا جو لوگوں کی نظروں میں حقیر معلوم ہوتے ہیں، اُن کا مقام بہت اونچا ہیں۔ سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۱) حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت کا مشاہدہ کیا تو میں نے اُس میں اکثریت فقرا کی دیکھی۔ (بخاری: کتاب بدء الخلق / باب ماجاء فی صفة الجنة / رقم الحدیث: ۳۲۴۱)

(۲) حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کیا میں تمھیں اہلِ جنت کی پہچان نہ بتاؤں؟ ہر کمزور اور حقیر سمجھا جانے والا شخص، (مگر اس کا اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ مقام ہوتا ہے کہ) اگر وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ اسے ضرور سچا کر دیتا ہے۔ کیا میں تمھیں دوزخیوں کی پہچان نہ بتادوں؟ ہر سخت مزاج، جھگڑالو اور مغرور شخص۔ (بخاری: کتاب الأدب / باب الکبر و قال مجاھد: ثانی عطفه مستکبر فی نفسه عطفه: رقبته، رقم الحدیث: ۶۰۷۱)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ غریب مسلمان، دولت مندوں سے آدھا دن پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ عرصہ پانچ سو سال (پر

مشتمل) ہے۔(ترمذی: أبواب الزهد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم / باب فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم / رقم الحديث: ۲۳۵۳)

(۴) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنے کمزور لوگوں میں تلاش کرو بے شک تمھیں اپنے کمزور لوگوں کی وجہ سے ہی رزق دیا جاتا ہے اور ان ہی کی وجہ سے تمھاری مدد کی جاتی ہے۔(أبو داود: كتاب الجهاد / باب الانتصار برذل الخيل والضعفة / رقم الحديث: ۲۵۹۴)

خلاصہ یہ ہے کہ مقبولیت کا مدار اور عزت وذلت کا معیار صورت اور شکل پر نہیں ہے، بلکہ سیرت پر ہے، اخلاق اور اعمال پر ہے، جو دنیوی پیمانوں سے بالکل ہٹ کر ہے۔ جنھیں ہم دنیا میں ذلیل اور حقیر سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اپنے ایمان، علم، تقویٰ، اخلاص اور نیک نیتی کی بنا پر انتہائی معزز اور اونچے مقام پر ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک بندے کی قدر اُس کی ظاہری حالت یا دنیوی مقام میں نہیں، بلکہ اُس ایمان اور باطنی اعمال میں پوشیدہ ہے۔ اس لیے باطن اور سیرت کو سنوارنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سیرت کو سنوارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

وصلى الله على النبي الكريم

مضمون: (۱۸)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحتیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ ، أَنَّهُ خَرَجَ يَوْمًا إِلَى مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِي، فَقَالَ : مَا يُبْكِيكَ ؟ قَالَ : يُبْكِينِي شَيْءٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؛ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : إِنَّ يَسِيرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ، وَإِنَّ مَنْ عَادَى لِلَّهِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ اللَّهَ بِالْمُحَارَبَةِ، إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْأَبْرَارَ الْأَتْقِيَاءَ الْأَخْفِيَاءَ، الَّذِينَ إِذَا غَابُوا لَمْ يُفْتَقَدُوا، وَإِنْ حَضَرُوا لَمْ يُدْعَوْا وَلَمْ يُعْرَفُوا، قُلُوبُهُمْ مَصَابِيحُ الْهُدَى، يَخْرُجُونَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ (ابن ماجہ: کتاب الفتن/باب من ترجی لہ السلامۃ من الفتن/رقم الحدیث: ۳۹۸۹)

تمہید

یہ ابن ماجہ شریف کی ایک روایت ہے، اور اس کے حوالے سے مشکوۃ شریف میں بھی یہ روایت نقل کی گئی ہے۔ اس روایت کو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے۔ یہ وہ ہستی ہیں جن کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ (ترمذی: أبواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب/رقم الحدیث: ۳۶۸۶)

اِس روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چند نصیحتوں کا ذکر ہے، جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو فرمائی تھیں، اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اِن نصیحتوں کو یاد کر کے قبر اطہر کے پاس رو رہے تھے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا تعارف

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قبیلۂ خزرج کے انصاری اور مدینہ منورہ کے باشندے ہیں۔ یہ اُن ستر خوش نصیب انصار میں سے ایک ہیں جن لوگوں نے ہجرت سے بہت پہلے منیٰ کی گھاٹی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیعت اسلام کی تھی۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۴۲۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک انتہائی حسین وجمیل خوبرو نوجوان جن کی عمر ابھی بیس سال بھی نہ تھی، بیعت عقبہ ثانیہ یا ثالثہ کے موقع پر مدینہ طیبہ سے مکہ معظّمہ حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ دے کر اسلام پر جینے اور مرتے دم تک اسلام کی خدمت وحمایت کی بیعت کر رہے تھے۔ انھیں ایمان کی دولت حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ذریعے نصیب ہوئی تھی، جنھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود ہجرت فرمانے سے پہلے ہی مدینہ طیبہ کے لوگوں کو دین کی دعوت اور قرآن وسنت کی تعلیم کے لیے بھیجا تھا۔ اس نوجوان کا نام حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد تو معاذ سایے کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ رہے۔ اکیس سال کی عمر میں غزوۂ بدر سے غزوات میں شرکت شروع کی پھر تمام ہی غزوات میں شریک رہے۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۴۲۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نو عمری ہی میں سعادت ایمانی سے نواز دیے گئے تھے۔ انھوں نے قرآن مجید اور دینی مسائل کی تحصیل براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس کم عمری ہی میں قرآن وسنت اور دینی وفقہی مسائل کا بڑا عالم قرار دے دیا تھا۔ اپنی حیات ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن مجید کا معلم بنایا تھا ان میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۴۲۱، ۴۲۲)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جب لوگ گروہ در گروہ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے، تو ان میں مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کے لیے کسی ماہر آدمی کی ضرورت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کو قرآن کی تعلیم دینے کے لیے کچھ دنوں کے لیے وہیں چھوڑ دیا تھا۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۴۲۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بہت خوش رہتے تھے ایک بار ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) بہت ہی اچھے شخص ہیں۔ (ترمذی: أبواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم / باب مناقب معاذ بن جبل وزید بن ثابت وأُبی بن کعب وأبی عبیدة بن الجراح رضی اللہ عنهم / رقم الحدیث: ۳۷۹۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے یہاں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا تو انھوں نے کہا میں ان سے ہمیشہ محبت رکھوں گا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ چار اشخاص سے قرآن سیکھو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی کی اور حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے مولیٰ حضرت

سالم رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے بیان کیا کہ مجھے پوری طرح یاد نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا یا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا۔ (بخاری: کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم/باب مناقب سالم بن مولیٰ أبی حذیفۃ رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۳۷۵۸)

حلت وحرمت کے مسائل کی واقفیت میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا مقام سب سے بلند ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِن کے متعلق فرمان ہے میری امت میں سب سے زیادہ حلال وحرام جاننے والے معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ (ترمذی: أبواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب مناقب معاذ بن جبل وزید بن ثابت وأُبی بن کعب وأبی عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہم/رقم الحدیث: ۳۷۹۱)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بہت ہی اچھے شخص ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی اور کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا اظہار بھی فرما دیتے تھے۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

يا معاذ! والله إني لأحبك

معاذ! واللہ مجھے تم سے بہت محبت ہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ایک دعا تعلیم فرمائی اور فرمایا ہر نماز کے بعد یہ دعا ضرور پڑھا کرو:

اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

اے اللہ! میری مدد فرما اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی اپنے شکر کی اور اپنی اچھی

عبادت کی۔(مسند أحمد/مسند الأنصار/حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۲۲۱۱۹)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مقام اہل علم کی نظر میں

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں آیت پاک:

اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ کَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ [النحل: ۱۲۰]

پڑھی گئی، تو انھوں نے فرمایا کہ معاذ بھی ایک امت تھے، اللہ کے فرمانبردار تھے، ان کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جانتے ہو" امت" وہ شخص ہے جو لوگوں کو خیر کی باتیں سکھاتا ہے۔(فتح الباری: ۸/۴۹۴)

ایک صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو وہاں میں نے گھنگریالے بالوں والے ایک نوجوان کو بیٹھا ہوا دیکھا اور لوگ اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے، جب وہ گفتگو کرتا تو یوں معلوم ہوتا کہ جیسے اس کے منہ سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں اور موتی بکھر رہے ہیں، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔(معاذ بن جبل إمام العلماء ومعلم الناس الخیر/۸۴)

اسی طرح ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک روز میں دمشق کی جامع مسجد میں آیا تو وہاں عمر رسیدہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تشریف فرما تھے اور ان میں ایک نوجوان سُرمگیں آنکھوں والا اور چمکیلے دانتوں والا تھا، جب یہ حضرات کسی بات میں اختلاف کرتے تو یہ لوگ اس نوجوان کی طرف رجوع کرتے۔ میں نے پوچھا یہ جوان کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ حضرت معاذ بن جبل

رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن، لقب امام الفقہاء ہے۔(معاذ بن جبل إمام العلماء و معلم الناس الخیر ۸۳/)

پھر ان سے بڑھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خوش نصیب افراد میں شامل فرمایا اور وہ کتابت قرآن کے شرف سے مشرف ہوئے، یہ ان پر اعتماد کامل اور علم کی پختگی کی ایک دلیل تھی۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی منقول ہے:

معاذ إمام العلماء یوم القیامة برتبة

معاذ کو قیامت کے دن علما کی پیشوائی حاصل ہوگی اور ایک بڑا درجہ ان کو ملے گا۔(معاذ بن جبل إمام العلماء و معلم الناس الخیر ۱۱۱/)

یمن کی طرف روانگی

جب اہل یمن نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ آپ ایک ایسا آدمی بھیج دیجیے جو صرف امیر ہی نہ ہو، بلکہ معلم بھی ہو، تو اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر مبارک معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اشارہ کرکے بلایا اور کہا کہ اے معاذ! تم یمن چلے جاؤ تمھاری وہاں ضرورت ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ سے متعلق کچھ نصیحتیں فرمائی اور ان کو وہاں کا گورنر مقرر فرمادیا۔(معارف الحدیث:۸/ ۴۲۲)

پھر جب روانہ ہونے لگے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدل چل رہے تھے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سواری پر تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھ ساتھ چل کر نصیحت بلکہ وصیت فرمارہے تھے، اے معاذ! لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا، مشکلات پیدا نہ کرنا، انھیں خوشی

ومسرت کا پیغام سنانا، ایسی کوئی بات نہ کرنا جس سے انھیں دین سے نفرت ہوجائے۔

اس سفر کا منظر بھی عجیب تھا کہ محبوب پیدل چل رہے تھے اور محب سوار، جی ہاں! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدل تھے اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے۔ (معارف الحدیث :۸/۴۲۲)

اسی سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ معاذ! وہاں کے لوگوں کے درمیان اگر قضا یعنی مقدمات کے فیصلے کرنے کی ضرورت پڑے گی تو کس طرح فیصلے کروگے؟ انھوں نے عرض کیا اولاً کتاب اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا، اور اگر اس قضیے کا حل کتاب اللہ میں نہیں ملے گا تو آپ کی سنت میں اس کا حل تلاش کروں گا، ورنہ پھر خود خوب غور وفکر کر کے فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے میرے قاصد کو خیر اور صحیح طریقے کی توفیق عطا فرمائی۔ (أبو داود: أول کتاب الأقضیة/ باب اجتهاد الرأی فی القضاء/ رقم الحدیث: ۳۵۹۲)

پھر اس وقت وہ حالت بھی عجیب تھی، کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے معاذ! ہوسکتا ہے آج کے بعد تم مجھ سے پھر نہ مل سکو، شاید واپسی میں تمھارا گذر میری مسجد اور قبر کے پاس ہی سے ہوگا۔

یہ سننا تھا کہ اس عاشق صادق کے پاؤں سے زمین نکل گئی اور زار وقطار رونے لگے، روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا روئے انور مدینہ منورہ کی طرف پھیر لیا اور یہ ارشاد فرمایا:

إن أولی الناس بی المتقون من کانوا وحیث کانـوا

یعنی میرے قریب ترین وہ لوگ ہیں جو متقی ہوں جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔

(مسند أحمد: مسند الأنصار/حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۲۲۰۵۲)

چناں چہ یہی ہوا کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن سے واپس آئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے پردہ فرما چکے تھے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پر حاضر ہو کر رو رہے تھے۔

دورِ خلافت میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا کردار

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں واپس آئے اور ملک شام کی طرف بغرض جہاد چلے گئے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا، معاذ کے علم کی اہل مدینہ کو بہت ضرورت ہے ان کے جانے سے مدینہ میں علم کا بہت خلا ہو جائے گا۔ آپ انھیں ملک شام جانے کے ارادہ سے باز رکھیے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک اللہ کا بندہ شوق شہادت کے جذبے سے میدان جہاد کے لیے جا رہا ہے میں اسے نہیں روک سکتا۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۴۲۳)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ملک شام جانے کے بعد وہاں طاعون کے مرض میں مبتلا ہوئے اور اسی میں ۱۷ یا ۱۸ھ میں شہید ہو گئے۔ شہادت کے وقت عمر صرف ۳۳ سال تھی۔ بعض حضرات نے ۳۴ یا ۳۵ سال بھی بتلائی ہے۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۴۲۳)

قبر اطہر کے پاس بیٹھ کر رونا

خیر! جب یمن سے واپسی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے پردہ فرما چکے تھے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قبر اطہر کے پاس بیٹھے رو رہے تھے۔ حضرت عمر کا وہاں سے گذر ہوا

تو انھوں نے بیٹھا ہوا اور روتا ہوا پایا تو پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحتیں یاد کر کے رو رہا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں تشریف لے گئے تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر روتا ہوا پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ (کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی رلا رہی ہے یا کسی آفت و مصیبت کے پیش آجانے کی وجہ سے رو رہے ہو یا ان کے علاوہ کسی اور سبب نے تمھیں رونے پر مجبور کر دیا ہے؟) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے ایک بات کی یاد نے رلا دیا ہے جس کو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے۔ (نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ) جس شخص نے اللہ کے دوست سے دشمنی اختیار کی (یعنی اولیاء اللہ کو اپنے کسی قول و فعل سے ناحق تکلیف پہنچائی یا ان کو غصہ دلایا) تو اُس نے گویا اللہ سے مقابلہ کیا اور اس کے ساتھ جنگ کی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نیکوکاروں، پرہیز گاروں اور گمناموں کو دوست رکھتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں (جن کی ظاہری حالت تو اتنی خستہ اور عام نگاہوں میں اس قدر ناقابل توجہ ہوتی ہے) کہ جب وہ نظروں سے غائب ہوں تو ان کو پوچھا نہ جائے اور جب موجود ہوں تو ان کو کسی دعوت و مجلس میں بلایا نہ جائے۔ اور اگر وہ بلائے بھی جائیں تو پاس نہ بٹھائے جائیں۔ (لیکن باطنی و روحانی طور پر ان کا مقام بہت بلند ہوتا ہے) ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں (جن کے نور سے راہ راست پائی جاتی ہے) اور یہ لوگ ہر تاریک زمین سے نکل کر آتے ہیں۔

اس روایت میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین نصیحتیں فرمائی ہیں۔

پہلی نصیحت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جن نصیحتوں کو یاد کر کے رو رہے تھے، اُن میں پہلی نصیحت یہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ يَسِيرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ

بلاشبہ ہلکے درجے کی ریاکاری بھی شرک ہے۔

ریا کی تعریف

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ریا کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے بندوں کے علاوہ کو دکھانا۔ (احیاء العلوم مترجم: ۳/ ۴۴۲)

ریاکاری کی مذمت

قرآن وحدیث میں ریاکاری پر شدید وعیدیں آئی ہیں۔ ذیل میں کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا:

﴿يُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا﴾ [النساء: ۱۴۲]

لوگوں کے سامنے دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

(۲) سورۂ ماعون میں ارشاد فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُونَ﴾ [الماعون: ٦]

اور وہ لوگ جو دکھاوا کرتے ہیں۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے کہ میں دوسرے تمام شریکوں کے مقابلے میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں، جو کوئی ایسا عمل کرے جس میں وہ میرے ساتھ میرے علاوہ کسی اور کو بھی شریک کرے تو میں اس کو اس کے شرک سمیت چھوڑ دیتا ہوں۔(مسلم: كتاب الزهد والرقائق/باب من أشرك في عمله غير الله/رقم الحديث: ۲۹۸۵)

(۴) حضرت ابوسعید بن ابی فضالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ لوگوں کو روز قیامت، جس میں کوئی شک نہیں، حساب کے لیے جمع فرمائے گا تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ جس نے کسی ایسے عمل میں، جسے اس نے اکیلے اللہ کے لیے کیا تھا، شریک بنایا تو وہ اپنا ثواب، اللہ کے علاوہ کسی اور سے طلب کرے، کیونکہ اللہ دوسرے تمام شریکوں کے مقابلے میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہے۔(إبن ماجة: كتاب الزهد/باب الرياء والسمعة/رقم الحديث: ۴۲۰۳)

(۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم مسیح دجال کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں اس چیز کے متعلق نہ بتاؤں جس کا مجھے، تمھارے متعلق، مسیح دجال سے بھی زیادہ اندیشہ ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ضرور بتائیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شرک خفی، وہ یہ ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے اور جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی شخص مجھے دیکھ رہا ہے تو وہ اسے دکھانے کے لیے اپنی نماز لمبی کر دیتا ہے، آہستہ آہستہ لمبی قراءت کے ساتھ زیادہ وقت لگاتا ہے۔(إبن ماجة: كتاب الزهد/باب الرياء والسمعة/رقم الحديث: ۴۲۰۴)

(٦) حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تمھارے متعلق شرک اصغر کا سب سے زیادہ اندیشہ ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! شرک اصغر سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ریاکاری۔ (مسند أحمد: مسند الأنصار/حديث محمود لبيد رضى الله عنه/رقم الحديث: ٢٣٦٣٦)

(٧) حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص دکھلاوے کی خاطر نماز پڑھتا ہے تو اس نے شرک کیا، جو شخص دکھلاوے کی خاطر روزہ رکھتا ہے تو اس نے شرک کیا، اور جو شخص دکھلاوے کی خاطر صدقہ کرتا ہے تو اس نے شرک کیا۔ (إبن ماجة: كتاب الزهد/باب الرياء والسمعة/رقم الحديث: ٤٢٠٥)

دوسری نصیحت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جن نصیحتوں کو یاد کر کے رو رہے تھے، اُن میں دوسری نصیحت یہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَإِنَّ مَنْ عَادَى لِلَّهِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ اللَّهَ بِالْمُحَارَبَةِ

کہ جس شخص نے اللہ کے دوست سے دشمنی اختیار کی (یعنی اولیاء اللہ کو اپنے کسی قول و فعل سے تکلیف پہنچائی یا ان کو غصہ دلایا) تو اس نے گویا اللہ سے مقابلہ کیا اور اس کے ساتھ جنگ کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ستانا اور اُن کی بد دعائیں لینا اپنی دنیا و آخرت کی بربادی کا سبب ہے۔ ذیل کے چند واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی بد دعا

حدیث شریف میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی بدعا کا واقعہ ملتا ہے۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے۔ عشرۂ مبشرہ میں آپ کا شمار ہے۔

عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ سے متعلق اروٰی بنت اوس نے مروان بن حکم کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا اور دعویٰ کیا کہ انھوں نے میری کچھ زمین حاصل کر لی ہے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث سن لینے کے بعد بھی ان کی زمین کے کچھ حصہ پر قبضہ کروں گا؟ مروان نے کہا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا سنا ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے بالشت بھر زمین ناحق حاصل کی تو اسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ (بخاری: کتاب بدء الخلق / باب ماجاء فی سبع أرضین / رقم الحدیث: ۳۱۹۸)

تب مروان نے کہا کہ اس کے بعد میں آپ سے کوئی ثبوت نہیں مانگتا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اگر وہ جھوٹی ہے تو اسے اندھی بنا دے اور اسے اس کی زمین میں موت دے۔ راوی بیان کرتے ہیں، جب وہ فوت ہوئی تو وہ اندھی ہو چکی تھی اور وہ اپنی زمین میں چل رہی تھی کہ ایک گڑھے میں گری اور فوت ہو گئی۔

اور صحیح مسلم میں اس کے ہم معنی روایت ہے کہ انھوں نے اسے بینائی سے محروم دیواروں کو ٹٹولتے ہوئے دیکھا، اور وہ کہتی تھی کہ مجھے سعید کی بددعا لگ گئی اور وہ گھر کے اس کنویں کے پاس سے گزری جس کے متعلق اس نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے مقدمہ کیا تھا، وہ اس میں گری اور وہی اس کی قبر بنی۔ (مسلم: کتاب المساقات / باب تحریم الظلم و غصب الأرض و غیرھا / رقم الحدیث: ۱۶۱۰) (اللہ سے شرم کیجیے / ص: ۲۳۷)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ستانے والے حاکم کا انجام

جب حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نیشا پور تشریف لے گئے اور وہاں اُن کا درس مقبول ہونے لگا، تو چند ہی دن کے بعد خلق قرآن کا اختلافی مسئلہ چھیڑ کر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر الزام لگایا۔ جس کی وجہ سے آپ کا حلقۂ درس ختم ہو گیا۔ اِس لیے آپ اپنے وطن بخارا کی طرف روانہ ہوئے۔

جب اہل وطن کو معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وطن واپس لوٹ رہے ہیں تو انھیں بے حد خوشی ہوئی، انھوں نے بخارا سے کئی منزل پہلے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی پیشوائی کے لیے خیمے نصب کر دیے اور بڑے تزک واہتمام اور شان وشوکت سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو شہر لے کر آئے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخارا میں درس قائم کر دیا اور اطمینان سے پڑھانے میں مصروف ہو گئے۔

حاسدین نے یہاں بھی حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا پیچھا نہ چھوڑا وہ خلافت عباسیہ کے نائب خالد بن احمد ذہلی والیٔ بخارا کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کہیے کہ وہ آپ کے صاحبزادے کو گھر آ کر پڑھایا کریں جب والیٔ بخارا نے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمائش کی تو آپ نے فرمایا کہ میں علم کو سلاطین کے دروازے پر لے جا کر ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔ جس شخص کو بھی پڑھنے کی ضرورت ہے اس کو میرے درس میں آنا چاہیے۔ والیٔ بخارا نے کہا کہ اگر میرا لڑکا درس میں آئے تو وہ عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں پڑھے گا آپ کو اسے علیحدہ پڑھانا ہو گا۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میں کسی شخص کو احادیث رسول کی سماعت سے روک نہیں سکتا۔ یہ جواب سن کر حاکم ناراض ہو گیا اور

اس نے ابن الوقت علما سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف فتویٰ حاصل کر کے انھیں شہر سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن میں آ کر بے وطن ہونے پر بہت آزردہ ہوئے۔ابھی ایک ماہ بھی نہ گذرا تھا کہ خلیفہ نے والی بخارا خالد بن احمد ذہلی کو معزول کر دیا اور اسے گدھے پر سوار کرا کے محل سے نکالا گیا اور قید خانے میں بند کر دیا گیا، جہاں وہ انتہائی ذلت اور رسوائی سے چند دن گذارنے کے بعد ہلاک ہو گیا۔اسی طرح جن لوگوں نے امیر بخارا کی معاونت کی تھی، وہ سب مختلف بلاؤں میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئے۔(انوار ہدایت رص: ۱۷۳، ۱۷۴)

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے والد کو ستانے والے کا انجام

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے والد اپنے زمانے کے بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ان کی خدمت میں بادشاہِ وقت بھی آتا تھا۔جب بادشاہِ وقت نے دیکھا کہ مجلس کا عجیب حال ہے کہ وزیر اعظم بھی وہاں موجود ہے، اور دوسرے اور تیسرے نمبر کے وزرا بھی وہاں موجود ہیں اور سلطنت کے بڑے بڑے حکام وسر کردہ لوگ سارے وہاں موجود ہیں۔اور دوسری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہیں تو بڑے بڑے تاجر بھی وہاں موجود ہیں اور تیسری طرف دیکھتے ہیں تو علما اور صلحا بھی وہاں بیٹھے ہیں تو بادشاہ کو حیرت ہوئی کہ میرے دربار میں تو یہ لوگ آتے نہیں ہیں اور یہاں اس شان اور اتنی قدر کے ساتھ آ کر بیٹھے ہوئے ہیں کہ ہر ایک کی صورت سے سراپا محبت اور عظمت ٹپک رہی ہے اور ان کی بزرگی سب پر چھائی ہوئی ہے۔

تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد بادشاہ کو بجائے حیرت کے غیرت پیدا ہونا شروع ہو گئی،

تو بادشاہ نے یہ تدبیر سوچی کہ ان کو مال اور خزانے میں پھنسا دیا جائے۔ چناں چہ یہ کہہ کر ان بزرگ کے پاس خزانے کی کنجیاں بھیج دیں کہ میرے پاس اور کچھ تو رہا نہیں سب آپ کے پاس ہے، پس یہ خزانے کی کنجیاں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ رومی رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے کنجیاں یہ کہہ کر واپس کردی کہ آج بدھ کا دن ہے اور کل تک مجھے مہلت دیجیے۔ پرسوں جمعہ ہے، میں جمعہ کی نماز پڑھ کر آپ کا شہر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ سب چیزیں آپ کو مبارک ہوں۔

یہ خبر لوگوں کے درمیان اڑ گئی تو وزیروں کی طرف سے استعفا کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ایک وزیر کا استعفا آیا، پھر دوسرے کا آیا، پھر تیسرے کا آیا کہ جب حضرت یہاں سے جا رہے ہیں تو ہم بھی جا رہے ہیں۔ شہر کے جو بڑے معزز باوقار لوگ تھے وہ بھی چلے جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ جب بادشاہ نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگا اگر یہ سب چلے جائیں گے تو شہر کی روح نکل جائے گی اور شہر کی جتنی رونق ہے سب ختم ہو جائے گی۔ اس لیے خود حاضر ہو کر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے والد سے معافی مانگی کہ مجھ سے گستاخی ہوگئی میں معافی چاہتا ہوں، آپ یہاں سے تشریف نہ لے جائیں۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم نے ہر چیز کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے مقابلے میں قربان کر دیا تھا، اس کے نتیجے میں اللہ نے ہر شخص کے دل میں ان کی محبت پیدا فرمادی تھی اور اللہ نے ان کو کامل ولایت عطا فرمائی تھی، اور جو اللہ کے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس سے انتقام لیتے ہیں۔ (انوارِ ہدایت، ص: ۱۷۴، ۱۷۵)

تیسری نصیحت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جن نصیحتوں کو یاد کر کے رو رہے تھے، اُن میں تیسری

نصیحت یہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْأَبْرَارَ الْأَتْقِيَاءَ الْأَخْفِيَاءَ، الَّذِينَ إِذَا غَابُوا لَمْ يُفْتَقَدُوا، وَإِنْ حَضَرُوا لَمْ يُدْعَوْا وَلَمْ يُعْرَفُوا، قُلُوبُهُمْ مَصَابِيحُ الْهُدَى، يَخْرُجُونَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ

یقیناً اللہ تعالیٰ اُن بندوں کو پسند کرتا ہے جو نیک ہوتے ہیں۔

ابرار کے معنیٰ

عام طور پر ابرار کا ترجمہ نیک کیا جاتا ہے، لیکن حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ابرار کا مطلب بیان فرمایا:

الذين لا يؤذون الذر ولا يرضون الشر۔

یعنی ابرار وہ ہیں جو چونٹیوں کو بھی تکلیف نہیں دیتے اور شر پر راضی نہیں ہوتے۔ (الهداية إلى بلوغ النهاية: ۱۲/۷۹۱۱)

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن بندوں کو پسند کرتا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہوتے ہیں، صفت تقویٰ سے آراستہ ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن بندوں کو پسند کرتا ہے جو مخفی طور پر اور چپکے چپکے عمل کرنے والے ہوتے ہیں۔

چپکے چپکے عمل کرنے کا ایک بہترین واقعہ

بخاری شریف میں خفیہ اور چپکے چپکے عمل کرنے کا ایک بہترین اور سبق آموز واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے (بنی اسرائیل میں سے) کہا کہ مجھے ضرور صدقہ آج رات دینا ہے۔ چناں چہ وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا اور ناواقفی سے ایک چور کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ صبح ہوئی تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ آج رات کسی نے چور کو صدقہ دے دیا۔ اس شخص نے کہا کہ اے اللہ! تمام تعریف تیرے ہی لیے ہے۔ آج رات میں پھر ضرور صدقہ کروں گا۔ چناں چہ وہ دوبارہ صدقہ لے کر نکلا اور اس مرتبہ ایک فاحشہ کے ہاتھ میں دے آیا۔ جب صبح ہوئی تو پھر لوگوں میں چرچا ہوا کہ آج رات کسی نے فاحشہ عورت کو صدقہ دے دیا۔ اس شخص نے کہا اے اللہ! تمام تعریف تیرے ہی لیے ہے کہ میں زانیہ کو اپنا صدقہ دے آیا۔ اچھا! آج رات پھر ضرور صدقہ نکالوں گا۔ چناں چہ اپنا صدقہ لیے ہوئے وہ پھر نکلا اور اس مرتبہ ایک مالدار کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ صبح ہوئی تو لوگوں کی زبان پر ذکر تھا کہ ایک مالدار کو کسی نے صدقہ دے دیا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ اے اللہ! حمد تیرے ہی لیے ہے۔ میں اپنا صدقہ لاعلمی سے چور، فاحشہ اور مالدار کو دے آیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا کہ جہاں تک چور کے ہاتھ میں صدقہ چلے جانے کا سوال ہے، تو اس میں اس کا امکان ہے کہ وہ چوری سے رک جائے۔ اسی طرح فاحشہ کو صدقہ کا مال مل جانے پر اس کا امکان ہے کہ وہ زنا سے رک جائے اور مالدار کے ہاتھ میں پڑ جانے کا یہ فائدہ ہے کہ اسے عبرت ہو اور پھر جو اللہ عزوجل نے اسے دیا ہے وہ خرچ کرے۔ (بخاری: کتاب الزکاۃ/باب إذا تصدق علی غنی وھو لا یعلم/رقم الحدیث: ۱۴۲۱)

مخصوص بندوں کی صفات

اِن مخصوص بندوں کی صفات اور پہچان یہ ہے کہ ان کی ظاہری حالت تو اتنی خستہ اور

عام نگاہوں میں اس قدر نا قابل توجہ ہوتی ہے کہ جب وہ نظروں سے غائب ہوں تو ان کو پوچھا نہ جائے اور جب موجود ہوں تو ان کو کسی دعوت و مجلس میں بلایا نہ جائے۔ اور اگر وہ بلائے بھی جائیں تو پاس نہ بٹھائے جائیں، لیکن باطنی و روحانی طور پر ان کا مقام بہت بلند ہوتا ہے، ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں، جن کے نور سے راہ راست پائی جاتی ہے اور یہ لوگ ہر تاریکیوں سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔

مقبولیت کا مدار

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کا مدار صورت اور شکل پر نہیں، بلکہ سیرت پر، اعمال پر اور دلوں کی صفائی پر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور تمھارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تو تمھارے دلوں اور تمھارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔ (مسلم: کتاب البر والصلة والآداب / باب تحریم الظلم المسلم، رقم الحدیث: ۲۵۶۴)

دل کی صفائی

نیز اِس روایت سے معلوم ہوا کہ دل کی صفائی از حد ضروری ہے۔ دل جسمِ انسانی میں قدرت الٰہی کی عظیم نشانی ہے۔ یہ بظاہر گوشت کا ایک ٹکڑا اور خون پمپ کرنے کا قدرتی آلہ ہے لیکن معنوی و روحانی اعتبار سے معرفت ربانی کا مرکز و منبع ہے۔ ظاہری و باطنی صلاح و فساد کا اسی سے گہرا ربط و تعلق ہے۔ اسی لیے تو فرمایا کہ دل درست تو سب درست اور دل خراب تو سب خراب۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حلال

واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں۔ بہت سے لوگ انھیں نہیں جانتے، پس جو شخص شبہات سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا، اور جو شخص شبہات میں مبتلا ہوگیا تو وہ حرام میں مبتلا ہوگیا، جیسے وہ چرواہا جو چراگاہ کے آس پاس چراتا ہے، تو قریب ہے کہ وہ اس (چراگاہ) میں چرائے گا، سن لو! بے شک ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے، سن لو! بے شک اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں: سن لو! جسم میں ایک لوتھڑا ہے، جب وہ درست ہوجاتا ہے تو سارا جسم درست ہوجاتا ہے، اور جب وہ خراب ہوجاتا ہے تو سارا جسم خراب ہوجاتا ہے، یاد رکھو! وہ دل ہے۔ (ابوداود: کتاب البیوع والاجارات / باب فی اجتناب الشبہات / رقم الحدیث: ۳۳۲۹)

غرض! یہ بڑی جامع وقیمتی نصیحتیں ہیں، اس پر عمل کرنا دنیا وآخرت کی کامیابی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نصیحتوں پر عمل کرنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبي الکریم

مضمون: (۱۹)

نجات کا نسخہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا النَّجَاةُ ؟ قَالَ :أَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ (ترمذی: أبواب الزهد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم / باب ماجاء فی حفظ اللسان / رقم الحدیث: ۲۴۰۶)

تمہید

یہ ترمذی شریف کی ایک روایت ہے۔ اس روایت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین جامع نصیحتیں ارشاد فرمائی ہیں، جو دراصل دونوں جہاں کی کامیابی اور نجات کا نسخہ ہے۔ اس حدیث شریف کو مشہور صحابی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا تعارف

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول ہیں، جو اصحاب صفہ میں بھی شامل ہیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ آئے تو عقبہ بکریاں چرا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر سن کر بکریاں چھوڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھ سے بیعت لیجیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا بیعت عربیہ کرنا چاہتے ہو یا بیعت ہجرت؟ کہا بیعت ہجرت۔ چناں چہ بیعت کر کے مدینہ میں مقیم ہو گئے۔ (تاریخ مدینۃ دمشق: ۴۰/ ۴۸۶)

ان کے متعلق غزوات میں شرکت کا پتہ نہیں چلتا۔ عہدِ فاروقی میں شام کی فتوحات میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ دمشق کی فتح کا مژدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہی لائے تھے۔ جنگ صفین میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے اور ان ہی کی حمایت میں لڑے، مصر پر تسلط کے بعد عتبہ ابن ابی سفیان کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے حاکم رہے انھوں نے ان کو وہاں کا امیر الخراج بنایا اور نماز کی امامت کا منصب بھی عطا کیا۔ سن ہجری ۵۷ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایما سے روڈس پر حملہ کیا، لیکن جنگ کے دوران معزول کر دیے گئے اور ان کی جگہ دوسرے کا تقرر ہوا، معزولی کے بعد جنگ سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔ (الإصابة في معرفة الصحابة: ۴۸۹/۲)

فضل وکمال

علم وفضل کے اعتبار سے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ممتاز شخصیت رکھتے تھے، قرآن، حدیث، فقہ، فرائض اور شاعری سب میں امتیازی ملکہ تھا، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فقیہ، کتاب اللہ کے قاری، فرائض کے ماہر، فصیح اللسان، شاعر اور بلند مرتبہ شخص تھے۔

قرآن کی تلاوت سے خاص ذوق تھا اور بڑے ذوق وشوق سے اس کی تعلیم حاصل کرتے تھے بعض بعض سورتیں خود زبان وحی والہام سے سیکھی تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں سے چمٹ گئے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھ کو سورۂ ہود اور یوسف پڑھایئے، اس ذوق وشوق نے ان کو قرآن کا قاری بنا دیا تھا، ایک قرآن انھوں نے خود مرتب کیا تھا، اس کی ترتیب عثمانی مصحف سے مختلف تھی، یہ نسخہ نویں صدی ہجری تک مصر میں موجود تھا، اور اس کے اخیر میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے دست وقلم کی لکھی ہوئی یہ تحریر موجود تھی،

یہ قرآن حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا۔(تذکرۃ الحفاظ: ۱/۳۶، تھذیب التھذیب:۷/۲۴۳)

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی تہی دامن نہ تھے۔ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۵ ہے۔ان کے علم کے مقابلے میں یہ تعداد بہت کم ہے؛لیکن اکابر صحابہ تک بڑی بڑی مسافت طے کر کے ان سے استفادے کے لیے آتے تھے۔حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ صرف ایک حدیث سننے کے لیے خاص طور پر مدینہ سے مصر آئے اور سن کر فوراً واپس ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو حبر الامۃ تھے، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے خوشہ چینی کرتے تھے، ان کے تلامذہ کی تعداد کافی تھی، ان میں ابوامامہ قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ، جبیر بن نضیر رحمۃ اللہ علیہ، وخین بن عامر رحمۃ اللہ علیہ، ربعی بن خراشی رحمۃ اللہ علیہ، عبدالرحمٰن ابن شمامہ رحمۃ اللہ علیہ، علی بن رباح رحمۃ اللہ علیہ قابل ذکر ہیں۔فقہ میں بھی آپ کو یدطولی حاصل تھا۔(تھذیب الکمال /ص: ۲۶۹)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو مذہبی علوم کے علاوہ عرب کے دوسرے مروجہ علوم خطابت وشاعری میں بھی دخل تھا خود بھی خوش گوشاعر تھے۔

احتیاط

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ، گو بلند پایہ صحابی تھے، لیکن مذہبی ذمے داری سے بہت گھبراتے تھے وہ اگرچہ ایک زمانے میں مصر میں امامت کے عہدے پر رہ چکے تھے؛ لیکن پھر اس میں احتیاط کرنے لگے تھے۔ ابو علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں لوگوں نے درخواست کی کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں، اس لیے آپ نماز پڑھائیے، فرمایا نہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے جس نے امامت کی اور صحیح وقت پر پورے شرائط کے

ساتھ نماز پڑھائی تو امام اور مقتدی دونوں کے لیے باعث اجر ہے، اور اگر اس میں کوئی فروگذاشت ہوئی تو امام ماخوذ ہوگا اور مقتدی بری الذمہ ہوں گے۔(فتوح الشام للواقدی: ۲/ ۲۳۵)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کا شرف

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گزاری ان کا خاص مشغلہ تھا۔ چناں چہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کھینچنے کی خدمت ان ہی کے متعلق ہوتی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا میں سواری اقدس کھینچ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، عقبہ! میں تم کو دو بہترین سورتیں پڑھنے کے قابل بتاتا ہوں، میں نے عرض کیا، ارشاد فرمائیے، فرمایا: ''قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس''۔(مسند أحمد: مسند الشامیین/حدیث عقبة بن عامر الجهنی رضی اللہ عنه/رقم الحدیث: ۱۷۳۵۰)

ذاتِ نبوی کا احترام

ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتنا احترام ملحوظ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر بیٹھنا بھی سوئے ادب سمجھتے تھے، ایک مرتبہ سفر میں مفوضہ خدمت انجام دے رہے تھے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواری بٹھادی اور خود اتر کر فرمایا عقبہ! اب تم سوار ہولو، عرض کیا سبحان اللہ یا رسول اللہ! میں اور آپ کی سواری پر سوار ہوں! دوبارہ پھر آپ نے حکم دیا، انھوں نے وہی عرض کیا ، جب زیادہ اصرار بڑھا تو'' الأمر فوق الأدب'' کے خیال سے بیٹھ گئے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی جگہ سواری کھینچنے لگے۔(فتوح الشام للواقدی: ۲/ ۲۹۵)

پردہ پوشی آپ کا وصف خاص

اللہ تعالیٰ نے بڑے کمالات سے نوازتھا۔ پردہ پوشی آپ کا خاص وصف تھا۔ ابوداود شریف اور نسائی شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے منشی حضرت دُخین ابوالہیثم کہتے ہیں میں نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے کہا ہمارے چند پڑوسی شراب پیتے ہیں، میں اُن کے لیے پولیس کو بلانا چاہتا ہوں تا کہ وہ ان کو پکڑ لیں۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا ایسا نہ کرو بلکہ ان کو وعظ و نصیحت کرو اور ان کو ڈراؤ! میں نے کہا میں نے ان کو روکا تھا لیکن وہ رکے نہیں، اس لیے میں تو اب ان کے لیے پولیس کو بلانا چاہتا ہوں تا کہ وہ ان کو پکڑ لیں۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا تمھارا ناس ہو! ایسا نہ کرو! کیوں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے کسی مسلمان کے عیب کو چھپایا تو گویا اس نے زندہ درگور لڑکی کو نئی زندگی بخشی۔ (أبو داود: کتاب الأدب/باب في الستر على المسلم/رقم الحديث: ۴۸۹۲)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے صرف ایک حدیث شریف حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے سننے کے لیے مدینہ منورہ سے مصر کا سفر فرمایا۔ جب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مصر پہونچنے کی اطلاع ملی تو امیرِ مصر نے ان کا استقبال کیا اور مصر جا کر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے براہ راست وہ حدیث سنی اور وہ حدیث پردہ پوشی کے متعلق تھی۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ جو شخص دنیا میں کسی مؤمن کے عیب چھپاتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ (انوار ہدایت/ص: ۴۹۵)

مشہور قول کے مطابق آپ کی وفات سن ۵۸ ہجری میں ہوئی۔ (تاريخ مدينة دمشق: ۴۰/۴۹۱)

حدیث مذکور کا ترجمہ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اور چاہیے کہ تم کو تمھارا گھر کافی ہو جائے اور اپنے گناہوں پر روتے رہو۔

پہلی نصیحت

مذکورہ روایت میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ انسانی اعضا میں زبان بڑی اہمیت رکھتی ہے، اسے علما نے دو دھاری تلوار قرار دیا ہے، یہ حق میں بھی چلتی ہے اور باطل میں بھی۔ انسان کی زبان زندوں پر بھی چلتی ہے اور کبھی مُردوں کو بھی نہیں بخشتی۔ اس لیے انسان جو بول اپنی زبان سے نکالے، سوچ سمجھ کر نکالے، ساتھ ساتھ اپنی گفتگو کے بارے میں یہ سوچ بھی رکھے کہ میرا کہا ہوا سب کچھ لکھا جا رہا ہے، مجھے اپنے ہر ہر بول کا حساب دینا ہوگا، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، کیا میں اس کا حساب دے سکتا ہوں؟ حق جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝﴾ [ق:۱۸]

انسان کوئی لفظ زبان سے نہیں نکال پاتا، مگر اُس پر ایک نگران مقرر ہوتا ہے ہر وقت (لکھنے کے لیے) تیار۔

زبان کی حفاظت کے متعلق احادیث

متعدد روایات میں زبان کو قابو میں رکھنے اور اِس کی حفاظت کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ بہ طورِ نمونہ چند روایات نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے ضمانت دے اس چیز کی حفاظت کی جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان کی حفاظت کی) اور اس چیز کی حفاظت کی جو اس کی دونوں رانوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ کی حفاظت کی)، میں اس کے لیے جنت کی ضمانت اور ذمے داری لیتا ہوں۔ (بخاری: کتاب الرقاق/باب حفظ اللسان/رقم الحدیث: ۶۴۷۴)

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان جب صبح کرتا ہے تو انسان کے بدن کے جمیع اعضا زبان سے کہتے ہیں کہ تو سیدھی رہنا اگر تو سیدھی رہی تو ہم سیدھے رہیں گے اور اگر تجھ میں کجی اور ٹیڑھا پن پیدا ہو گیا تو ہم ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ (ترمذی: أبواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب ماجاء فی حفظ اللسان/رقم الحدیث: ۲۴۰۷)

(۳) حضرت سفیان ابن عبداللہ شقفی رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھ پر سب سے زیادہ خوف کس چیز کا کرتے ہیں؟ آپ نے زبان پکڑ کر فرمایا کہ اس کا۔ (ترمذی: أبواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب ماجاء فی حفظ اللسان/رقم الحدیث: ۲۴۱۰)

(۴) ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم چھ چیزوں کی حفاظت کی ذمہ داری لو تو میں تمھارے لیے جنت کی ذمے داری لیتا ہوں۔ جب بات کرو تو سچ بولنے کی، جب وعدہ کرو تو اُسے پورا کرنے کی، جب امانت رکھی جائے تو اُسے ادا کرنے کی، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کی، اپنی نظروں کو پست رکھنے کی اور اپنے ہاتھوں کو ظلم سے روکنے

کی۔ (مسند أحمد: مسند الأنصار/حدیث عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۲۲۷۵۷)

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی زبان کی حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ اور جو اپنے غصہ کو قابو میں رکھے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنا غصہ دور فرمائیں گے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معذرت پیش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی معذرت قبول فرمائیں گے۔ (مشکوۃ المصابیح/ص: ۴۳۴)

دو بہترین اور دو بدترین

حضرت لقمان حکیم علیہ السلام کو ان کے آقا نے حکم دیا کہ جاؤ بکریاں ذبح کرو اور دو بہترین چیز لے آؤ۔ چنانچہ حضرت لقمان حکیم علیہ السلام گئے اور بکری ذبح کی اور اس میں سے دل اور زبان لے کر آئے اور آقا کی خدمت میں پیش کی۔ پھر آقا نے حکم دیا کہ جاؤ بکری ذبح کرو اور اس میں سے دو بدترین چیز لے کر میرے پاس آؤ۔ چنانچہ حضرت لقمان حکیم علیہ السلام گئے اور بکری ذبح کی اور دل اور زبان لے کر آئے۔ آقا کو بڑا تعجب ہوا کہ جب میں نے تم سے بہترین چیز طلب کی تب بھی تم دل اور زبان لائے اور جب بدترین چیز طلب کی تب بھی دل اور زبان لائے، ایسا کیوں؟ جواب دیا کہ آقا! یہی دو چیزیں ایسی ہیں کہ اگر یہ دونوں درست رہیں تو پورا بدن درست رہتا ہے اور اگر یہ دونوں خراب ہیں تو پورا بدن خراب ہے۔

(تفسیر معالم العرفان: ۱۵/۵۶)

زبان کی حفاظت پر اسلاف کا طرز عمل

(۱) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ منصور بن معتمر رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں، جنھوں نے چالیس سال تک عشا کے بعد کوئی لفظ اپنی زبان سے نہیں نکالا۔ (احیاء العلوم مترجم: ۱۷۶/۳)

آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہماری ساری فضول گفتگو کا آغاز عشا کے بعد سے ہوتا ہے اور فجر کی نماز بستر کی نذر ہو جاتی ہے۔

(۲) اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ علیہ کا بیس سال تک یہ معمول رہا کہ انھوں نے کوئی دنیوی گفتگو نہیں کی۔ صبح ہوتے ہی اپنے ہاتھ میں کاغذ اور قلم لے لیتے اور جو کچھ زبان سے بولا، اس کو لکھ لیتے اور رات کو سوتے وقت اس کا محاسبہ کیا کرتے تھے۔ (احیاء العلوم مترجم: ۱۷۶/۳)

(۳) حضرت حسان بن سنان رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں۔ ان کے متعلق یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے تو آپ نے کسی جگہ ایک مکان بنا ہوا دیکھا۔ آپ کی زبان سے نکلا کہ یہ مکان کب تعمیر ہوا؟ کہنے کو تو یہ جملہ کہہ گئے بعد میں احساس ہوا کہ میں نے اپنی زبان سے یہ جملہ کیوں نکالا؟ ایک فضول اور غیر ضروری جملہ زبان سے نکلنے پر انھوں نے اپنے نفس کو خطاب کر کے یہ کہا کہ اب تیری یہ سزا ہے کہ میں ایک سال تک روزے رکھوں گا۔ (احیاء العلوم مترجم: ۵۸۴/۴)

(۴) اسی طرح حضرت رباح قیسی رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے بزرگ ہیں۔ وہ کسی دوسرے بزرگ کے ملاقات کے لیے عصر کے بعد گئے۔ ان کے گھر والوں نے بتایا کہ وہ سو رہے ہیں۔ ان کی زبان سے نکلا کہ کیا یہ سونے کا وقت ہے؟ کہنے کو تو یہ جملہ کہہ دیا بعد میں احساس ہوا۔

دوسری طرف وہ بزرگ بیدار ہوئے تو انھوں نے کہا ارے وہ تو بڑے آدمی ہیں، جاؤ ان کو بلاؤ۔ جب گھر والے تلاش کے لیے نکلے تو دیکھا وہ قبرستان کی طرف جارہے ہیں اور اپنے نفس کو خطاب کر کے کہہ رہے ہیں کہ تجھے کس نے اختیار دیا ہے کہ تو یہ کہے کہ یہ بھی کوئی سونے کا وقت ہے؟ اپنے نفس کو خطاب کر کے کہا کہ اب تیری سزا یہ ہے کہ میں ایک سال تک اپنی پشت بستر سے نہیں لگاؤں گا۔ (احیاء العلوم مترجم: ۴/ ۵۸۴)

اگر بولنے میں کمال ہوتا

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی پتے کی بات بیان کی ہے کہ اگر واقعی بولنے میں خوبی اور کمال ہوتا تو سب سے زیادہ کلام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے۔ اس لیے کہ اللہ رب العزت نے آپ کی زندگی کو قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے اسوہ اور نمونہ بنایا ہے۔ لہٰذا قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کی اصلاح کے اصول بیان کرنا آپ کی ذمے داری ہے۔ پس آپ جتنا بھی کلام کرتے وہ کم تھا، مگر اس کے باوجود بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلسیں سکوت کی ہوا کرتی تھیں۔ (معارف الحدیث: ۲/ ۱۵۸)

معلوم ہوا کہ کثرت کلام میں ہلاکت ہے اور خاموش رہنے میں نجات ہے۔ اسی لیے تمام حکما کا اتفاق ہے کہ زیادہ بولنے والا بے وقوف ہے۔

خاموشی کی اہمیت

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو چپ رہا جس نے خاموشی اختیار کی اس نے نجات پائی۔ (ترمذی: أبواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ رقم الحدیث: ۲۵۰۱)

(۲) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا ایک گھڑی چپ رہنا ساٹھ سال کی عبادت سے افضل اور بہتر ہے۔ (مشکوۃ المصابیح/ص: ۴۱۴)

حفاظت زبان کا عجیب نسخہ

حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے استاذ محترم حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے عجیب وغریب بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ جب ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو فرمایا کہ مولوی شفیع! آج تم اور ہم عربی میں بات کریں گے۔ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا حضرت ایسا کیوں؟ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ جب ہم اپنی زبان میں بات کرتے ہیں تو ہماری زبان قابو میں نہیں رہتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم جو چاہتے ہیں بولتے جاتے ہیں۔ لیکن جب ہم اپنی مادری زبان سے ہٹ کر عربی زبان میں بات کریں گے تو عربی بولنے کی نہ تمھیں زیادہ مشق ہے نہ مجھے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم بقدر ضرورت ہی کلام کریں گے اس کے ذریعے ہماری زبان محفوظ رہے گی۔ دیکھئے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زبان کی حفاظت کا کتنا سہل نسخہ بتادیا۔ (اصلاحی مجالس: ۵/ ۶۲)

دوسری نصیحت

مذکورہ روایت میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ چاہیے کہ تمھارا گھر تمھیں کافی ہوجائے، یعنی تم زیادہ اوقات اپنے گھر میں رہا کرو، یعنی بری مجلسوں اور برے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے کے بجائے یکسوئی کے ساتھ اپنے گھر میں

رہا کرو، اور اپنے گھر میں رہنے کو اپنے لیے غنیمت جانو، اس لیے کہ یکسوئی کے ساتھ گھر میں رہنا، بہت سارے فتنوں، فسادات اور برائیوں سے نجات پانے کا ذریعہ اور سبب ہے۔ جب انسان کا گھر سے باہر کوئی دینی یا دنیاوی کام نہ ہو، کوئی ضرورت اور حاجت نہ ہو تو اب بلاضرورت گھر سے باہر رہنا، بلاضرورت گھومتے پھرتے رہنا، یہ شریعت میں پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

اچھی و بری صحبت کے متعلق احادیث

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اچھے اور برے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے مشک والا اور لوہاروں کی بھٹی تو مشک والے کے پاس سے تم بغیر فائدے کے واپس نہ ہو گے یا تو اسے خریدو گے یا اس کی بو پاؤ گے اور لوہار کی بھٹی تمھارے جسم کو یا تو تمھارے کپڑے کو جلا دے گی یا تم اس کی بدبو سونگھو گے۔ (بخاری: کتاب الذبائح و الصید/ باب المسک/ رقم الحدیث: ۵۵۳۴)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، پس چاہیے کہ تم میں سے ہر شخص اپنے دوست کو دیکھے۔ (أبوداود: أول کتاب الأدب، باب من یؤمر أن یجالس/ رقم الحدیث: ۴۸۳۴)

(۳) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔ (بخاری: کتاب الأدب/ باب علامۃ حب اللہ عزوجل/ رقم الحدیث: ۶۱۶۸)

(۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صرف

مؤمن شخص کی صحبت اختیار کر، اور تیرا کھانا صرف متقی شخص کھائے۔(أبو داود: أول کتاب الأدب/باب من یؤمر أن یجالس/رقم الحدیث: ۴۸۳۲)

بری دوستی کا انجام

عقبہ ابن ابی معیط مکہ کے مشرک سرداروں میں سے تھا اس کی عادت تھی کہ جب کسی سفر سے واپس آتا تو شہر کے معزز لوگوں کی دعوت کرتا تھا اور اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے بھی ملا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حسب عادت اس نے معززین شہر کی دعوت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بھی بلایا۔ جب اس نے آپ کے سامنے کھانا رکھا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمھارا کھانا اس وقت تک نہیں کھا سکتا جب تک تم اس کی گواہی نہ دو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک عبادت میں نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ عقبہ نے یہ کلمہ پڑھ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے شرط کے مطابق کھانا تناول فرمایا۔

عقبہ کا ایک گہرا دوست ابی بن خلف تھا جب اس کو خبر لگی کہ عقبہ مسلمان ہوگیا تو یہ بہت برہم ہوا۔ عقبہ نے عذر کیا کہ قریش کے معزز مہمان محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) میرے گھر پر آئے ہوئے تھے، اگر وہ بغیر کھانا کھائے میرے گھر سے چلے جاتے تو میرے لیے بڑی رسوائی تھی، اس لیے میں نے ان کی خاطر سے یہ کلمہ کہہ لیا۔ ابی بن خلف نے کہا کہ میں تیری ایسی باتوں کو قبول نہیں کروں گا جب تک تو جا کر ان کے منہ پر نہ تھوکے۔ یہ کم بخت بدنصیب دوست کے کہنے سے اس گستاخی پر آمادہ ہوگیا اور کر گذرا، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی ان دونوں کو ذلیل کیا کہ جنگ میں دونوں مارے گئے اور آخرت میں تو ذلتی ہے ہی۔ (معارف القرآن: ۶/۴۷۰)

اچھی دوستی کی ایک مثال

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ اگر سخت سردی کے موسم میں کوئی جارہا ہو اور اچانک بارش ہونے لگے اور وہ شخص تربتر ہوجائے تو گھر پہونچ کر کپڑے بدل کر کیا چاہے گا؟ وہ یہی چاہے گا کہ ایک پیالی گرم گرم چائے مل جائے۔ ایک پیالی چائے نے اس کی برودت کی کیفیت کو حرارت میں تبدیل کردیا۔ فرمایا کہ جب ایک پیالی چائے آپ کے مزاج کو ٹھیک کرسکتی ہے تو کیا اہل اللہ کی ایک لمحے کی صحبت آپ کی زندگی میں انقلاب پیدا نہیں کرسکتی؟ (معارف الابرار: ۱۷۷)

تیسری نصیحت

مذکورہ روایت میں حضرت عقبہ بن عامر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ اپنے گناہوں پر رولیا کرو۔ متعدد روایات میں گناہوں پر رونے کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ چند روایات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دو آنکھوں کو آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دے کر رات گذاری۔ (ترمذی: أبواب فضائل الجهاد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/ باب ما جاء في فضل الحرس في سبيل الله/ رقم الحديث: ۱۶۳۹)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرمائے گا کہ دوزخ میں سے ہر ایسے شخص کو نکال دو جس نے ایک دن بھی مجھے یاد کیا یا میرے خوف سے کہیں بھی مجھ سے ڈرا۔ (ترمذی: ابواب صفة جهنم/ باب ما جاء أن للنار نفسين/ رقم الحديث: ۲۵۹۴)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف

سے رونے والا انسان دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ دودھ، تھن میں واپس نہ چلا جائے اور اللہ کی راہ میں پہنچنے والی گرد وغبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہو سکتے۔ (ترمذی: أبواب فضائل الجهاد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/ باب فضل الغبار في سبيل الله/ رقم الحديث: ۱۶۳۳)

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا خطبہ دیا کہ میں نے ویسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تمھیں بھی معلوم ہوتا تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔ (بخاری: كتاب الرقاق/ باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لو تعلمون ما اعلم/ رقم الحديث: ۶۴۸۶)

حضرت وارد عجلی رحمۃ اللہ علیہ کا رونا

امام ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حیرت ناک واقعہ لکھا ہے کہ ابوعمرو کہتے ہیں کہ میں نے حضرت وارد عجلی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ مسجد میں سر کو رومال سے ڈھک کر آتے تھے۔ ایک کونے میں کھڑے ہو کر مسلسل نماز پڑھتے تھے، دعائیں کرتے تھے اور زار و قطار روتے تھے۔ پھر مسجد سے نکلتے اور ظہر میں آتے اور اسی طرح نماز اور دعائیں کر کے رویا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ عشا ہو جاتی تھی۔ نہ کسی سے بات چیت کرتے تھے نہ کسی کے پاس بیٹھتے تھے۔ ابوعمرو کہتے ہیں میں نے ان کے محلے کے ایک شخص سے ان کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کس کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ یہ حضرت وارد عجلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے جب تک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھیں گے اس وقت تک نہیں ہنسیں گے۔ (واقعات پڑھیے اور عبرت لیجیے/ ص: ۲۴۷)

معمولی غلطی پر چالیس سال تک رونا

حضرت کہمس بن حسن قیسی رحمۃ اللہ علیہ بصرہ میں ایک بڑے پایہ کے بزرگ گذرے

ہیں، ان کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک معمولی غلطی پر چالیس سال تک آنسو بہاتے رہے۔ ایک دن یہ بیٹھے ہوئے ایک دوسرے بزرگ ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنے گناہوں کا شکوہ کرنے لگے، اور کہنے لگے: میں نے ایک ایسا گناہ کیا ہے جس پر چالیس سال سے رو رہا ہوں۔ ابوسلمہؒ نے یہ بات سنی تو حیران ہوئے اور پوچھا: ایسا کون سا گناہ سرزد ہوا ہے؟ وہ کہنے لگے: ایک دن میرے بھائی مجھ سے ملنے آئے، میں نے ایک دینار کی مچھلی خریدی، چناں چہ میرے بھائی نے وہ مچھلی کھائی، میں نے اُٹھ کر اپنے پڑوسی کی دیوار سے مٹی کا ایک ٹکڑا اُٹھالیا، تاکہ وہ اس سے ہاتھ پونچھ لے، صاف کرلے۔ اس مٹی کے ٹکڑے کے اُٹھانے پر میں چالیس سال سے رو رہا ہوں، کیوں کہ وہ ٹکڑا میں نے اپنے پڑوسی کی اجازت اور اس کے علم میں لائے بغیر اُٹھالیا تھا۔ (حلية الأولياء وطبقات الأصفياء۔ ۵/۱۳۰)

اللہ اکبر! کیسا احساس اور کیسا خدا کا خوف ان کے دلوں میں رچا بسا تھا، اور آخرت کا محاسبہ ہر وقت ان کی آنکھوں کے سامنے رہتا تھا۔

غرض! یہ بڑی جامع و قیمتی نصیحتیں ہیں، ان پر عمل کرنا دنیا و آخرت کی کامیابی کی علامت ہے، اور اس روایت میں نجات کا نسخہ بہت آسان انداز میں بیان فرما دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نسخے پر اور اِن نصیحتوں پر عمل کرنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

وصلى الله على النبي الكريم

مضمون: (۲۰)

حصول جنت کا نسخہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، انْجَفَلَ النَّاسُ إِلَيْهِ، وَقِيلَ: قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَجِئْتُ فِي النَّاسِ لِأَنْظُرَ إِلَيْهِ، فَلَمَّا اسْتَبَنْتُ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ، وَكَانَ أَوَّلُ شَيْءٍ تَكَلَّمَ بِهِ أَنْ قَالَ : " يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ (ترمذی: أبواب صفة القيامة و الرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/باب/رقم الحديث:۲۴۸۵)

تمہید

یہ ترمذی شریف کی ایک روایت ہے، جس میں حصول جنت کا ایک آسان و سہل نسخہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق جل شانہ کی طرف سے جوامع الکلم عطا کیے گئے تھے، یعنی ایسا کلام جس کی عبارت تو مختصر ہو مگر معانی کے سمندر کی لہریں مسلسل ٹھاٹھیں مار رہی ہو۔ مختصر الفاظ میں معانی ومفاہیم کے خزانے موجود ہو۔ اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ اُن ہی جوامع الکلم میں سے یہ روایت بھی ہے۔

اِس روایت کو مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے۔ اس لیے ہم

پہلے اُن کا مختصراً تعارف پیش کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا تعارف

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مدینہ کے مشہور یہودی قبیلہ بنوقینقاع سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِن کا سلسلۂ نسب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مل جاتا ہے۔ آپ یہودیوں کے ایک بڑے عالم تھے۔ اسلام لانے سے پہلے ان کا نام حصین تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے ان کا نام عبداللہ رکھا تھا۔ (معارف الحدیث: ۸/۴۲۹)

اسلام لانے کا قصہ

آپ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خبر اس وقت سنی جب آپ قبا میں پہنچے۔ میں اپنے باغ میں کھجور کے ایک درخت پر چڑھا، اس کی کاٹ چھانٹ کررہا تھا کہ اچانک کسی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچ گئے ہیں اور وہ قبا کی بستی میں بنو عمرو بن عوف کے محلے میں تشریف فرما ہیں۔ جب میں نے یہ خبر سنی تو کھجور کے اوپر سے میں نے اللہ کی کبریائی کا نعرہ بلند کیا۔ اس وقت میری پھوپھی خالدہ بنت حارث کھجور کے سائے میں بیٹھی تھی۔ جب اس نے میری تکبیر سنی تو کہنے لگی کہ اللہ تیرا ستیاناس کرے۔ خدا کی قسم! اگر موسیٰ بن عمران علیہ السلام بھی تشریف لے آتے تب بھی تو اتنا خوش نہ ہوتا۔ میں نے کہا اے پھوپھی جان! جو تشریف لائے ہیں خدا کی قسم! وہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے بھائی ہیں اور اُن ہی کے دین پر ہیں۔ وہی پیغام لے کر آئے ہیں جو موسیٰ بن عمران علیہ السلام لائے تھے۔ یہ سن کر کہنے لگی کہ اے میرے بھتیجے! کیا یہ وہ نبی ہے جس کے بارے میں ہم سنتے ہیں کہ وہ قیامت سے قبل آئیں گے؟ میں نے کہا جی ہاں، یہ وہی نبی ہے۔ اس پر انھوں نے کہا کہ اچھا!

یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔(سیرت المصطفیٰ:۱/۴۰۰)

میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پوری طرح جانتا تھا اور مجھے مکمل یکسوئی تھی کہ وہ اسی دور میں آنے والے ہیں۔ جب انھوں نے مکہ میں اعلانِ نبوت کیا تو بھی میرے دل میں یقین تھا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی بشارت دی گئی ہے۔ تاہم میں نے اس موضوع پر کبھی کسی سے گفتگو یا بحث نہیں کی تھی، بلکہ میں نے سکوت اختیار کیے رکھا۔ اس وجہ سے یہودی میرے خیالات سے بالکل بے خبر اور نابلد تھے۔ یوں میری کیفیت یہ تھی کہ میں ہر روز سوچتا کہ وہ نبی کھجوروں کی سرزمین کی طرف ہجرت کریں گے اور عین ممکن ہے کہ یہ یثرب ہی ہو۔ آج اُن کی آمد کی خبر سن کر میرے دل کی مراد پوری ہوگئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خبر سن کر میں فوراً درخت سے نیچے اترا اور تیار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں تو اپنے دل میں پہلے ہی سے مسلمان تھا، اب صرف اعلان کرنا باقی تھا۔ پھر بھی حکمت کے تحت میں نے سوچا کہ میں ابھی اپنے قبولِ اسلام کا اعلان نہیں کروں گا۔ میں اہلِ کتاب کا پول کھولنا چاہتا تھا تاکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے بارے میں مطمئن اور یکسو ہو جائیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر میری پہلی نظر پڑی تو میں نے کہا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو سب سے پہلا کلام سنا وہ اتنا جامع اور دل میں اتر جانے والا تھا کہ سبحان اللہ! وہ معجزہ نما کلام یہی تھا جس کی ہم تشریح کرنے جارہے ہیں۔(سیرۃ المصطفیٰ:۱/۴۰۰)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین سوال

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اُس وقت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے تین سوالات کیے تھے اور ساتھ میں یہ بھی کہا تھا کہ ان سوالات کے جوابات نبی کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا۔ ایک سوال یہ تھا کہ قیامت کی نشانیوں میں سب سے پہلی نشانی کیا ہے؟ دوسرا سوال یہ تھا کہ اہل جنت کی دعوت کے لیے سب سے پہلے کیا چیز پیش کی جائے گی؟ تیسرا سوال یہ تھا کہ بچہ کب اپنے باپ کی صورت میں ہوگا اور کب اپنی ماں کی صورت پر؟ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ابھی جبرئیل نے آکر ان کے متعلق بتایا ہے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا جبرائیل (علیہ السلام) نے! فرمایا کہ ہاں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ تو یہودیوں کے دشمن ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [البقرة ۹۷:]

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے سوال کے جواب میں فرمایا کہ قیامت کی سب سے پہلی نشانی ایک آگ ہوگی جو انسانوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرلائے گی۔ دوسرے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اہل جنت کی دعوت میں جو کھانا سب سے پہلے پیش کیا جائے گا وہ مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا حصہ ہوگا۔ تیسرے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غلبہ کرجاتا ہے تو بچہ باپ کی شکل پر ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غلبہ کرجاتا ہے تو بچہ ماں کی شکل پر ہوتا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ نے کلمہ پڑھ لیا۔ (بخاری: کتاب التفسیر / سورۃ البقرۃ / باب من کان عدوا الجبریل / رقم الحدیث: ۴۴۸۰)

میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلی ہی ملاقات میں عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہود بہت بدکردار قوم اور پست اخلاق لوگ ہیں۔ میں آپ کی رسالت کی گواہی

دیتا ہوں، مگر ابھی اعلان نہیں کرتا۔ آپ یہودیوں کے سرداروں، علما اور مذہبی رہنماؤں کو بلالیں۔ پھر ان سے میرے بارے میں اُن کی رائے پوچھیں۔ آپ مجھے اس دوران پردے کے پیچھے چھپادیں۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ جب یہود کے احبار، رؤسا و سرداران آ گئے تو ان لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ حصین بن سلام کے بارے میں تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے دیکھا کہ حصین بن سلام وہاں موجود نہیں ہیں۔ انھوں نے سوال کے جواب میں کہا:

خيرنا وابن خيرنا وأفضلنا و ابن أفضلنا وأعلمنا و ابن أعلمنا

وہ ہم میں سب سے افضل اور بہتر اور سب سے زیادہ صاحب علم ہیں اور ان کے والد بھی اپنے زمانے میں سب سے افضل و بہتر اور سب سے زیادہ صاحب علم تھے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بتلاؤ کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو اسلام کے بارے میں تمھاری رائے کیا ہوگی؟ کہا اللہ کی پناہ! یہ نہیں ہوسکتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی بار یہ سوال دہرایا اور یہود نے ہر بار یہی جواب دیا۔

جب یہود نے بار بار ان کے صاحب علم و فضل ہونے کا اقرار کر لیا تو وہ نکل آئے اور فرمایا:

أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمد رسول اللّٰه

یہود نے فوراً ہی بات بدل دی اور کہنے لگے:

شرنا و ابن شرنا

یہ بھی بدترین شخص ہے اور اس کا باپ بھی ایسا ہی شخص تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام

رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے ان لوگوں سے اسی کا خطرہ تھا۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۴۲۹، ۴۳۰)

میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا میں نے آپ کو بتا نہیں دیا تھا کہ یہ بہت گھٹیا لوگ ہیں۔ بغاوت اور جھوٹ کے علم بردار، اللہ کی نافرمانی اور حکم عدولی پر جری اور مُصِرّ! حضرت حصین بن سلام کے قبول اسلام کے ساتھ ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام عبد اللہ رکھ دیا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حق کی گواہی دینے کے بعد اپنے گھر کی طرف گئے۔

وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے جاتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اپنے اہل وعیال کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف پیش کیا۔ پھر اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کیا اور ان سب کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ میرے تمام اہل وعیال اسلام میں داخل ہو گئے اور میری پھوپھی نے بھی اسلام قبول کر لیا اور اللہ کا شکر ہے کہ یہ سب لوگ اپنے اسلام میں مخلص اور ثابت قدم رہے۔

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب جیسا کہ ابھی گذرا اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام تک پہنچتا ہے۔ پھر وہ یہود کے جلیل القدر عالم بھی تھے، انھوں نے یہودیت کو ترک کر کے دین اسلام کو اختیار کیا، ایسے لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوہرے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ (بخاری: کتاب الجهاد والسير / باب فضل من أسلم من أهل الكتابيين / رقم الحديث: ۳۰۱۱)

جنت کی بشارت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی زندگی ہی میں ان کو جنت کی بشارت دے دی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ کھانا تناول فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تناول فرمانے کے بعد جو بچ رہا اس کے متعلق فرمایا ابھی ایک جنتی شخص آنے والا ہے جو اس کو کھائے گا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ بچا ہوا کھانا ان کو کھلایا۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۴۳۰)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے زندہ لوگوں میں صرف عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق ہی جنتی ہونے کی بشارت سنی ہے۔ (بخاری: کتاب مناقب الأنصار/ باب مناقب عبداللہ بن سلام/ رقم الحدیث: ۳۸۱۲، مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم/ باب من فضائل عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ/ رقم الحدیث: ۲۴۸۳)

صحیحین ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:

أنت على الإسلام حتى تموت

تم مرتے دم تک دین اسلام پر ثابت قدم رہو گے۔ (بخاری: کتاب مناقب الأنصار/ باب مناقب عبداللہ بن سلام/ رقم الحدیث: ۳۸۱۳، مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم/ باب من فضائل عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ/ رقم الحدیث: ۲۴۸۴)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض وفات میں اپنے خاص شاگرد یزید بن

عمیرہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے بعد جن چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تحصیل علم کی وصیت فرمائی تھی ان میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی ہیں جن کے متعلق حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا تھا:

إنه عاشر عشرة في الجنة

یعنی یہ ان عشرہ مبشرہ کی طرح ہیں جن کے متعلق جنتی ہونے کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی۔ (معارف الحدیث: ۸/۴۳۰)

قرآن کریم میں ذکر

قرآن مجید کی متعدد آیات میں نام لیے بغیر ان کا ذکر ہے، آیت کریمہ

﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَآمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ﴾

میں ﴿شَاهِدٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ کا مصداق حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ (بخاری: کتاب مناقب الأنصار/ باب مناقب عبداللہ بن سلام/ رقم الحدیث: ۳۸۱۲)

اس طرح آیت کریمہ:

﴿ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ○﴾

میں بھی ﴿ وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴾ سے آپ ہی مراد ہیں۔ (ترمذی: أبواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ باب ومن سورۃ الأحقاف/ رقم الحدیث: ۳۲۵۶)

دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے کفر کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن

سلام رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کو اسلام اور اس کے پیغمبر کی حقانیت کی دلیل اور شاہد عدل ہونے کے طور پر ذکر کیا ہے۔

دربار نبوی میں ایک درخواست

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ چونکہ علمائے یہود سے تھے اور اس مذہب میں ہفتہ کا روز معظم تھا اور اونٹ کا گوشت حرام تھا۔ اسلام لانے بعد یہ خیال ہوا کہ شریعت موسوی میں ہفتہ کی تعظیم واجب تھی اور شریعت محمدی میں اس کی بے تعظیمی واجب نہیں، اسی طرح شریعت موسویہ میں اونٹ کا گوشت کھانا حرام تھا اور شریعت محمدی میں اس کا کھانا فرض نہیں، سو اگر ہم بدستور ہفتہ کی تعظیم کرتے رہیں اور اونٹ کا گوشت باوجود حلال اعتقاد رکھنے کے صرف عملاً ترک کردیں تو شریعت موسویہ کی بھی رعایت ہوجاوے اور شریعت محمدیہ کے بھی خلاف نہ ہوگا اور اس میں خدا تعالیٰ کی زیادہ اطاعت اور دین کی زیادہ رعایت معلوم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس خیال کی اصلاح اس آیت کے ذریعے فرمائی:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝﴾ [البقرۃ:۲۰۸]

اے ایمان والو! داخل ہوجاؤ اسلام میں پورے اور مت چلو قدموں پر شیطان کے بیشک وہ تمھارا صریح دشمن ہے۔ یعنی اسلام کامل فرض ہے اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جاوے اور ایسے امر کو دین سمجھنا ایک شیطانی لغزش ہے اور بہ نسبت ظاہری معاصی کے اس کا عذاب زیادہ سخت ہونے کا خطرہ ہے۔ (معارف القرآن: ۱/۴۹۸)

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سنہ ۴۳ھ مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔(معارف الحدیث:۸/۴۳۱)

حدیث مذکور کا ترجمہ

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑے، اور کہنے لگے: اللہ کے رسول آ گئے، اللہ کے رسول آ گئے، اللہ کے رسول آ گئے، چناں چہ میں بھی لوگوں کے ساتھ آیا تا کہ آپ کو دیکھوں، پھر جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک اچھی طرح دیکھا تو پہچان گیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا، اور سب سے پہلی بات جو آپ نے کہی وہ یہ تھی کہ اے لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ اور رات میں جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھو، تم لوگ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل جاؤ۔

مذکورہ روایت چار نصیحتوں پر مشتمل ہے، جو دراصل حصول جنت کا سہل اور آسان ترین نسخہ ہے۔

پہلی نصیحت

مذکورہ روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، سلام کو رواج دو۔ متعدد روایات سے سلام کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر مسلمان کے چھ حقوق ہیں جو حسن سلوک سے متعلق ہیں۔(۱) جب کوئی مسلمان ملے تو اس کو سلام کرنا۔(۲)

جب کوئی مسلمان کھانے کے لیے یا کسی اورغرض سے بلائے تو اس کو قبول کرنا۔(۳) جب کوئی مسلمان چھینکے تو اس پر یرحمک اللہ کہنا۔(۴) جب کوئی مسلمان بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا۔(۵) جب کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جانا۔ (۶) مسلمان کے لیے اس چیز کو پسند کرنا جس کو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔(مسلم: کتاب السلام/باب من حق المسلم للمسلم رد السلام/رقم الحدیث: ۲۱۶۲)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اہل اسلام کی کونسی خصلت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کھانا کھلانا اور ہر شناسا وناشناسا کو سلام کرنا۔(بخاری: کتاب الإیمان/باب إطعام الطعام من الإسلام/رقم الحدیث: ۱۲)

(۳) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک تر وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔(أبو داود: کتاب الأدب/باب فی فضل من بدء بالسلام/رقم الحدیث: ۵۱۹۷)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم جب تک کہ ایمان نہ لاؤ جنت میں داخل نہیں ہوسکو گے، اور تمھارا ایمان اس وقت کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ تم اللہ کی رضا خوشنودی کے لیے آپس میں تعلق و دوستی قائم نہ کرو۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور کیا میں تمھیں ایک ایسا ذریعہ نہ بتادوں جس کو تم اختیار کرو تو آپس میں دوستی کا تعلق قائم ہو جائے اور وہ ذریعہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کا چلن عام کرو یعنی آشنا و ناآشنا سب کو سلام کرو۔(مسلم: کتاب الإیمان/باب لا یدخل الجنة إلا المؤمنون/رقم الحدیث: ۵۴)

(۵) حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دن میں ۲۰ مرتبہ سلام کیا چاہے جماعت کو یا تنہا کو اور اسی روز مر گیا تو جنت اس پر لازم ہے۔(مجمع الزوائد:۸/۳۰)

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! جب تم اپنے گھر والوں سے ملو تو سلام کرو، وہ سلام تم پر اور تمھارے گھر والوں پر خیر و برکت کے نزول کا باعث ہوگا۔(ترمذی: أبواب الإستیذان و الأدب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/ باب ماجاء فی التسلیم إذا دخل بیتہ/ رقم الحدیث:۲۶۹۸)

سلام کے فوائد

سلام کے بہت سے فوائد ہیں، چند پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) سلام کرنے سے محبت بڑھتی ہے۔

(۲) سلام سے بغض وعداوت اور کینہ دور ہوتا ہے۔

(۳) سلام جنت میں لے جانے کا سبب ہے۔

(۴) سلام نجات کا ذریعہ ہے۔

(۵) سلام کرنے سے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے۔

(۶) سلام کرنے سے شیطان فرار ہوتا ہے۔

(۷) سلام کرنے سے اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوتا ہے۔

(۸) سلام کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہوتی ہے۔

(۹) سلام میں ابتدا کرنے والا تکبر سے پاک ہوتا ہے۔

(۱۰) سلام سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۱) سلام کے ذریعے ایمانی حلاوت ومٹھاس نصیب ہوتی ہے۔

(۱۲) سلام کو رواج دینا اسلام کے پھیلنے کا سبب ہے۔

سلام کا طریقہ

سلام کیسے کیا جائے؟ اس کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں ایک شخص آیا اور کہا: السلام علیکم ۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ شخص بیٹھ گیا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس شخص کے لیے دس نیکیاں لکھی گئی ہیں۔ پھر ایک شخص آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمة الله۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا اور جب وہ بیٹھ گیا تو فرمایا کہ اس کے لیے بیس نیکیاں لکھی گئی ہیں اس کے بعد ایک شخص آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمة الله وبركاته۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی گئی ہیں۔ (أبو داود: كتاب الأدب/باب كيف السلام/ رقم الحديث: ۵۱۹۵)

اس حدیث سے سلام کا مسنون طریقہ معلوم ہو گیا۔

صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول

خود صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ ہر چھوٹے بڑے کو سلام کرنے کی تھی۔

جب آپ گذرتے اور بچے کھیل رہے ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو سلام کیا کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق منقول ہے کہ بازار اس ارادے سے جاتے تھے کہ لوگ زیادہ ملیں گے تو میں ان کو زیادہ سے زیادہ سلام کر کے نیکیاں حاصل کروں گا۔

(مشکوۃ المصابیح / ص: ۴۰۰)

حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور تھا کہ سلام کرنے میں کوئی ان سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ایک صاحب ایک مرتبہ حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ کو آتا دیکھ کر چھپ گئے اور جیسے ہی وہ قریب آئے ان کو سلام کر دیا۔ پھر اپنے اس عمل کو فخر سے بیان فرماتے تھے کہ میں حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ کو سلام کرنے میں آگے بڑھ گیا۔

(حدیث کے اصلاحی مضامین: ۱۰/ ۲۱۶)

آخری دور کا حال

ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک لوگ اپنے جان پہچان والوں کو سلام نہ کریں۔ایک روایت میں ہے کہ قیامت سے پہلے سلام خاص ہو جائے گا۔ (مسند أحمد: مسند إبن مسعود رضی اللہ عنہ / رقم الحدیث: ۳۸۷۰)

دوسری نصیحت

مذکورہ روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔متعدد آیات واحادیث میں اطعام طعام یعنی بھوکوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب وفضیلت وارد ہوئی ہے، چند ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) سورۂ دہر میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا۝﴾ [الدھر ۸:]

کہ نیک بندے اُس کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کمال ترحم و شفقت کی وجہ سے کھانا کھلاتے ہیں۔

(۲) سورۂ مدثر میں یہ مضمون ہے کہ کل قیامت کے دن جب کافروں سے جہنم کی طرف جاتے ہوئے پوچھا جائے گا کہ تمھیں کس چیز نے جہنم میں داخل کر دیا تو وہ جواب دیں گے:

﴿وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ۝﴾ [المدثر: ۴۴]

اور ہم مسکین کو کھلاتے نہیں تھے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اہل اسلام کی کونسی خصلت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کھانا کھلانا اور ہر شناسا و نا شناسا کو سلام کرنا۔ (بخاری: کتاب الإیمان/ باب إطعام الطعام من الإسلام/ رقم الحدیث: ۱۲)

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے کثرت کے ساتھ کھانا کھلانے کا شکوہ کیا اور اسے اِسراف قرار دیا، تو انھوں نے حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کا حوالہ دیا کہ تم میں سے بہترین وہ ہیں جو کھانا کھلاتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ (مسند أحمد: مسند الأنصار/ حدیث صہیب رضی اللہ عنہ/ رقم الحدیث: ۲۳۹۲۶)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اور پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اُسے (دوزخ کی) آگ سے سات خندق جتنے فاصلے کی دوری پر کر دے گا، اور دو خندقوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ (الترغیب والترھیب/رقم الحدیث: ۱۴۰۳)

(۶) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیدی کو چھڑایا کرو، بھوکے کو کھلایا کرو اور بیمار کی عیادت کرو۔ (بخاری: کتاب الجھاد والسیر/باب فکاک الأسیر/رقم الحدیث: ۳۰۴۶)

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا بیرونی حصہ اندر سے اور اندرونی حصہ باہر سے نظر آئے گا، (یہ سن کر) ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کس کے لیے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جو اچھی طرح بات کرے، کھانا کھلائے، خوب روزے رکھے اور اللہ کی رضا کے لیے رات میں نماز پڑھے جب کہ لوگ سوئے ہوں۔ (ترمذی: أبواب البر والصلة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب ماجاء فی قول المعروف/رقم الحدیث: ۱۹۸۴)

(۸) مسلم شریف میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے خلیل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تم شوربہ بناؤ تو اس میں پانی زیادہ کر دیا کرو، پھر اپنے اطراف میں پڑوسیوں کو بھیج دیا کرو۔ (مسلم: کتاب البر والصلة والآداب/الوصیة بالجار والإحسان إلیه/رقم الحدیث: ۲۶۲۵)

ایک حدیث قدسی

ایک حدیث قدسی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کہے گا اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی؟ وہ کہے گا اے اللہ! میں آپ کی عیادت کیسے کرتا؟ آپ رب العالمین ہیں۔ وہ فرمائے گا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو نے اس کی عیادت نہیں کی؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا؟ وہ کہے گا کہ اے میرے رب! میں آپ کو کھانا کیسے کھلاتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں۔ وہ کہے گا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اسے میرے پاس پاتا۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا؟ وہ کہے گا آپ کو پانی کیسے پلاتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں۔ وہ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو نے اسے پانی نہیں پلایا اگر تو اسے پانی پلاتا تو اسے میرے پاس پاتا۔ (مسلم: کتاب البر و الصلۃ و الآداب / باب فضل عیادۃ المریض / رقم الحدیث: ۲۵۶۹)

خود بھوکے رہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں بھوک سے نڈھال ہوں۔ پس آپ نے اپنی بعض ازواج مطہرات کی طرف پیغام بھیجا انھوں نے جواب دیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری بیوی کی طرف پیغام بھیجا، انھوں نے بھی اس کے مثل جواب دیا حتی کہ تمام ازواج نے یہی کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق

کے ساتھ بھیجا میرے پاس سوائے پانی کے کچھ نہیں۔ پس نبیٔ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا آج کی رات کون ان کو مہمان بنائے گا؟ تو ایک انصاری صحابی نے کہا کہ یا رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم)! میں۔ پس وہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مہمان کی عزت کرنا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ کیا تیرے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا نہیں صرف بچوں کے لیے کھانا ہے، اس نے کہا ان بچوں کو کسی چیز سے بہلا دو اور جب وہ رات کا کھانا مانگیں تو انھیں کسی طریقے سے سلا دینا اور جب ہمارا مہمان گھر میں داخل ہو تو چراغ بجھا دینا۔ اور اس پر ظاہر کرنا کہ ہم بھی اس کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔ چناں چہ وہ سب کھانا کھانے کے لیے بیٹھ گئے اور مہمان نے کھانا کھایا اور دونوں نے رات بھوکے رہ کر گذاری۔ جب صبح ہوئی اور وہ نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا تم دونوں نے آج کی رات اپنے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا اللہ تعالیٰ اس پر بڑا خوش ہوا ہے۔ (بخاری: کتاب التفسیر/ سورۃ الحشر/ باب قولہ ویؤثرون علی أنفسہم/ رقم الحدیث/ ۴۸۸۹)

تیسری نصیحت

مذکورہ روایت میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ صلہ رحمی کرو یعنی رشتہ ناطہ جوڑو، اُن کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔ متعدد روایات میں رشتہ ناطہ جوڑنے اور صلہ رحمی کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہیں، چند ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ایک روایت میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

صل من قطعك وأعط من حرمك وأعرض عمن ظلمك

کہ جو تجھ سے قطع تعلق کرے تو اس کے ساتھ صلہ رحمی کر رشتہ ناطہ جوڑ، اور جو تجھے محروم رکھے تو اُسے عطا کر اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اُس سے اعراض کر۔ (مسند احمد / مسند الشامیین / حدیث عقبۃ بن عامر الجھنی رضی اللہ عنہ / رقم الحدیث: ۱۷۳۳۴)

(۲) حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاً تین بشارتیں سنائی ہے کہ جس آدمی کو بات خوش کرے کہ اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے۔ (عمر میں اضافہ کا مطلب ہے برکت رکھ دی جائے) اُس کے رزق میں وسعت کر دی جائے اور موت کی سختی اس سے دور کر دی جائے۔ یہ تین باتیں اگر کوئی چاہتا ہے تو اسے دو کام کرنے ہوں گے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ سے ڈرے یعنی تقویٰ اختیار کرے اور دوسرا یہ کہ وہ صلہ رحمی کرے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی / رقم الحدیث: ۳۰۱۴)

(۳) مشہور صحابی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ (حدیث قدسی ہے) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ہی اللہ ہوں، میں ہی رحمٰن ہوں، میں نے ہی رحم کو رشتے داری کو میں نے پیدا کیا اور میں نے اسے اپنے نام کے ساتھ ملایا یہ جو صلہ رحمی کہا جاتا ہے ، رحم، ر، ح، م، رحمٰن میں بھی یہ حروف ہیں، ر، ح، م، ن۔ تو میں نے ہی رحم کو پیدا کیا اور اپنے نام کے ساتھ میں نے اسے ملایا۔ لہٰذا جو رشتے داری کو ملائے گا میں اسے اپنے ساتھ ملاؤں گا اور جو رشتے داری کو توڑ دے گا میں بھی اسے ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا۔ (ترمذی: أبواب البر والصلۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم / باب ماجاء فی قطیعۃ الرحم / رقم الحدیث: ۱۹۰۷)

(۴) ایک روایت میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

بلّوا أرحامکم ولو بالسلام

اپنے رشتے داروں کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور صلہ رحمی کرو اگرچہ سلام کے ذریعے ہو۔ تم اس کی کچھ مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم سلام کلام کرلیا کرو۔ (مسند البزار / رقم الحدیث: ۱۷۷۷)

(۶) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں بہترین قدم وہ ہے کہ جو نماز کی ادائیگی کے لیے یا فرائض کی ادائیگی کے لیے یا رشتے داروں سے ملنے کے لیے اٹھا ہو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلہ رحمی کا نمونہ

سیرت کی کتابوں میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات ملتی ہے کہ ابولہب کی باندی جس کا نام ثویبہ تھا جس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ عرصہ دودھ پلایا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس باندی کے ساتھ کیسا حسن سلوک کیا ہم تصور نہیں کر سکتے۔ حالانکہ کوئی دور تک کی رشتے داری یا قریب کی رشتے داری نہیں تھی۔ وہ ابولہب کی باندی تھی جس نے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا۔ اب رشتے داری قائم ہوئی تو نسب کے اعتبار سے نہیں بلکہ دودھ کے اعتبار سے، مگر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رشتے داری کو بھی نبھایا کہ جب تک آپ مکہ میں مقیم رہے ہجرت سے پہلے تو آپ وقتاً فوقتاً اس باندی کی یعنی خدمت میں اپنی رضاعی ماں کی خدمت میں ہدیہ تحفہ بھیجا کرتے تھے، حتیٰ کہ جب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور مدینہ طیبہ سے کوئی مکہ جانے والا ہوتا تو وہاں سے بھی آپ اس کے لیے کچھ نہ کچھ ہدیہ تحفہ بھیجا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب ہجری آٹھ میں مکہ فتح مکرمہ فتح ہوگیا، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی

رضاعی ماں ثویبہ کو یاد فرمایا کہ وہ کہاں ہیں؟ اُن کا کیا حال ہے؟ ہم ملنا چاہتے ہیں۔لوگوں نے بتایا کہ اس کا تو انتقال ہوگیا۔فرمایا کہ اس کا کوئی لڑکا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اس کا بھی انتقال ہوگیا۔فرمایا کہ اس کا کوئی رشتے دار ہے؟ لوگوں نے کہا کوئی رشتے دار بھی نہیں ہے۔(سیرت مصطفیٰ:۱/ ۶۸)

اندازہ کیجیے کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس قدر خیال فرماتے ہیں کہ اگر وہ خود حیات ہے ہم اس کے ساتھ احسان کرے، اگر وہ نہیں تو اس کے لڑکے کے ساتھ، اگر وہ بھی نہیں تو اس کے رشتے دار کے ساتھ۔

دوسرا نمونہ

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے، تو ابتدا میں کفار مدینہ منورہ پر چڑھائی کرتے تھے۔بدر میں کفار آئے مگر کامیابی نہیں ملی۔اُحد میں کفار آئے، مگر جیسی کامیابی ملنی چاہیے تھی ویسی نہیں ملی۔خندق میں دس ہزار کے لشکر کو لے کر آئے، مگر اللہ تعالیٰ نے تیز ہواؤں کو چلادیا اور انھیں ناکام نامراد واپس ہونا پڑا۔

انسان کی فطرت ہوتی ہے کہ جب ہتھیار کی جنگ ہار جاتا ہے تو اب وہ قلم یا کلام کا سہارا لیتا ہے اور اس کے ذریعے لڑائی پر اتر آتا ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو جمع کرکے فرمایا کہ اب وہ ہم سے لڑنے کے لیے نہیں آئیں گے بلکہ ہم ان سے لڑنے جائیں گے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ دیکھو! اب وہ قلم یا کلام کا سہارا لیں گے، اشعار کے ذریعے ہمارا مقابلہ کریں گے اس جنگ میں کون ہمارا ساتھ دے گا؟

یہ سن کر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ

بن رواحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اس جنگ میں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے ہم تیار ہیں۔ان تینوں کے درمیان کام کو تقسیم کیا گیا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اپنے اشعار میں کفار کی جانب سے آنے والی مذمت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں کی جانے والی گستاخی کا جواب دیں گے۔حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ اپنے اشعار میں کفار کی مذمت کریں گے کہ ایسے ہیں، ویسے ہیں، بزدل ہیں، بداخلاق ہیں۔حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے دن میں یہ کام تھا کہ وہ رجزیہ اشعار کہیں گے جیسے چیر دیں گے، کاٹ دیں گے، ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔(الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب ۱/۲۳۱)

سن ہجری سات میں جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عمرۃ القضاء کے لیے مکہ مکرمہ داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رجزیہ اشعار کہتے ہوئے آگے جا رہے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بس کیجیے، سامنے اللہ کا کعبہ نظر آ رہا ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عمر! انھیں چھوڑ دو، ان کے اشعار کفار کے دلوں کو تلواروں اور نیزوں سے بھی زیادہ زخمی کرتے ہیں۔(شمائل ترمذی/رقم الحدیث: ۲۳۲)

جب کفار اپنے اشعار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مذمت بیان کرتے تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اجازت چاہی کہ میں اپنے اشعار کے ذریعے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں میں تو میرے قرابت دار رشتے دار بھی ہیں۔حضرت حسان رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں کہ آقا! آپ فکر نہ کریں، میں آپ کے قرابت داروں کو ایسے نکالوں گا جیسے آٹے میں سے بال نکالا جاتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے جاؤ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس وہ میرے قرابت داروں کو زیادہ جانتے ہیں، تم پہلے ان سے میرے

قرابت داروں کی تحقیق کرلو۔ اندازہ لگائیں کہ دشمنوں کا مقابلہ کرنا ہے، پھر بھی اپنے قرابت داروں کا کس قدر خیال فرمایا۔ (بخاری: کتاب المناقب / باب من أحب أن لا یسب نسبہ / رقم الحدیث: ۳۵۳۱)

صلہ رحمی کا عجیب واقعہ

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل صدقات میں بہترین واقعہ بیان کیا ہے۔ حضرت طاوس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کے چار بیٹے تھے۔ جب وہ بیمار ہوا ان بیٹوں میں سے ایک نے اپنے تین بھائیوں سے کہا کہ اگر تم باپ کی تیمارداری اس شرط پر کروگے تم کو باپ کی میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا تو تم کرو ورنہ میں اس شرط پر تیمارداری کرتا ہوں کہ میراث میں سے کچھ نہ لوں گا۔ تمام بھائی اس پر راضی ہو گئے کہ تو ہی اس شرط پر تیمارداری کر، ہم نہیں کرتے۔ اس نے اپنے باپ کی خوب خدمت کی لیکن باپ کا انتقال ہو گیا اور شرط کے مطابق اس نے کچھ نہیں لیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے فلاں جگہ سو دینار اور اشرفیاں گڑی ہوئی ہیں، تو جا کر اسے لے لے۔ اس نے خواب میں ہی پوچھا کہ کیا ان میں برکت ہوگی؟ اس نے بتایا کہ برکت نہیں ہوگی۔ صبح کو خواب کا ذکر کیا تو بیوی نے وہ اشرفیاں نکالنے پر اصرار کیا مگر خواب دیکھنے والے نہ مانا۔ دوسرے دن پھر خواب دیکھا جس میں کسی نے دوسری جگہ دس دینار بتائے۔ خواب دیکھنے والے نے پھر برکت کا سوال کیا تو کہا کہ برکت نہیں۔ اس نے صبح میں بیوی سے خواب ذکر کیا تو اس نے پھر لینے پر اصرار کیا مگر خواب دیکھنے والے نے نہ مانا۔ تیسری رات پھر خواب دیکھا کہ کوئی کہتا ہے فلاں جگہ ایک دینار ہے تو لے لے۔ خواب دیکھنے والے نے برکت کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ ہاں! اس

میں برکت ہے۔ یہ جا کر وہ دینار لے آیا اور بازار جا کر اس سے دو مچھلیاں خریدی۔ ان میں سے ہر ایک کے اندر ایک ایسا موتی نکلا جس قسم کا عمر بھر کسی نے نہیں دیکھا۔ بادشاہ وقت نے ان دونوں کو بہت اصرار سے نوے خچروں کے بوجھ کے بقدر سونے سے خریدا۔ (فضائل صدقات/ص:۲۳۱)

چوتھی نصیحت

مذکورہ روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ رات کی تنہائی میں نماز پڑھا کرو۔ رات کی نماز یعنی تہجد کی فضیلت بھی متعدد روایات میں وارد ہوئی ہے، چند ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرض نماز کے بعد افضل ترین نماز تہجد کی نماز ہے۔ (مسلم: کتاب الصیام/باب فضل صوم المحرم/رقم الحدیث: ۱۱۶۳)

(۲) حضرت اسما رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قیامت میں لوگوں کا حشر ایک مقام پر ہوگا۔ ایک منادی اعلان کرے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو بستر سے الگ رہتے تھے؟ پس وہ لوگ کھڑے ہوں گے اور جنت میں بلا حساب داخل ہو جائیں گے۔ (شعب الإیمان للبیھقی/رقم الحدیث: ن۲۹۳)

(۳) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ جس قدر جینا چاہیں، جی لیں، آخر کار یقیناً آپ کو موت آکر رہے گی، جس سے چاہیں، محبت کر لیں،

تاہم آپ کو اس کی جدائی جھیلنی ہے اور جو چاہیں عمل کر لیں، یقینا آپ کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ پھر انھوں نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مومن کا شرف و اعزاز قیام اللیل میں ہے اور اس کی عزت لوگوں سے اس کی بے نیازی میں ہے۔(المستدرک علی الصحیحین/رقم الحدیث: ۳۲۸۹)

(۴) حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ضرور قیامِ لیل کیا کرو (نمازِ تہجد پڑھا کرو) کیوں کہ وہ تم سے پہلے صالحین کا شیوہ، شعار اور طریقہ رہا ہے اور قربِ الٰہی کا تمھارے لیے خاص وسیلہ ہے، اور وہ برائیوں کو مٹانے والی اور معاصی سے محفوظ رکھنے والی چیز ہے۔(ترمذی: أبواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/باب/رقم الحدیث: ۳۵۴۹)

(۵) حضرت حسان بن عطیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تہجد کی دو رکعات دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہے۔(فیض القدیر للمناوی/رقم الحدیث: ۴۴۷۷)

رات کی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی نماز میں اتنا طویل قیام کرتے کہ آپ کے قدم پھٹ جاتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اتنی زیادہ مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا پھر میں شکر گزار بندہ بننا پسند نہ کروں۔ عمر کے آخری حصے میں جب طویل قیام دشوار ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ کر رات کی نماز پڑھتے اور جب رکوع کا وقت آتا تو کھڑے ہو جاتے اور تقریباً تیس یا چالیس آیتیں اور پڑھتے پھر

رکوع کرتے۔(مسلم: کتاب صفة القيامة والجنة والنار/باب إكثار الأعمال والإجتهاد في العبادة/رقم الحديث: ۲۸۲۰)

میں نے برا ارادہ کرلیا تھا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز تہجد پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر کھڑے رہے یہاں تک کہ میں نے ایک برا ارادہ کیا۔ پوچھا گیا کہ آپ نے کیا ارادہ کیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ ارادہ کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑا چھوڑ کر بیٹھ جاؤں۔(بخاری: باب التهجد بالليل/باب طول القيام في صلاة الليل/رقم الحديث: ۱۱۳۵)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا تجربہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک رات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز تہجد پڑھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ بقرۃ پڑھنی شروع کی۔میں نے دل میں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو آیات پڑھ کر رکوع میں چلے جائیں گے،لیکن آپ پڑھتے رہے۔پھر میں نے دل میں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے ایک رکعت میں ختم کریں گے،مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے رہے۔میں نے سوچا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے پڑھ کر رکوع کریں گے،لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ النساء شروع کردی اور اسے پوری پڑھ لی۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آل عمران شروع کی اور اسے بھی پوری پڑھ لی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کر رہے تھے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر کسی ایسی آیت پر ہوتا،جس میں تسبیح کا بیان ہوتا،تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسبیح کرتے اور جب کسی ایسی آیت سے گذرتے،جس میں اللہ سے مانگنے کا ذکر ہوتا،تو مانگتے اور اگر کسی ایسی آیت سے

گذرتے، جس میں پناہ مانگنے کا ذکر ہوتا، تو پناہ مانگتے تھے۔ (مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ/ باب استحباب تطویل القراءۃ فی صلاۃ اللیل/ رقم الحدیث: ۷۷۲)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رات کو نماز تہجد کے لیے کھڑا ہونا اور عبادت کرنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بتواتر ثابت ہے۔ آپ تیس سال تک رات میں عبادت کرتے رہے، اور ایک ایک رکعت میں ختم قرآن شریف کرتے تھے۔ آپ نے چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ رات بھر قرآن مجید پڑھتے اور رات کو خوف الٰہی سے اس قدر روتے کہ آپ کے ہمسائے آپ پر رحم کرتے تھے۔ (سیر أعلام النبلاء: ۴۰۰/۷، ردالمحتار: ۱/ ۱۴۴)

حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ تھے حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو حسن پور مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کا ایک مرید کلکتہ میں رہتا تھا۔ وہ گھر بنانا چاہتا تھا، جس کی بنیاد ڈالنے کے لیے اس نے آپ کو دعوت دی۔ حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت قبول کر لی۔ چونکہ آپ بوڑھے تھے، اس لیے اپنے ساتھ رفیق سفر کے طور پر حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو لے گئے۔

جب سفر شروع ہوا تو حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا دیکھو مولوی صاحب! آپ عالم بھی ہیں اور جوان بھی ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاکید بھی ہے کہ سفر میں کسی کو امیر بنا لینا چاہیے، اس لیے میں آپ کو امیر منتخب کرتا ہوں۔ وہ منع نہیں کر سکتے

تھے، بلا چوں و چرا مان لیا۔

سفر شروع ہوا اور دونوں حضرات ٹرین کے ذریعے روانہ ہوئے۔ اتفاق کی بات کہ حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دست شروع ہو گئے، اتنے دست آئے کہ بہت زیادہ نقاہت اور کمزوری ہو گئی۔

حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ اتنی کمزوری ہے کہ اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل ہو رہا ہے تو حضرت سے کہا کہ آپ کا بنایا ہوا امیر آپ کو حکم کرتا ہے کہ آپ آج تہجد نہیں پڑھیں گے۔ حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تو یہ کہہ کر سو گیا۔ رات کو اچانک میں نے محسوس کیا کہ کوئی میرے پیر کا انگوٹھا ہلا رہا ہے۔ اٹھ کر دیکھا تو حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ زار و قطار رو رہے ہیں، آنسوان کے رخسار اور داڑھی پر سے بہہ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ میں تو تمھیں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے تہجد پڑھنے کی اجازت دے دیجیے، ستاون سال ہو گئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، جب سے بیعت ہوا ہوں کبھی تہجد فوت نہیں ہوئی۔

حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تو یہ دیکھ کر گھبرا گیا اور کہا آپ پڑھیے تہجد۔ (مسلک علمائے دیوبند اور حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص:۹،۱۰)

تہجد سے لا پرواہی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر آیا کہ وہ صبح تک پڑا سوتا رہا اور فرض نماز کے لیے بھی نہیں اٹھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا ہے۔ (بخاری: باب

التہجد باللیل/باب إذا نام ولم یصل بال الشیطان فی أذنہ/رقم الحدیث: ۱۱۴۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان آدمی کے سر کے پیچھے رات میں سوتے وقت تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ افسوں پھونک دیتا ہے کہ سو جا ابھی رات بہت باقی ہے پھر اگر کوئی بیدار ہو کر اللہ کی یاد کرنے لگتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر نماز (فرض یا نفل) پڑھے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ اس طرح صبح کے وقت آدمی چاق و چوبند خوش مزاج رہتا ہے۔ ورنہ سست اور بد باطن رہتا ہے۔ (بخاری: باب التہجد باللیل/باب عقد الشیطان علی قافیۃ الرأس/رقم الحدیث: ۱۱۴۲)

گناہوں سے بچیں

تہجد کی ادائیگی اور اِس پر استقامت کے لیے معصیت سے اجتناب لازم ہے۔ ہماری ہلکی سی غلطی بھی اس عظیم نعمت سے ہمیں محروم کر دیتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آ کر ایک شخص نے کہا کہ میں آرام سے سوتا ہوں اور دل چاہتا ہے کہ میں رات کو اٹھ کر نماز پڑھوں،، لیکن معلوم نہیں میں ہزار کوشش کے باوجود اٹھ نہیں پاتا۔ آپ نے جواب دیا کہ تیرے گناہ ہی تجھے اٹھنے سے روک دیتے ہیں۔ (احیاء العلوم مترجم: ۱/ ۶۱۷)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مشہور امام حدیث وفقہ ہیں فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک گناہ صادر ہو گیا تھا جس کی وجہ سے پانچ مہینہ تک تہجد سے محروم رہا کسی نے پوچھا ایسا کیا گناہ ہو گیا تھا فرمایا ایک شخص رو رہا تھا میں نے اپنے دل میں یہ کہا تھا کہ یہ شخص ریا کار ہے۔ (احیاء

العلوم مترجم: ۱/ ۶۱۷)

اخیر میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر عمل کرلو تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

غرض! یہ بڑی جامع وقیمتی نصیحتیں ہیں، اِس میں جنت میں جانے کا بہت سہل و آسان نسخہ بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن نصیحتوں پر عمل کرنے کی اور پورا اترنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبي الکریم

مصادر و مراجع

اس کتاب کی تالیف میں درجِ ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے۔

کتب تفاسیر

۱	القرآن الکریم	....
۲	لباب التاویل فی معانی التنزیل	علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم
۳	الکشف والبیان عن تفسیر القرآن	احمد بن محمد الثعلبی
۴	الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور	عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی
۵	الہدایۃ الی بلوغ النہایہ	ابو محمد مکی بن أبی طالب القیسی
۶	تفسیر قرطبی مترجم	محمد بن احمد قرطبی
۷	تفسیر بغوی مترجم	حسین بن مسعود بغوی
۸	تفسیر عزیزی مترجم	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
۹	عرفان القرآن	مفتی سلطان حسن صاحب عثمانی
۱۰	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی
۱۱	معالم العرفان	صوفی عبدالحمید صاحب صواتی
۱۲	قصص القرآن	مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی
۱۳	لطائف سورۂ یوسف	مولانا سید ابرار احمد صاحب دھلیوی

کتب احادیث

۱۴	صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل بخاری
۱۵	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج قشیری

۱۶	سنن ابوداود	سلیمان بن اشعث سجستانی
۱۷	سنن نسائی	احمد بن شعیب نسائی
۱۸	سنن ترمذی	محمد بن عیسیٰ الترمذی
۱۹	سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید القزوینی
۲۰	الموطا	مالک بن انس المدنی
۲۱	مسند احمد	احمد بن محمد بن حنبل
۲۲	مسند دارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی
۲۳	مشکوۃ المصابیح	محمد بن عبداللہ تبریزی
۲۴	المستدرک للحاکم علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ نیسابوری
۲۵	صحیح ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان التمیمی
۲۶	المعجم الکبیر للطبرانی	سلیمان بن احمد الطبرانی
۲۷	المعجم الاوسط للطبرانی	سلیمان بن احمد الطبرانی
۲۸	المصنف فی الاحادیث والآثار	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ
۲۹	المصنف	ابوبکر عبدالرزاق بن ھمام الصنعانی
۳۰	شعب الایمان للبیہقی	احمد بن حسین البیہقی
۳۱	الترغیب والترہیب	عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری
۳۲	الادب المفرد	محمد بن اسماعیل البخاری
۳۳	مجمع الزائد ومنبع الفوائد	ابوالحسن نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی
۳۴	الزھد والرقائق لابن المبارک	عبداللہ بن مبارک المروزی
۳۵	الزھد لاحمد بن حنبل	احمد بن محمد بن حنبل

۳۶	شمائل ترمذی	محمد بن عیسیٰ الترمذی
۳۷	فتح الباری	احمد بن علی بن حجر العسقلانی
۳۸	الدیباج شرح مسلم	عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی
۳۹	مقدمہ ابوداود	سلیمان بن اشعث سجستانی
۴۰	زبدۃ المقصود فی قال ابوداود	مولانا عبدالقادر رحیمی
۴۱	تحفۃ الاحوذی	محمد بن عبدالرحمٰن مبارک پوری
۴۲	فیض القدیر	محمد عبدالرزاق المناوی
۴۳	المقاصد الحسنۃ	شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی
۴۴	جامع العلوم والحکم	زین الدین عبدالرحمٰن شہاب الدین البغدادی
۴۵	مظاہر حق	نواب قطب الدین خان دہلوی
۴۶	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور صاحب نعمانی
۴۷	حدیث کے اصلاحی مضامین	مفتی احمد صاحب خانپوری

کتب فقہ واحکام

۴۸	حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح	احمد بن محمد بن اسماعیل الطحاوی
۴۹	المیزان الکبریٰ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی الشافعی
۵۰	الاستذکار لجامع المذاہب فقہاء الامصار	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد الاندلسی
۵۱	فتاویٰ رحیمیہ	مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری
۵۲	کتاب المسائل	مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری
۵۳	اسلام میں عدل اجتماعی	سید قطب

تاریخ، تذکرہ، سوانح

۵۴	السیرۃ النبویہ	ابو محمد عبد الملک بن ہشام
۵۵	سیرت المصطفیٰ	مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی
۵۶	عاشقان رسول کو خواب میں زیارت نبوی	مولانا محمد روح اللہ نقشبندی
۵۷	مسلک علمائے دیوبند اور حب رسول	مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی
۵۸	الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب	ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبد البر
۵۹	الاصابۃ فی تمیز الصحابہ	احمد بن علی بن حجر العسقلانی
۶۰	اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ	ابو الحسن علی بن ابو الکرم المعروف با بن لاثیر
۶۱	معجم الصحابہ	ابو الحسن عبد الباقی بن قانع
۶۲	معاذ بن جبل امام العلماء ومعلم الناس الخیر	عبد الحمید محمود الطحان
۶۳	سیر أعلام النبلاء	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی
۶۴	تہذیب الکمال فی اسماء الرجال	جمال الدین یوسف المزی
۶۵	تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی
۶۶	حلیۃ الاولیاء وطبقات الأصفیاء	احمد بن عبداللہ اصفہانی
۶۷	غایۃ النہایہ فی طبقات القراء	شمس الدین ابو الخیر ابن الجزری
۶۸	صور من حیاۃ التابعین	الدکتور عبد الرحمٰن رأفت الباشا
۶۹	الحجاج بن یوسف الثقفی مواقف من حیاتہ	امیر بن محمد المدری
۷۰	صفۃ الصفوۃ	ابو الفرج عبد الرحمٰن علی بن محمد الجوزی
۷۱	تاریخ بغداد	ابو بکر احمد بن علی بن ثابت البغدادی الشافعی
۷۲	فتوح الشام	ابو عبداللہ محمد بن عمر واقدی
۷۳	تاریخ مدینۃ دمشق	ابو القاسم علی بن حسن المعروف با بن عساکر

۷۴	الکامل فی التاریخ	ابوالحسن علی بن ابوالکرم المعروف بابن لاثیر
۷۵	سفر نامہ ابن بطوطہ (اردو)	ابوعبداللہ محمد بن بطوطہ
۷۶	ظفر المحصلین باحوال المصنفین	مولانا حنیف صاحب گنگوہی
۷۷	اکابر دیوبند کیا تھے؟	مفتی محمد تقی صاحب عثمانی
۷۸	انوار انوری	مولانا محمد انوری لائل پوری
۷۹	آپ بیتی	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی
۸۰	حیات ابرار	مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی

خطبات، مواعظ، ملفوظات، واقعات ومتفرقات

۸۱	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	صدر الدین محمد بن علاء الدین الدمشقی
۸۲	التوقیف علی مہمات التعاریف للمناوی	محمد بن عبد الرؤف المناوی
۸۳	کتاب البخلاء للجاحظ	ابوعثمان بحر بن الجاحظ
۸۴	اغاثۃ اللھفان من مصائد الشیطان	محمد بن ابوبکر ایوب بن سعد الجوزی
۸۵	فصل الخطاب فی الزھد والرقائق والآداب	محمد نصر الدین محمد عویضۃ
۸۶	احیاء العلوم مترجم	حجۃ الاسلام امام غزالی
۸۷	فضائل اعمال	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی
۸۸	فضائل صدقات	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی
۸۹	خطبات حکیم الامت	حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
۹۰	اللہ سے شرم کیجیے	مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
۹۱	اللہ والوں کی مقبولیت کا راز	مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
۹۲	محمود المواعظ	مفتی احمد صاحب خانپوری

۹۳	نگاہ وشرم گاہ کی حفاظت	مفتی احمد صاحب خانپوری
۹۴	اصلاحی مجالس	مفتی محمد تقی صاحب عثمانی
۹۵	فیضان عارف	مفتی عارف حسن صاحب عثمانی
۹۶	انوار ہدایت	مفتی شبیر صاحب قاسمی
۹۷	خطبات محمود	مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی
۹۸	فکر آخرت	مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی
۹۹	رزق حلال کی برکات اور حرام کی نحوست	مفتی فرید صاحب دیولوی
۱۰۰	معارف الابرار	مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی
۱۰۱	حیا اور پاکدامنی	حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی
۱۰۲	ارواح ثلاثہ	حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
۱۰۳	حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات	مولانا ابوالحسن صاحب اعظمی
۱۰۴	حکایات اسلاف دیوبند	مولانا اعجاز احمد خان سنگھانوی
۱۰۵	واقعات پڑھیے اور عبرت لیجیے	مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی
۱۰۶	نایاب موتی	مولانا صفوان صاحب پالن پوری
۱۰۷	انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر	مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی